سلسلۂ نصابِ تعلیم جامعۂ عثمانیہ

(بی۔ اے۔ کے لیے)

رولرز آف انڈیا

(ہند کے حکمراں)

مارکوئس ویلزلی

اور

(ہند میں کمپنی کا ترقی کرتے کرتے سب سے بڑی قوت ہوجانا)

مصنفہ

مسٹر ڈبلیو۔ ایچ ہٹن بی۔ ڈی۔

مترجمہ

مولوی محمود شوکت صاحب دہلوی

مددگار معتمد انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن

سنہ ۱۳۴۰ھ م سنہ ۱۳۳۱ف م سنہ ۱۹۲۲ء

دار الطبع جامعۂ عثمانیہ سرکار عالی حیدرآباد دکن

یہہ کتاب آکسفورڈ یونیورسٹی پریس کی اجازت سے
اُردو میں ترجمہ کرکے طبع و شائع کی گئی ہے ۔

فہرست مضامین

تمت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

ویلزلی کی سوانح عمری کو ابھی ایسے پیمانے پر لکھنے کی ضرورت باقی ہے جو موضوع کی اہمیت اور عظمت سے مناسبت رکھتی ہو۔ اس وقت تین مشہور سوانح عمریاں موجود ہیں۔ سب سے پہلی مسٹر پیرس کی جو ۱۸۴۶ء میں بینٹلے نے تین جلدوں میں شائع کی اس میں آخور کی بھرتی بہت ہے اس لیئے کچھ زیادہ اہم نہیں دوسری میکلا ٹارنس کی درخشاں "تاریخی تصویر" جسے چیٹو اینڈ ونڈس نے ۱۸۸۰ء میں چھاپا۔ لیکن یہ سلسلہ وار منضبط نہیں ہے۔ تیسرا کرنل مالیسن کا خاکہ۔ اس میں قصور صرف یہ ہے کہ ضرورت سے زیادہ مختصر ہے۔ جب تک کہ اس جلیل القدر مدبر کی ایک کامل یادگار کوئی ایسا شخص صفحہ قرطاس پر رقم نہ کرے جو ایک تو معاملات اور واقعات کو صحیح طور پر جانچنے اور دوسرے ان کا نقشہ پوری طرح کھینچنے کا اہل ہو اس وقت تک امید ہے کہ چھوٹی چھوٹی کتابیں لکھنے میں کسی کو تعرض نہ ہوگا اسی قبیل کی تصانیف میں اس سعی کو بھی جو اگرچہ حقیر تو ہے خدا کرے جگہ مل جائے۔

اس موضوع پر سندیں تو اتنی موجود ہیں کہ جن کا شمار نہیں۔ خاص خاص مہمات اور خاص خاص اصحاب سے قطع نظر کر کے کیوں کہ ان کے حوالے کتاب کے حواشی کی صورت میں دیدیئے گئے ہیں۔ صرف بڑے بڑے مورخوں میں سے مفصلہ ذیل کے نام بتائے دیتا ہوں۔ کپتان گرانٹ ڈف کرنل ولکس سرجان مالکم اور مسٹر جیمس مل مؤخر الذکر کی تصنیف میں گو عالی دماغی اور بلند نظری کے بہت کچھ عناصر ہیں لیکن اس پر واقعات یا اصول کا حصر کرنا درحقیقت متانت سے بعید ہوگا مسٹر مانٹگمری مارٹن کی کتاب جسمیں ویلزلی کے مراسلات، روئدادیں اور خط و کتابت ہے اور جسے ڈبلیو ایچ ایلن نے ۱۸۴۰ء میں دوسری بار چھپوایا تھا۔ جلیل القدر گورنر جنرل کے کارناموں کے

ضمن میں ہر محقق کے لیئے نہایت ضروری ہے - مسٹر سٹڈنی آون کے اس کتاب کے انتخابات (مطبوعہ کلیرنڈن پریس ۱۸۷۷ء) لائق توصیف ہیں اور انھوں نے بالکل جائز شہرت حاصل کرلی ہے - مارکوئیس کے دیگر خطوط مختلف کتابوں میں طبع ہوئے ہیں مثلاً ان میں سے بعض جو خاص اُس کی ذات سے وابستہ معلوم ہوتے ہیں مسٹر پیرس اور مسٹر ٹارنس کی تصانیف میں پائے جاتے ہیں - مسٹر جی ڈبلیو فارسٹ نے اس کے خطوط مراسلات اور دیگر سرکاری کاغذات کا جو بمبئی کے سکرٹریٹ میں مرہٹوں کے معاملات کے سلسلے میں خطوط تھے انتخاب چھپوایا - اس کتاب کی پہلی جلد مطبوعہ بمبئی ۱۸۸۵ء میں بھی ان کے بعض دلچسپ خطوط ہیں ۞

جو مسالہ ابتک شائع نہیں ہوا ہے - میرا خیال ہے کہ وہ اتنا ہی اہم اور باوقعت ہے جتنا کہ وہ جو چھپ چکا ہے - مسٹر فورٹس کو کے قلمی نسخے جو ڈراپمور میں محفوظ ہیں ہسٹاریکل مینس کرپٹ کمیشن کے لیئے دیکھے گئے تھے - ۱۸۹۲ء میں ان پر کمیشن کی رپورٹ کی پہلی جلد شائع ہوگئی ہے یہ حد درجہ قیمتی ہے اور میں نے بہت کچھ اس سے استفادہ کیا ہے - برٹش میوزم میں تقریباً چارسو جلدیں ایسی ہیں جو لارڈ ویلزلی کے نمائندوں نے دی تھیں - ان میں دو جلدوں میں (۱) منتخب کمیٹی کے نام ۱۷۹۸ء سے ۱۸۰۲ء تک کے خطوط ہیں - ایک جلد میں ۱۷۹۹-۱۸۰۵ء تک (محکمۂ خفیہ) پر جو روپیہ صرف ہوا اس کی تفصیل ہے - ستائیس جلدیں سرکاری اور راز کی خط وکتابت (اِن میں سے بہت کچھ شائع ہوچکی ہیں) - خطوط کے مسودے ہیں لیکن زیادہ ایسے جو بھیجے نہ جاسکے تھے - ہندوستان کے مالیات پر روئدادیں ہیں کاغذات ہیں رپورٹیں ہیں اور گورنر جنرل کے خانگی عملے اور اخراجات کے متعلق کتابیں ہیں - اور ۱۸۰۲ء سے ۱۸۲۲ء کے درمیانی زمانے کے متعلق خطوط اور کاغذات کی کچھ تعداد ہے ۞

انڈیا آفس کے محافظ خانے میں بھی قلمی کاغذات کا بہت بڑا ذخیرہ ہے لیکن اس میں سے زیادہ حصہ ایسا ہے جس کے متعلق مجھے گمان ہے کہ ویلزلی کے سوانح عمری نگاروں نے استعمال نہیں کیا - اس ذخیرۂ عظیم میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی مجلس کی روئدادیں ہیں اور وہ مراسلات اور ان کے جوابات ہیں جو انھوں نے

بنگال بھیجی تھیں ۔ اور اس زمانے کے متعلق حکومت ہند کی تمام کارروائیوں کی مثلیں ہیں ۔ اور ویلزلی کے کاغذات کی چھبیس جلدیں ہیں جن میں مدراس ۔ بمبئی کے مرسلہ خطوط ہیں ان کے علاوہ ایک اور مجموعہ ہے جس میں فشر پیپرز اور متفرق کاغذات ہیں ۔ اس میں بھی بڑا بیش قیمت مواد موجود ہے ۔ اس مجموعے کے تھوڑے حصّے کی تو فہرست بھی طبع ہو گئی ہے ۔ سر ہنری واٹر فیلڈ نے سیاسیات اور تجارت کے متعلق کاغذات کے بہت بڑے انبار کی ایک سرسری فہرست تیار کی تھی اور وہ ۱۸۷۵ء میں چھپ بھی گئی تھی ۔ ان کے علاوہ اور کاغذات کی قلمی فہرستیں ہیں لیکن وہ مکمل ہونے کی مدعی نہیں ۔ میں افسرانِ محافظ خانہ کا بہت مشکور ہوں جنھوں نے انڈیا آفس کے کاغذات کی چھان بین میں مجھے مدد دی ۔ میں نے قلمی مواد کا بعد استعمال کیا ہے اور مجھے یقین ہے کہ ان میں سے بعض اقتباسات مثلاً ہندوستانی نظم ونسق کے متعلق ویلزلی اور ڈنڈاس کی رائے (صہ ۱۵ - ۱۲۳) اور سول ملازمین کی تعلیم کے متعلق وارن ہسٹنگز کے مراسلات ۔ (صہ ۲۲ - ۱۲۳) نہایت دلچسپ ہیں ۔

میں اپنے دوست پادری رولنڈ ایمن کا بہت ممنون ہوں جنھوں نے بکمال نوازش میرے پروفس دیکھے اور نکتہ چینی کر کے مجھے بے حد فائدہ پہنچایا ۔ علیٰ ہذا میں اپنے دوست ریجنالڈ وان وارٹ کی دوستانہ امداد کا بھی شکر گزار ہوں ۔ میں اس سلسلۂ کتب کے مدیر کی عنایت اور استقلال اور ہندوستان کے متعلق اس کی بے مثل واقفیت کا بھی شکر ادا کیے بغیر نہیں رہ سکتا ۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مارکوئیس ویلزلی
پہلی فصل

ولادت و تربیت

ہندوستان کے برطانوی حکمرانوں کی فہرست میں کوئی نام رچرڈ مارکوئیس ویلزلی سے بڑھکر نہیں ہے۔ انکے پیشرووں میں صرف واران ہسٹنگز ہمسری کا دعویٰ کرسکتا ہے لیکن ان کے جانشینوں میں کوئی اس سے لگا نہیں کھاتا۔ منتظم اور مدبّر ہونے کی دونوں حیثیتوں میں وہ اپنے منصوبوں اور کامرانیوں میں اپنے تمام ہمعصر مشاہیر میں ممتاز نظر آتا ہے۔ اگر اس سے زیادہ عظیم الشان کامیابیاں دیکھنے کا شوق دامنگیر ہو تو پھر دور و دراز زمانے اور بالکل ہی مختلف حالات میں اپنی نگاہِ تجسّس کو دوڑانا چاہیئے۔ اصل یہ ہے کہ مشاہیر کی فتوحات ملکی و سیاسی کا مقابلہ و موازنہ ایک فعل عبث ہے۔ اگر کلائیو نے ملک فتح کیا اور ہسٹنگز نے اس وسیع جزیرہ نما میں انگریزوں کے قدم جمائے رکھے تو ویلزلی یقیناً وہ شخصیت ہے جس نے برطانوی سلطنت کا سنگ بنیاد مشرق میں رکھا۔ جب وہ ہندوستان میں آیا تو ایسٹ انڈیا کمپنی ایک تجارتی جماعت سے زیادہ وقعت نہ رکھتی تھی۔ لیکن جب وہ یہاں سے واپس گیا تو ایسٹ انڈیا کمپنی علی الرغم خود ملک میں سب سے زبردست طاقت بن گئی تھی۔ مشاہیر کے نسبنامے کا مطالعہ اکثر ایک بے مزہ اور بے سود سی چیز ہوتی ہے لیکن ویلزلی کے آبا و اجداد کی کیفیت میں ایک خاص لطف ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کیا خاص وصف تھا وہ کس قسم کی جدوجہد تھی جس کی بدولت ان چاروں بھائیوں نے جو سب نہایت ممتاز اور یہ دونوں تو بلاشبہ ہونہار تھے اتنا اقتدار حاصل کیا۔ اسکا ہمیں کوئی اطمینان بخش

جواب نہیں ملتا ہے

آئرلینڈ میں ایک قدیم خاندان تھا جسکو ویسلی کہتے تھے۔ اور جس کی ایک شاخ نے اٹھارویں صدی کا زبردست رہنما پیدا کیا۔ اسوقت جبکہ اصول ہجا منضبط نہ ہوئے تھے اس کو ویلزلی یا ویلزلے لکھا جاتا تھا۔ یہ گھرانا اگرچہ اس نے کوئی خاص شہرت و امتیاز حاصل نہیں کیا تھا، صدیوں سے خوش حال چلا آتا تھا۔ اس گھرانے کا ایک فرد گیرٹ ویزلی تھا۔ جو سوفٹ کا ہمسایہ اور دوست تھا یہ شخص نہایت راستبازی اور پاکدامنی سے زندگی بسر کرنے کے بعد لاولد عالم بقا کو سدھارہ گیا چارلس ویزلی میتھوڈزم طریقت کا "خوش نوا مطرب" اگر چاہتا تو گیرٹ ویزلی کا وارث بن جاتا۔ لیکن اسنے انکار کردیا اور اسلئے ایک دوسرے رشتے دار کیسل کاربری کے رچرڈ کولے کو متبنیٰ کیا گیا اور جب وہ سن بلوغ کو پہنچا تو خاندان کے نام اور جاگیر کا مالک ہوا۔ حالانکہ حکومت کی اسنے کوئی اہم خدمت انجام نہیں دی تھی لیکن اس کے خاندان کی عزت افزائی اس صورت سے کی گئی کہ رچرڈ آئرلینڈ کے طبقۂ امرا میں داخل کرلیا گیا۔ چنانچہ سنہ ۱۷۴۶ء میں رچرڈ کولے ویزلی آئرلینڈ کے طبقے کا بڑا بیرن مارننگٹن کے خطاب سے موسوم ہوا۔ اُسے فنون لطیفہ میں تھوڑا بہت درک تھا، اور اُس کا بیٹا گیرٹ ویزلی تو مشہور ماہر علم موسیقی گزرا ہے اُن دنوں یہ بات اعجوبۂ روزگار سمجھی جاتی تھی، کہ ایک امیر ابن امیر اور علی الخصوص آئرلینڈ کا امیر تماشاگاہ کے طائفۂ رقص و سرود کا میر ہو۔ لیکن لارڈ مارننگٹن ثانی ایسی انسانیت رکھتا تھا کہ ہر شخص اُسکی تعظیم و تکریم کرتا تھا، اور فن موسیقی میں اس کے کمال کا ہر ایک شخص معترف تھا۔ اور اسی لحاظ سے وہ ابتک لوگوں کو یاد ہے اسکی شادی آرتھر ہل ٹریور (جو بعد میں لارڈ ڈن گینن ہوگیا تھا) کی بیٹی این سے ۱۷۵۹ء میں ہوئی۔ اور اسی سال وہ ارل (نواب) کے رتبے پر فائز کردیا گیا۔

اس قابل مطرب باپ اور تربیت یافتہ ماں کا پہلوٹی کا لڑکا رچرڈ کولے ویزلی[1] ڈنگن کیسل ضلع میتھ میں ۲۰۔ جون سنہ ۱۷۶۰ء کو پیدا ہوا۔ اسکے بھائی ولیم (بعد میں ارل آف میری برا کے خطاب سے معروف ہوئے)

[1] کہا جاتا ہے کہ رچرڈ ویسلی نے اپنے نام کو ایٹن میں ویزلی لکھنا شروع کیا تھا۔ آکسفورڈ سے اُسنے ویلزلی کے نام سے انٹرنس کا امتحان پاس کیا۔ اس کے بھائی آرتھر نے عرصہ دراز تک اپنے نام کو ویزلی ہی لکھا اسکی بہت سی ہندوستانی مراسلتوں پر یہی دستخط موجود ہے۔ ۱۲

آرتھر، (شہرۂ آفاق ڈیوک آف ویلنگٹن) اور ہنری تھے۔ موخرالذکر لارڈ کولے کے نام سے اور پیرس میں برطانوی سفیر کی حیثیت سے زیادہ مشہور ہے۔ یہ تینوں علی الترتیب ۱۷۶۳ء، ۱۷۶۹ء اور ۱۷۷۳ء میں پیدا ہوئے۔ ایک روز اِن کی مُسن والدہ گاڑی میں بیٹھی ہوئی چلی جارہی تھی کہ اس کے بیٹوں کے مدّاحوں نے گاڑی روک لی۔ گھر پہنچنے میں دیر ہوگئی، تو مُسن والدہ نے بیٹوں سے قابل عفو نازش کے ساتھ کہا کہ "گبری کائی کی ماں ہونے کا یہ نتیجہ ہوتا ہے"۔

رچرڈ موضع ٹرم کے مکتب میں کچھ دنوں تعلیم پانے کے بعد ہیرو بھیجدیا گیا، مگر چند روز بعد اسے یہ مدرسہ چھوڑنا پڑا۔ وجہ یہ ہوئی کہ ایٹن کے مسٹر ہیتھ ہیرو کا صدر مدرسی پر تقرر ہوا۔ لڑکے انہیں پسند نہیں کرتے تھے۔ بلکہ ایک دوسرے شخص سیموئل پار کو ترجیح دیتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے آپس میں صلاح مشورہ کر کے ہیتھ کا تبادلہ فسخ کرانے اور اسکی بجائے **سیموئل پار** کو بلانے کی کوشش کی گو سیموئیل پار نے ہیتھ کے بعد بڑی شہرت حاصل کی، لیکن اس سازش میں شریک ہونے کا **ویلزلی** کے حق میں نتیجہ یہ نکلا کہ اس یازدہ سالہ فتنے کو **ایٹن** بھیجدیا گیا۔ اس مدرسے سے اسے اتنی محبت ہوگئی، کہ اس پر کسی مذہب کے نئے پیرو کی طرح دل و جان سے فدا تھا۔ یہی مدرسہ ہے، جہاں اُس نے یونانی اور لاطینی علوم قدیمہ میں ایسی نظم اور تحریر میں ایسی بے مثل صفائی حاصل کی، جو اسکی تمام زندگی میں طرۂ امتیاز بنی رہی۔ ایک سرگرم مدّاح لیکن نکتہ چیں نقاد ڈاکٹر گُڈآل کا جو بعد میں ایٹن کا ہیڈ ماسٹر بھی رہا خیال تھا، کہ وہ **ورجل** سے باعتبار علم و فضل کہیں زیادہ ہیں۔ وہ اپنے بھائی آرتھر کے ساتھ ایک ہی مکان میں مقیم تھا۔ **ولیم گرینول** اور **سر جان نیو پورٹ** اس کے ہم مکتب تھے۔ اور تمام عمر اس کے یار وفادار بنے رہے۔ کہتے ہیں کہ ۱۷۷۱ء کی تقاریب کے موقع پر اس نے **جارج سوم** کے ایسے درد انگیز لب ولہجے میں سٹرلفورڈ کی تقریر دُہرائی، کہ بادشاہ کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے۔ اور جب وہ وہاں آرچ بشپ کارنوالس کے ساتھ حسب معمول لیمبتھ واپس آیا، اور گیرک سے ملاقات ہوئی تو اثنائے گفتگو میں گیرک نے کہا،

ؔ کوارٹرلی ریویو جلد CXLIX ص ۳۶۴

"آپ نے وہ کام کیا جو میں کبھی نہ کر سکتا تھا۔ آپ نے شاہ کو رُلا دیا" ویلزلی نے جواب دیا۔ "جی ہاں، لیکن آپ نے کبھی شاہ کے حضور میں ایسے شخص کی صورت بنا کر بات نہیں کی، جو ایک منہ چڑھے ہوئے، نظر سے گرے ہوئے، خود مختار "وزیر کیلئے زیبا ہیں"
دسمبر ۱۷۷۸ء میں وہ ایٹن[۱] سے کرائسٹ چرچ کالج تعلیم حاصل کرنیکی غرض سے گیا۔ ۱۷۸۰ء میں اس نے لاطینی نظم میں امیر جامعہ کا انعام (چانسلرز پرائز) جیتا۔ نظم کا موضوع کپتان کُک کی موت تھی ۱۷۸۱ء میں اس کے باپ کا انتقال ہو گیا۔ اور اس پر باپ کا قرضہ ادا کرنے اور بھائیوں کی تعلیم کا بار پڑا۔ لیکن اس نے کمال ہمت و عزت اور کامیابی سے اس کام کو پورا کیا[۲]

گریٹن کا دور دورہ تھا۔ نوجوان لارڈ مارننگٹن کی قابلیتوں نے آئرلینڈ کے دارالامرا میں بحیثیت رکن سب کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ جب اس کا دوست ولیم گرینول آئرلینڈ کا چیف سکریٹری مقرر ہوا، تو ان دونوں میں خوب خط و کتابت ہوتی رہی۔ موضوع سیاسی امور تھے۔ مارننگٹن کے جوش کا حد و حساب نہ تھا۔ اس نے گرینول کو ایک مکتوب میں لکھا۔

"مجھے اُس دن بڑی خوشی، بڑا فخر ہوگا جس دن میں پارلیمنٹ کے اندر اور پارلیمنٹ کے باہر آپ کا رفیق کار ہوں گا۔ اور نہایت مستعدی اور تن دہی سے آپکی تجاویز کو کامیاب بنانے اور جامۂ عمل پہنانے میں اپنی تمام قابلیت صرف کر دونگا۔ درحقیقت میں اپنی تمام مساعی کو ہماری اس جگری دوستی، وفاشعاری اور وضعداری کی ادنیٰ نذر سمجھوں گا جس نے ہر حالت میں میری مدد کی ہے، اور اپنی خدمات ایسی حکومت کے لئے وقف کر دونگا جو صحیح اور عمدہ اصولوں پر جاری ہے"

.... آپ مجھے اپنا ایک مددگار معتمد تصور کریں، میں بادشاہ کا خادم ہوں، غلام نہیں۔ اور میں آپ کے ساتھ اتنی ہی محنت اور جانفشانی سے کام کرنے کے لئے ہر وقت آمادہ ہوں، جتنی کہ ہم لینٹ کے متعلق نظم لکھتے، اور مذہبی گیت موزوں کرتے، اور کاوش فکری کرتے تھے[۲]"

---

[۱] کرائسٹ چرچ کے ڈین اور چیپٹر نے باتفاق رائے انہیں اپنے کالج کا طالب علم منتخب کیا دیکھو مارکوئس ویلزلی صفحہ ۳۲
[۲] ہسٹاریکل مینسکرپٹ کمیشن۔ ڈراپ مور کے قلمی نسخے جلد اول صفحہ ۲۴۱

ان کے بیچ کے خطوط میں آئرش دار الشوریٰ کی ابتر حالت کی بڑی عجیب اور بیّن تصویر نظر آتی ہے۔ ۱۷۸۴ء میں وہ قصبہ بیرالسٹن کی طرف سے انگریزی دار الشوریٰ میں بطور ایک رکن داخل ہوا۔ لیکن ۱۷۸۶ء میں اُس نے اپنی جگہ ونڈسر کی رکنیت سے اور ۱۷۹۶ء میں اولڈسرم کی رکنیت سے تبدیل کر لی۔ دار الشوریٰ میں بہت جلد اسکی قابلیت اور طاقت کا سکہ بیٹھ گیا۔ سینٹ پیٹرک کے خطاب کے عالم وجود میں آنے پر وہ اس کے اولین نائٹ میں اس خطاب پر فائز ہوا۔ ۱۷۸۶ء میں خزانے کا افسر اعلیٰ مقرر ہوا۔ ابتداءً اس کی سیاسیات پر احرار کا رنگ چڑھا ہوا تھا۔ گریٹن[۱] کے وہ بڑے مدّاح تھے اور آخر میں پٹ کا گہرا دوست ہو گیا۔ چنانچہ آئرلینڈ کے متعلق پٹ کی تجاویز کا بڑا مؤید اور معین تھا۔ ۱۷۸۹ء میں آئرش پارلیمنٹ کی اس درخواست کی اس نے مخالفت کی کہ پرنس آف ویلز کو غیر محدود اختیارات کے ساتھ نائب السلطنت کر دیا جائے۔ ولبرفورس سے اسے کامل ہمدردی تھی، اور ۱۷۹۲ء کے مناظروں میں اس نے یہ تجویز پیش کی، کہ غلامی کو فوراً منسوخ کر دیا جائے۔ ان دنوں اسکی انگریزی اور آئرش پارلیمنٹ میں جدوجہد اس امر پر دلالت کرتی ہے، کہ وہ روشن خیال اور آزاد تھا۔ لیکن انقلاب فرانس کی شورش بڑھنے کے ساتھ فاکس کے تابعین سے اسکا اختلاف اور علٰحدگی بعد بروز نمایاں ہوتی گئی۔ انتہا یہ کہ دار الشوریٰ کی اصلاح کا دشمن ہو گیا اور ۷ مئی ۱۷۹۳ء کو اسنے لارڈ گرے کی تحریک کی مخالفت کی۔ انقلاب کے دہشت انگیز خیال نے جیساکہ اسکے دلائل و براہین سے ظاہر ہوتا ہے اس کی حرّیت پسند رائے میں یک گونہ تبدیلی پیدا کر دی تھی، لیکن انقلاب کے متعلق جب یہ خطرات زائل ہو گئے تو اپنے قدیم مدّ مقابل کے تحت میں وہ اس حکومت کا ایک فرد تھا، جسنے ۱۸۳۲ء کے قانون اصلاح کو نافذ کرایا۔ ۱۷۹۰ء میں خرابی صحت کے باعث اسنے یورپ کی سیاحت کی تھی اور پیرس میں ان مظالم اور بدعنوانیوں کو جو عوام الناس اور ملکی مجلس کی کارروائیوں میں جو اسی وقت سے پیدا ہو گئے تھے بچشم خود دیکھا تھا، اُس نے انکا نقشہ ولیم گرینول[۲]

[۱] گرینول کے نام ایک خط میں اس نے گریٹن کی نسبت لکھا تھا کہ "میرا دوست گریٹن قابلیت اور نکو کاری کے اعتبار سے افضل الناس ہے"۔ ہسٹاریکل کمیشن رپورٹ۔ ڈراپ مور کے قلمی نسخے جلد اول ص ۱۶۲۔

[۲] ڈراپ مور کے قلمی نسخوں کی فہرست جلد اول ص ۶۰۷-۱۔

کے نام ایک خط میں نہایت تند اور تمسخر انگیز الفاظ میں کھینچا اُس سے یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں، کہ ان تلخ تجربوں نے اسکی رائے کو کتنا متاثر کردیا تھا۔

لارڈ مارننگٹن کے خیالات اپنے عہد کے اکثر نوجوانوں کے مانند تھے، کہنہ و فرسودہ اور تنگ خیال فرقہ وہگ سے اسے کوئی ہمدردی نہ تھی۔ امور خارجہ کے متعلق اس کی نظر بہت وسیع تھی، اور رفاہ عام کی تحریکوں میں اسے انتہائی شغف تھا۔ لیکن قدیم قانون اساسی کا وہ بہت دلدادہ تھا۔ اگرچہ اس میں اصلاح کی ضرورت کی نسبت اس نے آنکھوں پر ٹھیکری نہیں رکھی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ اس قدامت پسندی کا مجسم نمونہ تھا جس نے پٹ اور برک کے زمانے میں جنم لیا تھا۔ ۲۱ جنوری ۱۷۹۴ء کو اس نے انقلاب فرانس پر جو طول طویل تقریر کی تھی، اس میں یہ اصول صاف طور پر نظر آتے ہیں۔ جسکو اس نے خود درست کرکے رسالے کی صورت میں شایع کرایا تھا جسکا شریڈن نے ترکی بہ ترکی جواب دیا، اور اس جواب کو شائع کرایا اور اسے خوب الم نشرح کیا۔ لارڈ مارننگٹن نے جو عظمت اور مرتبت حاصل کرلی تھی، اسکی کافی شہادت اس امر سے ملتی ہے کہ اسکی تقریروں کا جواب اُس زمانے کے مشہور و معروف مقرر دیا کرتے تھے۔ مگر اس قسم کے مجادلوں میں وہ ہمیشہ کامیاب نہیں رہا۔ ایک مشہور معرکہ مناظرہ کے متعلق ولبرفورس نے اپنے روزنامچے میں لکھا ہے، "کہ غریب مارننگٹن کمزور تھا، اور شریڈن اس پر بے رحمی سے پلا پڑتا تھا"۔

۱۷۹۳ء میں لارڈ مارننگٹن سے حلف لیکر برطانوی پریوی کونسل میں وہ داخل کیا گیا۔ اور اسی سال نگران مجلس کی رکنیت کی وجہ سے ہندوستانی معاملات سے اسکے تعلقات شروع ہوئے اور اس کے قبل ہی ہندوستان کی تاریخ اور اس نوع کے دیگر علوم کا مطالعہ کرکے اپنے آپ کو خوب تیار کرلیا تھا[1]۔ اس کے بعد چار سال تک ہندوستانی مسائل و کوائف کو بہ نظر غائر دیکھتا رہا۔ اسکی تقریروں میں جابجا مشرق کی حالت اور انگلستان کی حکمت عملی کا ذکر ہے۔ اسے ایک بڑا فائدہ یہ بھی تھا کہ

[1] ۳۰۔ جولائی ۱۷۸۶ء کو اس نے برائٹن سے گرینول کو لکھا کہ آجکل میں اورم پڑھ رہا ہوں اور اُن سے درخواست کی کہ ہندوستان میں یورپین بستیوں کے متعلق حالات سے آگاہ کریں"۔
ڈراپ مور کے قلمی نسخوں کی فہرست جلد اول صہ ۲۶۳

لارڈ کارنوالس سے پوری واقفیت تھی۔ اس غریب کی تمام عمر باد مخالف میں گزری تھی، اور صرف ہندوستان ایک ایسا ملک تھا، جہاں کے نظم ونسق میں اُسے اعلیٰ کامیابی حاصل ہوئی تھی۔ ۱۷۹۶ء میں اُس کا بھائی آرتھر مدراس آیا۔ کارنوالس نے اسکے متعلق لکھا تھا کہ "وہ ایک سمجھ دار آدمی اور عمدہ افسر ہے"

لارڈ مارننگٹن کو آرتھر کے خطوط برابر ملتے رہتے تھے اور ان کی عبارت ویسی ہی مختصر، صاف اور بے لاگ ہوتی تھی، جیسی کہ اُس کے آخری زمانے کے زیادہ مشہور خطوں میں پائی جاتی ہے۔

اسی سال ہندوستانی انتظام میں تغیر وتبدل کی ضرورت لاحق ہوئی۔ کلکتے میں سر جان شور اور مدراس میں لارڈ ہابرٹ ایک دوسرے کے خیالات سے بالکل متنفر تھے، موخرالذکر کو اُمید تھی کہ وہ گورنر جنرل کے عہدہ پر سرفراز کیا جائے گا۔ لیکن حکومت وطن اچھی طرح جانتی تھی کہ وہ اس منصب کا اہل نہیں ہے۔ کارنوالس آمادہ کیا گیا کہ وہ اس عہدے کو دوبارہ قبول کرلے، اور مارچ ۱۷۹۷ء میں مارننگٹن کو غیر سرکاری طور پر فورٹ سینٹ جارج (مدراس) کی گورنری پیش کی گئی اور وعدہ کیا گیا کہ وہاں سے اس کا تبادلہ گورنر جنرلی پر کردیا جائیگا۔ اس نے اسے منظور کرلیا۔ اور بہت مدت نہ گزری تھی کہ گورنر جنرلی بھی اس کی قسمت میں آگئی۔

۲۶۔ جولائی کو علی الصباح لارڈ مارننگٹن مدراس جانے کے لئے دربار شاہی میں وداعی سلام کرنے حاضر ہوا۔ اُس وقت یہ معلوم ہوا کہ آئرلینڈ میں تبدیلیوں نے ایسی صورت اختیار کرلی ہے کہ یہ محسوس کیا گیا کہ لارڈ کارنوالس کو وہاں سے نہیں ہٹایا جاسکتا۔ ہولوڈ میں ایک ہفتہ، پٹ کے ساتھ ہندوستانی مقبوضات، کی ضروریات اور آئندہ توقعات کے متعلق نہایت تردد انگیز بحث میں گزارنے کے بعد آخرکار یہ طے ہوا، کہ مارننگٹن کو ہندوستان کا گورنر جنرل مقرر کیا جائے۔ اس کے ساتھ ہی اسے برطانوی طبقۂ امرا میں جگہ دی گئی جسکا وہ عرصے سے خواہشمند تھا اور اب وہ بیرن ویلزلی ہوگیا۔

اواخر اکتوبر میں وہ اس عظیم الشان ضیافت میں شریک ہوا، جو ایسٹ انڈیا کمپنی نے کیمپرڈاؤن کے فاتح کے اعزاز میں دی تھی۔ اسنے اس موقعے کے مناسب تمن چلے امیر البحر کی فتح ونصرت پر ایک نظم لکھی اور گو اس کی نظم ڈبڈن اور براہم کی اُن نظموں سے

لگاؤ نہیں کھاتی جیس سے کہ وہ دونوں مشہور ہو گئے، لیکن بایں ہمہ اس کی نظم کا اسی سرگرمی سے خیر مقدم کیا گیا جسکا اظہار بالعموم وائسرائے کی نظم پر ہوا کرتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اسے انگریزی کی نسبت لاطینی میں شعر کہنے کی زیادہ مشق تھی۔ انقلاب فرانس کے جرائم اور محترم ڈنکن کی صفات پر جو مسدس عین اُس پُر آشوب زمانے میں اسنے بقام واہر لکھا، اور جو جیکوبن کے مخالف رسالے میں شائع ہوا، درحقیقت اسکی شاعری کے زیادہ شایاں تھا۔

لارڈ مارننگٹن ۹ نومبر کو جہاز میں سوار ہوا۔ اس نے شروع ہی سے وہ تمام کرّ و فر جو ایک وسیع و رفیع سلطنت کے لئے زیبا ہے اختیار کرلیا تھا، بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ سالہا سال پہلے جب وہ اوّل بار آئرلینڈ کے دارالامرا میں گیا تو اس کی شان و شکوہ دیکھکر ناظرین سے رہا نہ گیا، اور اُنہوں نے وہیں اس پر آوازے کسے۔ ایک جلے تن شخص نے یہاں تک کیا کہ اس کے انداز پر گیرک (شاہ قعقعہ بدانجام) کی پھبتی کہی اس نے عمائدِ مملکت کی ظاہرا شوکت وتجمل، حسن و ادا خاص طور پر سیکھی تھی اس کی چال ڈھال اور لب و لہجے میں، وضع قطع اور دارالشوریٰ کی تقریروں میں تمکنت و سطوت کا ایک خاص انداز ہمیشہ نظر آتا تھا اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ اسے حق حاصل ہے کہ بات کہنے پر لوگوں کو ہمہ تن گوش اور مطیع و منقاد کرلے۔ علیٰ ہذا چھوٹی چھوٹی باتوں میں بھی اسکے تکلف و تصنّع کا یہی حال تھا۔ اگرچہ سمندر کا سفر اسے ہمیشہ ناموافق[1] تھا۔ اور ان تکالیف کو وہ بہت کچھ رنج و تعب کے ساتھ برداشت کیا کرتا تھا۔ لیکن ٹھاٹھ میں کوئی فرق نہ آیا، وہاں بھی کھانے کے واسطے لباس اسی توجہ سے پہنا جاتا تھا جیساکہ گھر میں۔ مارننگ کرانیکل نے اس کی روانگی کی خبر درج اخبار کرنے میں بطور طعنہ لکھا تھا۔

"چھوٹے سے جہاز پر ذخائر" گاڑیاں اور دیگر اسباب اتنا لادا گیا ہے، کہ اگر دشمن سامنے آجائے اور معرکے کی ٹھان لے، تو لارڈ مارننگٹن بلاشک وشبہ، صرف پانچ منٹ میں دو ہزار پاؤنڈ کا سامان اس کی نذر کر بیٹھیں"

نیا گورنر جنرل جب ہندوستان کی طرف روانہ ہوا تو اپنے پیشروؤں کے برعکس

[1] آئرلینڈ کے دریائی سفر میں بھی اسکا مزاج اتنا بدمزہ ہوجاتا تھا کہ بستر سے نہ اُٹھ سکے۔ ڈراپ مور کے قلمی نسخوں کی فہرست جلد اوّل صـ ۲۲۵

اس نے کسی نظام عمل کی پابندی کا وعدہ نہیں کیا اور نہ جن معاملات کی باگ اس کے ہاتھ میں دی گئی تھی۔ اُن سے ذاتی طور پر اسے عملاً کوئی دلچسپی تھی۔ یہ سچ ہے کہ اُسکا بھائی آرتھر پہلے سے ہندوستان میں موجود تھا، اور اسنے اپنے ہمراہ اپنے سب سے چھوٹے بھائی ہنری کو بھی بحیثیت سیاسی معتمد ساتھ لے لیا تھا۔ اور یہ بھی سچ ہے کہ وہ اپنے عزیز و اقارب اور بھائیوں کو اس درجے تک ترقی دینے کا متمنی تھا جو اس کے لئے مفید ثابت ہو۔ لیکن اس کے سوا اور کسی معاملے میں رتی بھر شبہ کی گنجایش نہیں۔ کہ اسے اپنے فرائض منصبی کے دائرے سے باہر کسی سے بھی کچھ علاقہ ہو۔ نہ بذات خود اور نہ کسی ایجنٹ کے ذریعے سے، چوری چھپے تجارت سے اسکا کوئی تعلق تھا۔ لارڈ کارنوالس کی طرح نہ تو اُس نے فوجی تربیت پائی تھی، اور نہ اس طرف اسکا کچھ میلان طبع ہی تھا۔ اس میں شبہ نہیں کہ اور بہت سے لوگوں کی طرح وہ بھی ڈنڈاس کے زیر اثر تھا۔ تاہم وہ کسی طرح بھی ڈنڈاس کا مطیع و منقاد نہ تھا۔ نہ پہلے سے اس کے کمپنی کے ساتھ کوئی تعلقات و مراسم تھے، نہ وہ اپنی ترقی کے لئے اس کا ممنون تھا اور نہ آئندہ ہی کسی قسم کی امداد اور اعانت کا اُس پر بھروسہ تھا۔ اُس کے حق میں یہ بات بڑی مفید ثابت ہوئی کہ وہ سر جان شور جیسے شخص کے بعد آیا۔ خود رائے اور پکے ایماندار مین ظاہر ہیں لوگوں کے لئے کوئی کشش نہیں ہوتی، چنانچہ مارننگٹن کی پبلک زندگی گو انتہا درجہ قابل احترام تھی تاہم اسکے پیشرو کی زندگی کے بالکل برعکس تھی۔ مبدء فیض سے اُسے وارن ہیسٹنگز کی جدت طبع ملی تھی۔ اور اسکے برخلاف اسکے تمام کاموں میں کوتاہ نظر مخالفت کہیں بھی اسکے مانع نہیں ہوئی۔ شور نے چھوٹے سے خطۂ ملک میں خوب کام کیا، لیکن مارننگٹن کی نسبت اُس کے ایک دوست پارلیمنٹ کے سپیکر ایڈنگٹن نے ہندوستان آنے سے چند سال پہلے خوب کہا تھا کہ۔

"آپ کو کام کرنے کے لئے وسیع فضا کی ضرورت ہے یہاں کی پابندیاں آپ کو کھائے جاتی ہیں"

دوسری فصل

ہندوستان میں کام کی ابتدا۔ اعلیحضرت نظام الملک۔

احاطہ بمبئی و مدراس

سر جیمس سٹیفن اور سر جان اسٹریچی[1] کی تصانیف کے بعد جیمس مل کے یک طرفہ اور غیر تاریخی خود سرانہ فیصلے کی صحت پر اصرار کرنا فضول ہوگا۔ صرف اتنا کہدینا کافی ہے کہ اس نے مارننگٹن کے متعلق جو کچھ لکھا ہے، اس میں بے سوچے سمجھے عجلت سے کام لیا ہے اور اس کی منزلت "دخل در معقولات" سے زیادہ نہیں۔ وارن ہیسٹنگز پر بھی اُس نے اسی طرح لے دے مچائی ہے۔ مل نے اس شہادت کی طرف سے عمداً آنکھیں بند کرلیں جسے وہ خود اقرار کرتا ہے کہ اس نے کتاب لکھتے وقت مطالعہ کیا تھا۔ اس کا بیان ہے کہ نئے گورنر جنرل کے پاس

"ہندوستان کے پیچیدہ معاملات سمجھنے کے لئے تو بہت کم وقت تھا۔ اسکی تمام توجہ ایک خاص مسئلہ پر بغایت مبذول تھی"

خود اسکے پاس وقت کم تھا یا زیادہ اس سے بحث نہیں لیکن جو مراسلتیں کہ اس امید سے ۲۳ اور ۲۸ فروری ۱۷۹۸ء کو بھیجی ہیں، ان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے اس وقت کو کس خوبی سے استعمال کیا۔ واقعہ یہ ہے کہ راس امید میں لارڈ میکارٹنی، گورنر کیپ کالونی سے اسکی ملاقات ہوئی۔ یہ مدراس میں گورنر رہ چکا تھا اسکے علاوہ لارڈ ہابرٹ ڈیوڈ بیرڈ بھی وہیں اس سے ملا۔ یہ میسور میں قید رہا تھا اور صلح بنگلور کے بعد اس کی شرائط کے مطابق رہا ہوا تھا۔ اور اس لئے اُسکے پاس تصفیہ کرنے کے لئے بہترین ذرایع تھے، کہ انگریزوں کے متعلق ٹیپو سلطان کے کیا خیالات ہیں۔ میجر کرک پیٹرک ریزیڈنٹ حیدرآباد بھی اپنی خدمات سے سبکدوش ہوکر انگلستان واپس جا رہا تھا۔ موخر الذکر سے اس نے وہ معلومات حاصل کی تھیں

[1] "ہندکمار اینڈ امپے"، مطبوعہ ۱۸۸۵ء اور "ہیسٹنگز اینڈ دی روہلا وار" مطبوعہ ۱۸۹۲ء

جن کا ڈنڈاس خصوصیت سے طالب تھا۔ ڈنڈاس یہ جاننا چاہتا تھا کہ "وہ فوجی نظام عمل کیا ہے، جس پر ہندوستان کے فرماں روا عمل کرکے یورپین یا امریکین فوجی افسروں کو ملازم رکھتے تھے اور بہ لانوی طریق پر اپنی فوج کو تعلیم و تربیت دلاتے تھے"۔ مارننگٹن نے ہندوستان آتے ہی سب سے پہلے ایک تو اس بات پر اور دوسرے نظام الملک کے کمپنی سے تعلقات پر اپنی تمام توجہ منعطف کردی تھی۔

نظام الملک کی فوج ایک فرانسیسی افسر ریمنڈ نامی کی سرکردگی میں دس ہزار سے اوپر تھی اور تیس توپیں تھیں، جن کے افسر اور توپچی ہندوستانی تھے۔ نظام الملک نے حکم دے دیا تھا کہ فوج کی تعداد بڑھاکر چودہ ہزار کردی جائے اور ملک کا ایک وسیع علاقہ جس کی ایک طرف حد کرناٹک سے ملتی تھی، فوج کی تنخواہ کے لئے بطور ضمانت مخصوص کردیا تھا۔ اسوقت اس امر کا قوی شبہہ کیا گیا تھا، جو بعد میں بالکل صحیح ثابت ہوا، کہ اس فوج کے سردار نظام الملک کی منظوری سے فرانسیسیوں کی طرفداری اور خیرسگالی میں نظام الملک سے زیادہ خطرناک میسور کے فرماں روا سے خط وکتابت میں مصروف ہیں۔ معہذا دوسری دیسی ریاستوں نے اس فوج کے برابر اپنے ہاں فوجیں طیار کی تھیں اور یہ صاف معلوم ہوتا تھا کہ یہ تمام کارروائی ہندوستان میں فرانسیسی اثر کی مریح اور قوی معاونت ہے۔ مارننگٹن نے اس ذیل میں اپنے مراسلہ میں لکھا۔

مجھے اس میں مطلق[1] شبہ نہیں کہ ہمارے خاص الخاص اتحادیوں کے رکن رکین کے دربار میں اس قسم کے گروہ کی بے روک اور تیز ترقی کا چند روز میں لازمی نتیجہ یہ نکلے گا کہ وہ ریاست ہمارے اغراض و مقاصد سے یکسر بے تعلق ہوجائیگی اور آخرکار وہ ہمارے دشمنوں میں شامل ہوجائیگی اور پھر اسکی مجالس شوریٰ ہمارے دشمنوں کی زیر سیادت آجائینگی، اور اسکی تمام فوجی طاقت ان کے اشارے پر کام کریگی۔ ریمنڈ کی فوج اسوقت تربیت و اسلوب اور میدانیں کارگزاری کے اعتبار سے خواہ کتنی ہی حقیر کیوں نہو کیا یہ دانائی کی بات ہے کہ ایک ایسی عظیم جماعت کو جو بعینہ ہماری فوجی تربیت کے اصول پر اسلوب پانے کیلئے تیار کیگئی ہو، ایسی حالت میں چھوڑ دیا جائے، کہ اسکا نظام ترکیبی اُن

[1] مراسلات ویلزلی جلد اول صفحہ

فرانسیسی افسروں کی قابلیت، محنت اور جوش وخروش سے ہر قسم کی ترقی اور فروغ حاصل کرے، اور اپنے نئے رہبروں کی دلی تمناؤں کو ہر طرح سے پورا کرے، جو اس مقصد کے لئے خاص طور پر یورپ سے بھیجے گئے ہیں۔"؟ ان حالات کو پیش نظر رکھکر یہ کہا جاسکتا ہے، کہ وہ فوج جو اسوقت ایک سیاسی جماعت سے کچھ زیادہ وقعت نہیں رکھتی اور نظام الملک کے اور ہمارے لئے یکساں بے کار ہے، ہمارے دشمنوں کی تعلیم و تربیت سے بہت جلد ایک اعلیٰ فوجی طاقت بن جائے گی۔

وہ پیش بندیاں جو مارننگٹن نے کرک پیٹرک کی صلاح سے اس خطرے کے مقابلے کے لئے تجویز کی تھیں، بہت جلد مکمل کی گئیں۔ اور یہی پیش بندیاں تھیں جن پر اس نے حقیقت میں عمل کیا۔ تجاویز یہ تھیں، کہ سفارت اور مطالبے کے ذریعے ریمنڈ کی فوج کو منتشر کیا جائے؛ اور اس کی بجائے برطانوی کنٹنجنٹ میں جسکے مصارف نظام الملک کے ذمے تھے، اضافہ کیا جائے۔ اور اسکے متعلق نظام الملک کے اختیارات میں اتنی مزید توسیع کیجائے، کہ جب ضرورت ہو تو اسکو مرہٹوں کی غاصبانہ دست اندازی کے خلاف اسے کام میں لائیں، مارننگٹن نے ۲۳۔ فروری اور زیادہ تفصیل سے ۲۸۔ فروری کے مراسلوں میں برطانوی طاقت کے دیسی ریاستوں کے ساتھ تعلقات پر بحث کی اور اس میں ظاہر کردیا کہ صورت حالات پر اسکو کیسی استادانہ قدرت اور مشکلات سے کیسی گہری واقفیت حاصل ہے، اور یہ کہ وہ ہندوستانی سیاسیات کے مسائل میں نوآموز نہیں ہے۔ یہ امر کہ یہ تمام تجاویز کرک پیٹرک ہی کی نہ تھیں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے کرک پیٹرک کی بعض تجاویز پر پوری بحث کی، اور بعض کو مسترد کردیا، سرزمین ہند پر قدم رکھتے ہی انہوں نے سب سے پہلے حیدرآباد کی طرف توجہ کی۔ لہٰذا مناسب معلوم ہوتا ہے، کہ اس کی دیگر خدمات کے قبل نظام الملک سے اس کے تعلقات کا نقشہ کھینچا جائے؛

اسوقت نظام الملک کی حیثیت برطانوی طاقت کے لئے بالخصوص اس لئے خطرناک تھی کہ وہ میسور کے جنگجو حکمران کے ہمسایہ تھے اور ان پر شبہ تھا کہ وہ ٹیپو سے خفیہ سازباز کرتے ہیں۔ ٹیپو سلطان وہ دشمن تھا جس سے صوبۂ مدراس کو ہر وقت کھٹکا لگا ہوا تھا۔ اور مارننگٹن نے تاڑ لیا تھا کہ اس کی طاقت کو فوراً توڑ دینے کی ضرورت ہے۔ لیکن فورٹ سینٹ جارج کی مجلس کوتاہ بیں اور ڈرپوک تھی اس کے

ذہن سے حیدر علی کے مشہور واقعہ کرناٹک کی یاد محو نہ ہوئی تھی۔ اور وہ اس کے خونخوار اور ظالم بیٹے سے مصروف پیکار ہونے سے ڈرتی تھی۔ اس کی آنکھوں پر ایسا پردہ پڑ گیا تھا کہ اب تک وہ اسی کو قرین مصلحت سمجھتی تھی کہ ٹیپو سلطان کی طاقت کو مرہٹوں کے مقابل اتنا بڑھنے دیا جائے کہ ان دونوں کے درمیان موازنہ قائم ہو جائے؛

مارننگٹن کو پہلے ہی ٹیپو کے حریفانہ ارادوں کا ثبوت مل چکا تھا اور وہ اس معاملے میں تاخیر کو دیوانگی خیال کرتا تھا، وہ جانتا تھا کہ میسور کا فرانس سے اتحاد ہے۔ اور حیدر آباد کی فوج پر اگر فرانسیسی افسروں کا تسلّط رہا، تو جلد یا بدیر وہ بھی میسور کی تقلید کرے گا۔ اس لئے یہ اشد ضروری تصور کیا گیا کہ فوراً کوئی تدبیر عمل میں لائی جائے۔ چنانچہ کپتان جیمز اکلیز کرک پٹرک کو ہدایت کی گئی کہ وہ نظام الملک اور ان کے صاحبزادے عظیم الامرا (سکندر جاہ) سے ایسے عہد نامے کے متعلق گفتگو کریں۔ جو زیادہ صاف و صریح ہو۔ اور جسکی پابندی زیادہ لازمی ہو۔ اس نامہ و پیام کی تفصیل اس کی نج کی خط و کتابت میں دیکھی جا سکتی ہے[1] لیکن فوراً عمل درآمد کیا گیا اور وہ کارگر ثابت ہوا۔ اور ویلزلی نے بتا دیا کہ اس میں نہ صرف مدبر کی بے باک جدّت طرازی ہے بلکہ یہ وصف بھی ہے جو بہت کم پایا جاتا ہے۔ کہ وہ اپنے منصوبوں کو کارگر بنانے کے لئے ایسے لوگوں کا انتخاب کرے جو اسی کی مثل جرأت و عزم رکھتے ہوں۔ ان سب میں پیش پیش ایک نوجوان افسر ملکم نامی تھا۔ اس کی نسبت اسے اپنے بھائی ہنری سے معلوم ہوا تھا کہ وہ ہندوستانی زبانوں کا بڑا ماہر ہے اور اسکا ہندی سیاسیات کا مطالعہ بہت وسیع ہے۔ چنانچہ ستمبر ۱۷۹۸ء میں ملکم کا حیدر آباد میں بحیثیت مددگار تقرر کیا گیا۔ اسکی دانائی و حکمت، اور ہمت نہایت مفید مطلب نکلی، اور بعد میں اس کا دورِ عمل ایسا درخشاں رہا کہ اس کا انتخاب ہزاروں میں ایک ثابت ہوا۔ اسنے بذات خود بہت نمایاں کام کیا تھا؛

یکم ستمبر ۱۷۹۸ء کو حیدر آباد میں ایک عہد نامے پر دستخط ہوئے جس میں شرط یہ تھی، کہ نظام الملک کو چھ ہزار سپاہ کی امدادی فوج دی جائے۔ جس کے مصارف وہ خود اٹھائیں۔ اس فوج کے ساتھ توپ خانہ بھی ہو، اور اس کے افسر انگریز ہوں۔ فرانسیسی فوج

---

[1] "ہسٹاریکل مینز کرپٹ" پر رائل کمیشن کی چھٹی رپورٹ۔ سر ای۔ اسٹریچی کے قلمی نسخے میں کرک پٹرک کی طرف سے کئی خط ہیں۔

سے کے افسر اور سپاہی یک قلم موقوف کردیئے جائیں۔ اور "اس فوج کو اس طرح منتشر اور درہم برہم کیا جائے کہ اُسکا وجود کالعدم ہوجائے" نظام الملک آئندہ کسی فرانسیسی کو ملازم نہ رکھیں اور نہ کسی اور یوربین کو تا وقتیکہ کمپنی کی اجازت حاصل نہ کرلی جائے؛

یہ تھا عہدنامہ، لیکن اس کی شرائط کی تعمیل مشکل معلوم ہوتی تھی۔ مگر ویلزلی کے نائب بھی اسکو معرض عمل میں لانے کے پورے اہل تھے۔ اگر ریمنڈ زندہ ہوتا، تو ممکن ہے لڑائی چھڑ جاتی مگر وہ مرچکا تھا، اور اس کا جانشیں موسیو پیرن اس معاملے سے الگ ہوجانے میں خوش معلوم ہوتا تھا۔ بہرکیف کرنل رابرٹس کی حکمت اور فراست کی بدولت فرانسیسی فوج کے اسلحہ آسانی سے لے لیئے گئے اور حیدرآباد میں ایک دفعہ پھر برطانوی ستارۂ اقبال افق پر نظر آنے لگا اور ٹیپو سلطان کی لڑائی سے پہلے ہی جبکہ ممکن ہے کہ کمپنی کو ہندوستان میں آکر سب سے بڑی فوجی کارروائی میں مشغول ہونا پڑتا۔ احاطۂ مدراس کا پہلو بالکل محفوظ ہوگیا۔ اور وہ جو کسی زمانے میں خطرہ سمجھا جاتا تھا۔ اب انگریزوں کا معادن و مددگار بن گیا؛

ویلزلی کے نظام الملک سے تعلقات کے بیان کو مکمل کرنے کیلئے یہ کہہ دینا چاہئے کہ جنگ میسور میں نظام الملک نے ساتھ دیا اور مفتوحہ ملک میں سے انہیں بہت معقول حصہ دیا گیا۔ چند روز بعد ایک نئے عہدنامے کی ضرورت ہوئی، نظام الملک کی حالت زبوں تھی مرہٹوں نے ناک میں دم کردیا تھا۔ وہ ہمیشہ برسرپیکار، اور چوتھ کے طلبگار تھے اپنے دعووں پر اب بھی زور دے رہے تھے۔ نظام الملک کی سی باجگزار ریاستوں کو جو مرہٹوں کو بھی خراج دیتی تھیں، انہوں نے محاصل کے نہ ادا کرنے پر ورغلاتا تھا۔ نظام الملک ان ریاستوں پر کوئی دباؤ نہ ڈال سکتے تھے، اس لئے کہ ان کی فوج ناکافی تھی، اور برطانوی فوج کو عہدنامے کی رُو سے وہ صرف کسی خارجی حملے کی مدافعت کے لیئے کام میں لاسکتے تھے۔ اور ایک ایسی فوج مہیا کرنا جن پر یورپین افسر مقرر ہوں مشکل تھا۔ اور یہ ہروقت ممکن تھا کہ مرہٹے حیدرآباد پر حملہ کر بیٹھیں۔ مشکل پر مشکل یہ تھی کہ فتح میسور کے بعد جو علاقہ اُن کے ہاتھ آیا تھا، اُس میں سے بھی وہ کچھ روپیہ وصول نہیں کرسکتے تھے اور انگریزوں کا امدادی روپیہ ابھی اُنکے ذمے باقی تھا؛ ان وجوہات کے باعث اکتوبر سنہ ۱۸۰۰ء میں اتحاد مدافعانہ کی بناپر ایک عہدنامہ

ہواجس کے ذریعے سے ویلزلی نے حیدرآباد کی مشکلات کا خاتمہ کردیا۔ دکن کی انگریزی فوج بڑھاکے دس ہزار کردی گئی، اور اس کو اجازت دیدی گئی، کہ اعلحضرت نظام الملک کے برخلاف ہر قسم کے حملے کی مدافعت کرے۔ اعلحضرت نے وعدہ کیا کہ وہ اپنے تمام مناقشے کمپنی کے سامنے فیصلے کے لئے پیش کرینگے۔ اور اُنہوں نے انگریزوں کو وہ تمام ملک لکھدیا جو ٹیپو سلطان سے ہاتھ لگا تھا۔ چنانچہ اس طرح میسور کا شمالی حصّہ انگریزوں کے قبضے میں آگیا۔ اور اس صورت سے جنوبی حصّے کا تحفظ بھی زیادہ یقینی ہوگیا۔

گورنر جنرل کا پہلا کارنامہ فرانسیسی فوج کا منتشر کرنا تھا۔ انگلستان میں اسے بڑی پسندیدہ نظروں سے دیکھا گیا۔ چنانچہ ڈنڈاس نے اسے لکھا۔

نظام الملک سے تمہارا عہدنامہ اس حصّہ ملک کے متعلق ہر قسم کے خطرے کا قطعاً خاتمہ کردیگا۔ اور خواہ تم اس معاملے کو اس پہلو سے دیکھو کہ اسکے ذریعے فرانسیسی فوج ہمارے ہمسایہ سے نابود ہوگئی یا اس پہلو سے دیکھو کہ اسکے ذریعے ہمیں کتنی مزید قوت حاصل ہوگئی ہے اور ہمارے مالیہ کو کتنی مدد پہنچی ہے، غرض یہ ہے کہ ہر پہلو سے اس سودے میں ہمارے طرح طرح کے فائدے ہیں...... تم نے تو پہلے ہی سمجھ لیا ہوگا، کہ اس معاملے سے مجھے کتنی طمانیت حاصل ہوئی ہوگی جو حقیقت یہ ہے کہ نہایت ہی خوب اور مفید طریقے سے انجام کو پہنچا۔

اعلحضرت نظام الملک سے معاملت کے دوران میں گورنر جنرل کو فورٹ سینٹ جارج کی کونسل اور گورنر سے لگاتار سابقہ پڑتا رہا۔ مقبوضات پر کمپنی کی حکومت میں سب سے بڑی کمزوری یہ تھی، کہ دور سے ان پر نگرانی کرنا مشکل تھا۔ چنانچہ لارڈ ہابرٹ اور سر جان شور کے زمانے میں اس نے بہت بڑی صورت اختیار کرلی تھی۔ مارننگٹن کے لئے مشترکہ ذمہ داری ناقابل برداشت تھی۔ چنانچہ لارڈ کلائیو کے گورنر مدراس ہوکر آتے ہی مارننگٹن نے اسے ایک خط لکھا، اور اس میں اس کی حیثیت اور فرائض کے متعلق پند و نصائح کا باغ کھولا، جو بہت آگاہی بخش ہے۔ خط کا لہجہ نرم، محبت آمیز اور دوستانہ ہے، لارڈ کلائیو کے تقرر کا حال سنکر مارننگٹن کو بے حد مسرت ہوئی، لیکن باوجود اس کے اس نے صاف گوئی میں تامل نہ کیا۔ اس نے اس بات پر زور دیا، کہ خط و کتابت میں اخفائے راز کتنی ضروری چیز ہے۔ اس کے بعد مدراس کے طبقہ سول سروس پر خردہ گیری کی، اور چھوٹے افسروں کو بڑے افسروں کے ساتھ معاملات میں مخل ہونیکے

خلاف سخت حدود و قیود لگائیں، اور لکھا کہ عہد و معاہدۂ جنگ، اور محاصل کے متعلق، یا کمپنی کے مقبوضات موجودہ اور ملکی معاملات میں چھوٹے صوبوں کو کوئی کام نہ کرنا چاہیئے۔ بلکہ اُنکا فرض صرف اتنا ہے کہ

"وہ ان امور کی تعمیل میں دل و جان سے شریک ہو جائیں جن کے تعین کا اختیار گورنر جنرل اور اس کی کونسل کو ہے" اور نہ ہی چھوٹے صوبوں کو یہ بات زیب دیتی ہے کہ گورنر جنرل اور اسکی کونسل کے اختیارات کی رسمی اطاعت کے ساتھ اسپر بلاواسطہ یا بالواسطہ تیرِ ملامت بھی برسائیں، اور یہ تو ہرگز اُن کا منصب نہیں ہے کہ گورنر جنرل مع کونسل کے فیصلوں سے پہلے، خواہ وہ کسی قطعۂ ملک سے متعلق ہوں، خاص رائے قائم کریں یا کوئی صلاح پیش کرنی شروع کردیں خاص کر ایسے موقع پر جبکہ اس قسم کی مداخلت نہ صرف گورنر جنرل کے منصوبوں کو توڑ دیگی، بلکہ ایسی خرابی اور خلفشار پیدا کردے گی، جو غیر متحد عائدینِ حکومت اور متضاد صلاحوں کا لازمی نتیجہ ہیں۔

متکبر گورنر جنرل نے اس سے آگے لکھا تھا کہ۔

"فورٹ سینٹ جارج کی سرکاری مثلوں کا معائنہ اس امر کو صاف و صریح طور پر بتا دے گا، کہ اس مہلک غلطی کی طرف حکومت کا کس قدر رجحانِ طبع پایا جاتا ہے، اور جب سے میں بنگال میں آیا ہوں، مجھے یہ بہت ہی ضروری معلوم ہوا کہ میں مرض کے اعادے کا سدِ باب کردوں۔

بہت ہی اچھا ہوا جو اس نے شروع ہی میں صاف گوئی سے کام لیا۔ اور حق یہ ہے کہ لارڈ کلائیو نے بھی کمال دانائی اور تحمل سے کام لیا، اور جو حدود اُن کے افسرِ اعلیٰ نے مقرر کردی تھیں، اُن سے باہر قدم نہ نکالا۔ اس نے نکتہ چینی کی "مہلک غلطی" سے احتراز کیا، اور گورنر جنرل اپنی شاہانہ راہ پر بلا تکلف اور بلا مخالفت چلے گئے اور اپنے دورِ حکومت کے اختتام تک لارڈ کلائیو جسکو اسنے روزِ اول ایسا عمدہ سبق پڑھا دیا تھا، اُن کا نہایت ادب، انکی نہایت عزت، اور اُن سے نہایت محبت کرتے تھے[1]۔

لیکن اصل یہ ہے کہ مدراس کونسل سے پیچیدگیاں پیدا ہوگئی تھیں خصوصاً نواب ارکاٹ کے معاملے میں حکام کے آپس کے تعلقات ایسے ہوگئے تھے، جیسے کہ آرتھر ینگ کے بقول مدبرانِ انگلستان کے امریکہ کے ساتھ۔ اُنہوں نے اپنا اصول یہ قرار دے لیا تھا، کہ امریکہ والے

[1] ۳۰ ستمبر ۱۸۰۳ء کو لارڈ کلائیو نے جو خط لارڈ ولیم بنٹنک کے نام استعفا داخل کرنے کے ساتھ بھیجا تھا اُسے دیکھئے مراسلات ویلزلی جلد سوم صفحہ ۲۲۱

جو کہیں اسکی مخالفت کرو، لیکن ویلزلی اور کلایو کی سچی دوستی کی وجہ سے اُن کو عمل کرنے میں آسانی ہوئی اور مدراس کی حالت بمبئی جیسی نہ ہونے پائی۔ بمبئی کی کیفیت کا چربہ ویلزلی کے بھائی آرتھر نے (باوجودیکہ انہوں نے اس موقع پر ایک نہایت دلچسپ واقعہ بھی بیان کیا ہے اور عشق و عاشقی کا بھی ذکر کیا ہے) اپنی نظامت کے دوران میں کونسل سے تعلقات کے متعلق ان تلخ و ترش الفاظ میں کھینچا ہے:۔[1]

بمبئی کے عملۂ حکومت میں دو فریق ہیں، ایک ملکی دوسرا فوجی پھر فوجی کے دو فریق ہیں۔ ایک وہ جو شاہ کے ملازم ہیں، دوسرے وہ جو کمپنی کے۔ حکومت بمبئی کے ہر آدمی کا کام صرف یہ ہے، کہ ان دونوں فریق کے لڑائی دنگے میں حصہ لے۔ لطف یہ ہے کہ ان لوگوں کی گورنمنٹ کی طرف سے بھی ہمت افزائی کی جاتی ہے کیونکہ ان کی باہمی خط و کتابت پر کوئی روک ٹوک نہیں، اور سرکاری مراسلوں میں ان لوگوں کے منفردانہ حوالے اور نام لئے جاتے ہیں۔

مجھے تو یہ نظر آتا ہے کہ ان لوگوں میں کوئی چیز کامیاب ہونے والی نہیں، اور میری تو خدا سے یہ دعا ہے کہ ان سے الگ رکھے۔[2]

تیسری فصل

تسخیر میسور

عام لوگوں کے دلوں میں ویلزلی کی شہرت کا جو سکہ بیٹھ گیا تھا، اور اب تک بیٹھا ہوا ہے اس میں بالکل شبہ نہیں کہ اس کی وجہ صرف تسخیر میسور ہے۔ بعض نظائر سے جو بادی النظر میں بے ڈھنگی سی معلوم ہوتی ہیں، ثابت ہوتا ہے، کہ ہندوستانی کمپنی کو ایک بڈھی[3] عورت تصور کرتے تھے۔ کمپنی کا طور و طریق ہی ایسا تھا، کہ اس پر یہ نام بڑی خوبی سے پھبتا تھا۔ اہل برطانیہ ہندوستان کے حالات سے بہت بے خبر تھے وہ صرف اتنا جانتے تھے، کہ ہندوستانی ریاستیں دولت سے معمور ہیں، اور ظلم و ستم کی ان میں حد نہیں۔ اور یہ کہ ہندوستان جنت کا

---

[1] "بومبے اینڈ ویسٹرن انڈیا" مولفہ جیمس ڈگلس جلد دوم صہ ۹
[2] ۱۱ نومبر ۱۸۰۳ء۔ انتخاب از مراسلات ویلزلی مولفہ آوین صہ ۳۲
[3] لارڈ ویلینشیا کے آنے کی اطلاع ویلزلی کو ان الفاظ میں کی گئی تھی:۔ حضور کی بہن کے صاحبزادے اور مسز کمپنی کے پوتے تشریف لاتے ہیں۔ ٹائمز ویلزلی صہ ۲۳

ٹکڑا ہے، جہاں کمپنی نے انگریزوں کو اور مسٹر ڈنڈاس نے اسکاٹلینڈ والوں کو بھیج رکھا ہے، جو عرصۂ دراز تک وہاں رہتے ہیں، اور واپس آتے ہیں تو سوکھ کے کانٹا ہو جاتے ہیں اور بدمزاج وتندخو۔ مگر دولت اُن کے پاس اتنی ہوتی ہے، کہ وہ پارلیمنٹ کے انتخابات کو خرید سکتے ہیں۔ اور بھوکے ننگے رشتہ دار جب اُن کے یہ ٹھاٹ دیکھتے تو ان کا دل بھی للچا جاتا تھا۔ صرف ایک مشرقی سردار ہی یوروپین سیاست کے دائرے میں آیا خواہ اس وجہ سے کہ وہ فرانسیسوں کا اتحادی سمجھا جاتا تھا یا اس وجہ سے کہ بہت سے برطانوی اس کے ہاں قید رہ چکے تھے۔ ٹیپو سلطان کا نام اسکے ظلم وتعدی کی وجہ سے انگلستان میں گھر گھر مشہور تھا۔ انگریزی ماؤں نے ٹیپو کو سچ مچ ہوّا بنا رکھا تھا، وہ اپنے شریر وشوخ بچوں کو اس کے نام سے ڈراتی تھیں۔

میسور میں برطانوی قیدیوں نے جو مصائب اٹھائے ان کا تفصیلی حال کرنل دلکس نے لکھا ہے[1]۔ اور بہت سے انگریزی گھرانوں کو یہ معلوم تھا کہ وہ صحیح ہیں جب جنرل بیرڈ کی والدہ نے سنا کہ قیدیوں کو کسطرح ملا کے باندھا اور کسطرح توپ کے ساتھ ساتھ گھسیٹے گئے تھے تو اس نے صرف اتنا کہا کہ "مجھے اس شخص کے حال پر بہت افسوس ہوتا ہے جو میرے بچے ڈلوی کے ساتھ بندھا ہو۔" لیکن انگلستان میں بہت کم لوگ ایسے تھے جو اس معاملے کو اتنی بے رخی سے دیکھتے! جب لوگوں کو برطانوی قیدیوں کی مصیبت کا علم ہوا تو، اُن کے ذہن میں اُس سلطان کی طاقت کے متعلق بڑے لمبے چوڑے خیالات گشت لگانے لگے، جس نے اتنے انگریزوں کو زہر دیکر مار ڈالا، اور قتل کر دیا تھا۔ حیدر علی نے میدان کارزار میں کمپنی کی فوج کو شکست فاش دی تھی اور ٹیپو سلطان منگلور کی صلح کے موقع پر ۱۷۸۴ء میں ایک فاتح کی حیثیت رکھتا تھا۔ اور اسوقت کے بعد سے پندرہ سال کے اندر اسکی طاقت باوجود کارنوالس سے شکست کھانے کے گھٹتی تو کجا بڑھتی معلوم ہوتی تھی، لیکن چند ماہ کے عرصے میں دفعۃً اس کی تمام قوت خاک میں مل گئی اسکا ملک بٹ گیا، اس کا خاندان تخت سے برطرف کر دیا گیا، اور برطانوی فوج کو اتنا مال غنیمت ہاتھ لگا کہ اس نے کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھا تھا۔ برطانوی تخیل میں اس درخشان کامیابی سے چکا چوند آگئی، اور جب لوگ انگلستان میں

[1] ہسٹاریکل اسکیچز آف سدرن انڈیا جلد دوم صہ ۵۲۱

دریافت کرتے تھے کہ یہ کام کس کا ہے، اور اینگلو انڈین، ملکی و فوجی ملازموں کی زبان سے بے ساختہ یہی نکلتا تھا، کہ مارننگٹن کا۔ تو ایک متفقہ اور متحدہ تصدیق سے تمام انگلستان جوش مسرت سے جامے میں پھولا نہیں سماتا تھا، "ویلزلی" "ٹیپو" "سرنگا پٹم" یہ نام تھے، جو کئی نسلوں تک انگریزوں کے ذہن پر نقش رہے، اور انگریزی تاریخ میں انہیں بقائے دوام حاصل ہوگئی۔

مارننگٹن[1] کے ہندوستان میں آنے کے وقت میسور کی لڑائی کے متعلق کوئی نقشہ اسکے ذہن میں نہ تھا ڈنڈاس نے اُس کو صرف یہ ہدایت دی تھی، کہ وہ سرنگاپٹم کے عہد نامے (۱۷۹۲ء) کے اصول کے مطابق ہندوستانی فرمارواؤں میں توازن قوت قائم رکھے۔ راس امید میں انگریزوں سے جو اس کی گفتگو ہوئی، اور ہندوستانی مراسلات جن کو اس نے راستے میں کھول کے پڑھا، ان سے اس نے تاڑ لیا کہ مذکورہ توازن قوت بہت کچھ درہم برہم ہوگیا ہے۔ مرہٹہ ریاستوں کی حالت ایسی ابتر ہوگئی تھی کہ اُن سے کسی طرح کا اندیشہ نہیں رہا تھا۔ دولت راؤ سندھیا کے لڑکپن نے قوت کی اس برتری وعروج کو متوازی کر دیا تھا، جو اس کے پیشرو مادھوجی نے پیدا کر لیا تھا۔ اندور کی طاقت اس وجہ سے کمزور ہوگئی تھی کہ تکاجی ہلکر کی گدی کے مدعی آپس میں برسرِ پیکار تھے۔ البتہ ناگپور میں بہت کس بل تھا، لیکن وہ برطانیہ سے روایۃً متحد چلی آتی تھی۔ نواب نظام الملک ظاہرا پہلے کے مقابلے میں کمزور نظر آتے تھے۔ جنوب یا وسط ہند میں میسور کے علاوہ اور کوئی ایسی طاقت نہ تھی جو قابل ذکر ہو۔ صوبۂ شمال مغربی (موجودہ صوبہ ممالک متحدہ) میں اودھ کی کمزوری نہ صرف اپنے بلکہ انگریزوں کیلئے باعثِ خطر ہوگئی تھی۔ اور زمان شاہ، امیر کابل کی یورش کا ہر وقت کھٹکا لگا رہتا تھا۔ جس کی قوت نہایت حیرت انگیز سرعت سے بڑھی تھی، اور جس کے متعلق یہ مشہور ہوگیا تھا کہ ہندوستان کی تمام ایسی ریاستیں جو انگریزوں سے پرخاش رکھتی ہیں، اس کی حلیف بن گئی ہیں۔ ممکن ہے کہ اس خطرے کو مبالغہ کے ساتھ بیان کیا گیا ہو، لیکن اس میں کلام نہیں کہ ہندوستان کے تمام برطانوی مدبرین اور اعلیٰ افسران فوجی کی نگاہ میں یہ خطرہ

[1] ویلزلی کی مراسلات کے علاوہ اس موضوع پر ٹیپو سلطان کے خطوط بھی ہیں، جن کی ترتیب اور ترجمہ کرنل ڈبلو کرک پیٹرک نے ۱۸۱۱ء میں کیا تھا۔

اصلی خطرے سے کم نہ تھا، اس تمام معاملے میں سب سے زیادہ خطرناک بات زمان شاہ اور ٹیپو سلطان کے درمیان سازباز تھا - چنانچہ مارننگٹن نے راس امید سے ہی ڈنڈاس کو جو خط لکھا، اور اس میں اُن تبدیلیوں کا صاف ذکر کیا ہے جو صلح سرنگا پاٹم کے بعد سے ٹیپو سلطان کی حیثیت میں پیدا ہوگئیں :-

سرنگا پاٹم کی صلح کے بعد سے اب تک اس کے اندرون ملک میں کامل امن وسکون ہے درآنحالیکہ اس کے گرد وپیش کے ہمارے اتحادی اندرونی بغاوتوں، باہمی لڑائیوں اور پیہم انقلابات کے باعث خستہ حال ہیں، اور اب اُن میں بالکل دم نہیں رہا ہے ٹیپو سلطان اپنی قوت مجتمع کرنے، اپنے محاصل بڑھانے، اور اپنی فوج کو تربیت کے اعلیٰ پیمانے پر پہنچانے میں مصروف ہے، تھوڑے عرصے سے وہ دیسی طاقتوں کو ہمارے خلاف اُکسانے میں بہت کوشاں نظر آتا ہے - نواب نظام الملک سے تو یقیناً اس نے ہمارے خلاف درخواست کی، اور عظیم الامراء کی غیبت میں، جبکہ وہ پونا گیا ہوا تھا، اس نے حیدرآباد کی بساط سیاست پر بہت گہرا اثر ڈال دیا تھا۔ اب وہاں اسکا ایک وکیل رہتا ہے، اور بہت سے طرفدار ہیں، جن میں سے بعض کو ریمنڈ کی فوج کے اور بعض امجد الدولہ کے (جو پائیگاہ کے فریق کا سرگروہ ہے) سردار ہیں، اور بعض امتیاز الدولہ برادرزادہ نواب نظام الملک کے ملازم ہیں - ٹیپو سلطان نے پونا میں بھی وکیل بھیجے ہیں، مقصد وہی ہے کہ ہمارے خلاف شعلۂ خصومت بھڑکائے -

اس کے بعد اُس نے اس بات سے بحث کی ہے کہ ہمیں دوسری ریاستوں کے ساتھ کیا حکمتِ عملی اختیار کرنی چاہیئے - پھر لکھتا ہے :-

میں نے اس خط میں ٹیپو سلطان کی ان روز افزوں کاوشوں کی طرف اشارہ کیا ہے جو اُس نے دیسی طاقتوں کو ہمارے خلاف اُبھارنے میں کی ہیں، اور زمان شاہ سے اُس کی سازباز کا حال بھی بیان کیا ہے - اب میں صرف یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ آیا ہم بلا فہمائش اور بلا نیابت ٹیپو کے علانیہ دشمنی کو صبر سے بیٹھے سہے جائیں؟ اس معاملے میں میری رائے یہ ہے کہ ایک تو ہم ٹیپو کو خطاب کرتے ہوئے کوئی سخت کلمہ نہ کہیں، اور دوسرے ہم اسکی چالبازیوں پر چشم پوشی نہ کریں بلکہ اسے بتادیں کہ اس کی تمام دغا بازی ہم سے چھپی ہوئی نہیں ہے اور اسے یہ محسوس کرادیں کہ ہم اسکی تمام باتوں سے باخبر ہیں - اسوقت یہ معلوم ہوتا ہے کہ

جہاں کہیں وہ چاہے ہمارے برخلاف دشمنی پیدا کرنے کی اسکو اجازت ہے اور ذرا بھی کوشش اس امر کی نہیں کیجاتی کہ اسکو ایسی تجاویز پر اور دوسری ریاست کو اس تجویز پر کان دھرنے پر زجر و توبیخ کریں۔

لیکن جب ٹیپو کے فرانسیسیوں سے تعلقات کا راز معلوم ہوگیا، تو اعتدال سے کام کرنا ناممکن ہوگیا۔ وہ کچھ عرصے سے (جیساکہ ان کاغذات سے معلوم ہوتا ہے جو سرنگا پٹم (سرینگ پٹن) میں ملے) مارشیس کے فرانسیسی گورنر سے خط و کتابت کررہا تھا۔ ان خطوں میں اسنے ہندوستان کی حالت کے متعلق اسکو مطلع کیا تھا اور ہندوستان پر فوراً حملہ کرنیکی تاکید تھی۔ کچھ دنوں تک تو رسل و رسائل کا سلسلہ جاری رہا، پھر ٹیپو کے سفیروں سے دوبدو گفتگو کرنے کے بعد مارشس کے گورنر نے ٹیپو سلطان کی دعوت کو قبول کیا۔

گورنر مالارتی نے جنوری میں جو اعلان شایع کیا تھا مارننگٹن نے ۲۸۔ جون کو اسے کلکتے کے ایک اخبار میں پڑھا۔ اس اعلان میں ٹیپو کی امداد کی درخواست اور انگریزوں کے مقابلے میں فرانسیسی مدد کے وعدے وعید تھے۔ اس میں ٹیپو سلطان نے یہ بھی بیان کیا تھا کہ اسکی تمام تیاریاں مکمل ہوچکی ہیں، اور فرانسیسی فوج جسکے تمام اخراجات وہ خود برداشت کرے گا فوراً دست و گریبان ہونے کے لئے ہر طرح تیار پائی گئی۔ اور انگریزوں کے خلاف طبل جنگ بجانے میں وہ صرف فرانسیسوں کا منتظر ہے، اور اسکی دلی خواہش ہے کہ وہ انگریزوں کو ہندوستان سے باہر نکالدے۔ ان بیانات کی بناپر اعلان میں اپیل کی گئی تھی، کہ لوگ عام طور پر فوج میں بھرتی ہوں، اور ان سب لوگوں کو جو بھرتی ہونا چاہیں، اس امر کا اطمینان دلایا گیا تھا، کہ ٹیپو انھیں بہت معقول تنخواہ اور الاونس دے گا۔ اور اسکا تعین اس کے سفیروں کے ذریعے فوج کی روانگی سے پہلے کرلیا جائیگا۔

مارننگٹن نے اس اعلان کے پڑھتے ہی جنگ کی تیاری شروع کردی۔ اور مدراس میں جنرل ہیرس کو فوراً لکھا کہ وہ بھی تیاری شروع کردے۔ مدراس کے ڈرپوک افسروں نے نصیحتوں کا تار باندھ دیا، ان میں سب سے زیادہ جوشیا ویب کی یادداشت تھی۔ جو احاطۂ مدراس کی حکومت کا ایماندار اور قابل معتمد تھا۔ اسنے برطانوی پالیسی کے اصل اصول پر زور دیا تھا، کہ "برطانوی پالیسی"، کے اصول کا پابند رہنا چاہئے۔ کہ ٹیپو کی طاقت کو برقرار رکھا جائے، (مدراس سے نواب نظام الملک) اور مرہٹوں کی طاقت کے توازن کو قائم رکھا جائے

اسکے علاوہ فوجی طاقت کمزوری، ذرائع اور وسائل کوتاہی اور احاطہ مدراس کے دیوالیہ ہونے ٹیپو کے مورچوں کی مضبوطی، انگریزی اتحادیوں کی کمزوری پر توجہ دلائی تھی۔ اس نے لکھا تھا کہ

"مجھے اسکے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا، کہ ٹیپو کے ساتھ جنگ کرنا ہمارے لئے ازبس مضر ہوگا"

یہی اور سب بھی کہتے تھے۔ جنرل ہیرس نے بھی مشکلات کو شدومد سے بیان کیا، مارنگٹن خود بھی اتحادیوں کی ضرورت سے بے خبر نہ تھا۔ اور وہ مانتا تھا کہ نواب نظام الملک مرہٹوں سے طول وطویل لڑائیاں لڑلڑ کر اتنے کمزور ہو گئے ہیں، کہ ان سے کوئی توقع نہیں کیجاسکتی۔ رہا پونا، وہاں کا حال بھی یہ ہے کہ خانہ جنگیاں اور سندھیا دونوں کسی عملی مداخلت کی اجازت نہیں دیتے۔ اور وہاں صرف ایک اصول ساری وطاری ہے، کہ حیدر آباد سے نفرت وحقارت کیجائے۔ مگر خوش قسمتی سے وطن سے مدد کی اُمید تھی۔ جونہی خفیہ کمیٹی کو اس اعلان کی خبر لگی اس نے فوراً ہدایت کی، کہ اگر ٹیپو سلطان کے منصوبے وہی ہیں، جو اعلان سے ظاہر ہوتے ہیں، تو اس کے حملے کا انتظار نہیں کرنا چاہیئے۔ بلکہ فوراً اعلان جنگ کرکے اس کے ملک پر حملہ آور ہو جانا چاہیئے، مارنگٹن کو یہ خط ۱۸۔ اکتوبر کو ملا۔ اور اسکو اسی وقت نپولین کی مصری مہم کا حال معلوم ہوا۔ اب معاملہ بالکل صاف تھا کہ ایک لمحہ بھی بیکار نہیں کھونا چاہیئے۔ اس نے مدراس کے حکام کے نام احکام جاری کئے کہ جنگ کے لئے تیار ہو جائیں۔ حیدرآباد میں فرانسیسی فوج کے موقوف اور منتشر کرنے کا سخت تقاضا کیا، اسکے خطوط سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مقاصد اور اُنکے حصول کے ذرایع کا کتنا صحیح خیال اس کے ذہن میں تھا۔ معلوم ہوتا ہے، کہ اصول اور اُس کے جزئیات دونوں پر اس کی نگاہ محیط تھی۔ ۱۲۔ اگست ۱۷۹۸ء کی روداد جو کونسل کیلئے لکھی گئی تھی، اور پچاس صفحوں میں ختم ہوئی تھی، انتہائے جدت طرازی کی بین دلیل ہے۔ صرف وہی اس لئے کافی ہے کہ اپنے مصنف کے دعوے کو ثابت کر دے کہ وہ اعلیٰ ترین درجے کا مدبر ہے۔ مارنگٹن نے اپنے مقاصد کو مجملاً اس طرح بیان کیا تھا کہ۔

پہلے تو ہمیں اس تمام سمندر کے علاقے کو چھین لینا چاہیئے، جو ساحل مالابار مغربی پرگھاٹ کے نیچے اسکے قبضے میں ہے تاکہ ہم اسکا فرانسیسیوں کے ساتھ سلسلہ رسل ورسایل بند کردیں، دوسرے ہمیں ساحل کارومانڈیل سے بخط مستقیم اس کی دارالسلطنت پر یلغار کرنی چاہیئے،

تاکہ وہ مجبور ہو جائے کہ ساحلِ مالابار کے مسخر شدہ علاقوں کو باضابطہ طور پر ہمارے حوالے کرکے صلح کرلے۔ تیسرے اُسے مجبور کرنا چاہیئے کہ وہ ہمارے مصارف جنگ ادا کرے۔ اور اسطرح ہمیں دوہرا فائدہ حاصل کرنا چاہیئے۔ ایک تو اسکی دشمنی کی یاداش میں تاوان جنگ کا، اور دوسرے اپنی آئندہ حفاظت کے خیال سے اسکے محاصل گھٹادینے کا۔ چوتھے اسے مجبور کرنا چاہیئے کہ وہ ہمارے اور ہمارے اتحادیوں کے سفیروں کو مستقل طور پر اپنے دربار میں رکھے۔ اس ترکیب سے ہم اس کی تمام کارروائیوں کی روک تھام ہر وقت کرسکیں گے، اور اسکی دغابازی کی چالوں کا توڑ کرتے رہیں گے۔ پانچویں تمام باشندگان فرانس کو اسکی فوجی یا سول ملازمت سے ہمیشہ کے لئے برطرف کردیا جائے۔ اگر صلح کی جائے تو عہدنامہ ان پانچ شرائط پر مشتمل ہونا چاہیئے۔

ان صاف وصیح آرا اور ان فیصل شدہ تدبیروں کو لیکر وہ نہایت سرعت کے ساتھ اپنے مقصد کو پورا کرنے کے لئے بڑھا۔ چوتھی نومبر کو اس نے ٹیپو سلطان کو مصر میں برطانوی کامیابی کی اطلاع دی۔ آٹھویں کو اس امید میں کہ اب بھی جنگ رک جائے گی پرشکوہ خط بھیجا، اور اس میں زور دیا کہ فرانس سے اتحاد وارتباط ترک کردیا جائے ۱۷۹۸ء کے کرسمس کے دن اس کے پاس ایک خط آیا، جسمیں اصل مطلب سے گریز پائی جاتی تھی۔ اور غلط خبروں کی اشاعت فرانسیسیوں کی طرف منسوب کی گئی تھی۔ یہ خط صحیح مشرقی انداز تکلم پر ختم کیا گیا تھا۔

آپ بڑے سردار ہیں، دوست راسخ ہیں، اور تمام چیزوں کو روبراہ لانے والے، آپ کی قوت فیصلہ نہایت عمدہ ہے اور اس لئے مجھے قوی امید ہے کہ دانا و فرزانہ اصحاب کے دل شکوک اور بدگمانیوں سے میلے نہ ہوں گے۔ بلکہ میرے متعلق یہی خیال کریں گے کہ میں دل سے اتحاد اور دوستی کا خواہشمند ہوں۔ آپ کے خطوط آنے سے مجھے جو مسرت ہوتی ہے اُسے مرعی رکھیئے، اور اپنی خیریت مزاج کی حالات سے شاداں کیجیئے۔ اور کیا لکھوں۔

مارننگٹن اپنے منصوبوں کی طرف سیدھے قدم سے بڑھا۔ اس گستاخانہ تحریر کے وصول ہوتے ہی وہ مدراس روانہ ہوگیا۔ ۳۱۔ دسمبر کو وہاں پہنچا اور ۲۔ جنوری ۱۷۹۹ء سے سارے معاملات کی باگ اپنے ہاتھ میں لی۔ ۹۔ کو اس نے صاف اور زوردار خط ٹیپو کو لکھا، اور اس میں یہ بھی واضح کردیا کہ ٹیپو کا فرانسیسیوں سے جو نامہ و پیام ہو رہا ہے، اس کا حال اُسے

اچھی طرح معلوم ہے۔ اور صریح طور پر لکھا کہ وہ انگریزی ایلچی کو اپنے دربار میں رکھے اور کمپنی اور اس کے اتحادیوں سے شرایط صلح کرے۔ اس کا کوئی اطمینان بخش جواب نہیں ملا۔ اور نہ مصر سے ہی فرانسیسیوں کے حشر کی کچھ خبر آئی۔ خطرہ بڑھتا جاتا تھا۔ سلطان ترکی نے خود ٹیپو کو خط لکھا، اور آرزو کی کہ وہ برطانیوں سے ملجائے۔ لیکن فرانسیسی اتحاد پر ٹیپو کو جو امید تھی اس سے وہ اب بھی دست بردار نہ ہونا چاہتا تھا۔ ٹیپو کا جواب یہ تھا کہ وہ شکار کھیلنے جارہا ہے۔ ٹیپو کا پیمانہ لبریز ہو گیا تھا۔ چنانچہ مارنگٹن نے بھی کچھ دیر نہ کی!

اس میں کوئی کلام نہیں کرسکتا کہ کمپنی کے عہدہ داروں نے ٹیپو کی قوت کے عروج اور دیگر ریاستوں کے زوال کے متعلق جو رائے قائم کی تھی وہ صحیح تھی۔ اور اس میں بھی شبہے کی گنجائش نہیں، کہ فرانسیسیوں سے اس کی یقیناً سازو باز تھی۔ اب صرف دو باتیں ہیں جن پر مسٹر مل نے بہت زور دیا ہے۔ ایک تو یہ کہ "کیا ویلزلی نے جنگ کے اعلان میں عجلت سے کام لیا" وہ طویل میعاد جس میں تجاویز پر غور کیا گیا اور جنگ کی تیاریاں کی گئیں، ہمارے زمانے کی لڑائیوں کے اعلان جنگ کی میعاد سے نسبتہً اتنی طویل ہے کہ وہ خود اس الزام کو رد کرتی ہے۔ اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ تاخیر ہر اعتبار سے ٹیپو کے لیئے مفید تھی، کیونکہ اس سے فرانسیسیوں کی امیدیں زیادہ قوی ہوتی تھیں اور اُسے خود وقت ملتا تھا کہ وہ مورچوں کو مضبوط بنالے۔ اگر اس سے جنگ کی ضرورت تھی تو یقیناً دانائی اسی میں تھی کہ جلد سے جلد جنگ شروع کردیجائے۔

ایک اور الزام بھی ہے اور وہ زیادہ سخت ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ٹیپو ایک دیندار آدمی تھا، اور اس کے مزاج میں بہت اعتدال پسندی تھی:-

> اپنے ملک کے بادشاہ ہونے کی حیثیت سے وہ مشرق کے بڑے سے بڑے تاجدار پر بھی فوقیت رکھتا ہے۔ ... اسکے دقیقہ سنج دماغ اور نکتہ رس طبیعت نے اس بات کو اچھی طرح محسوس کرلیا تھا اور زیادہ مہذب ملکوں کے تاجدار اس بات کو کم محسوس کرتے ہیں کہ مزدوری پیشہ لوگوں کی فلاح وبہبود میں ریاستوں کی فلاح وبہبود کا اصول مضمر ہے۔ اور اس لیئے اس نے اس بات کو اپنا فرض قرار دے لیا تھا کہ وہ ان کو اونچے طبقے کے لوگوں سے مصئوں و مامون رکھے، جن کے ظلم وستم سے ان لوگوں کو بچانا بڑا مشکل کام تھا۔ چنانچہ کم از کم اس کے حکومت کے نصف اول اور دور عہد حکومت کے دوران میں

اس کے ملک کی زراعت و فلاحت نہایت اعلےٰ پیمانے پر تھی۔ اس کی رعایا ہندوستان میں نہایت خوش حال تھی، درآں حالیکہ انگریزوں اور ان کے باج گزاروں کے ملک، مثلاً اودھ اور کرناٹک، ویران اور غیر آباد ہوتے جاتے تھے، اور صفحۂ دہر پر ان سے بدتر کوئی مملکت نظر نہ آتی تھی۔[1]

ان مملکتوں سے مقابلے کے متعلق جن پر کمپنی کا اس وقت کوئی تسلط یا ان میں اصلاح کا کوئی اختیار نہ تھا، اتنا کہنا کچھ بھی نہ کہنے کے برابر ہے کہ یہ مل کا کمینہ پن ہے۔ اس بات میں سیاحوں اور باشندوں کی شہادت مسٹر مل کے خود ساختہ بیانات سے بہت بعید ہے۔ برطانوی حکومت کے تحت میں ملک کی روزافزوں ترقی کی ناقابلِ رد شہادت موجود ہے۔ ہم نہیں کہہ سکتے مسٹر مل نے کن واقعات کی بنا پر اپنے اعلیٰ خیالات کو سلطان میسور کی زراعت پیشہ رعایا پر عائد کیا۔ اصل یہ ہے کہ ٹیپو کے عہد میں محصول اراضی ظالمانہ تھا، اور کاشتکاروں کو مل جوتنے کے لئے بڑی بڑی رقمیں ادا کرنی پڑتی تھیں۔

تمہید اور جواز عمل کے لئے اتنا ہی کافی ہے۔ ۲۲۔ فروری ۱۷۹۹ء کو مارننگٹن نے مدراس میں جنگ کے وجوہ پر اعلان جاری کیا، اور اسی روز جنرل ہیرس کو مہم کے سیاسی انتظام کے متعلق ہدایات بھیجیں۔ ان میں سب سے بڑی بات ایک کمیشن کا تقرر تھا، جس کا آرتھر ویلزلی سرکردہ تجویز کیا گیا تھا تاکہ وہ ٹیپو کی ایسی باجگزار ریاستوں یا رعایا سے نامہ و پیام کرے جو انگریزوں سے مل جانے کی خواہش رکھتے ہوں، اور مفتوحہ علاقوں کے باشندوں کی تالیف قلوب کریں، اور میسور کے اس قدیم حکمران خاندان میں سے جسے حیدر علی نے بے دخل کر دیا تھا اگر کوئی بچا کھچا فرد رہ گیا ہو، تو اُسے اپنے زیر سایہ لے لیں۔

مارننگٹن نے اپنے ایک نج کے خط میں جو جنرل ہیرس کے نام لکھا گیا تھا، لڑائی کے مفید مطلب حالات شروع ہونے پر اظہار مسرت کیا ہے۔ کرناٹک کی فوج جسکی ہیرس کمان کرنے والا تھا، بلاشک وشبہہ۔

بہترین موقع وحمل پر موجود، اعلیٰ قسم کے آلات حرب وضرب سے کمال طور پر آراستہ، کمال درجے کی تربیت یافتہ ہے، اور اسے وافر ساز و سامان رسد مہیا ہے، اور یہ بڑی

---

[1] ہسٹری آف برٹش انڈیا مصنفہ مل۔ ولسن کی ایڈیشن۔ جلد ششم صفحہ ۱۰۵-۶

خوش قسمت ہے کہ اسکے افسر ہر شعبے میں مسلمہ تجربہ اور قابلیت رکھتے ہیں، ایسی فوج نے شاید ہی کبھی سرزمین ہند میں معرکہ آرائی کی ہو۔

علیٰ ہذا ساحل مالابار کی فوج بھی اتنی ہی عمدہ تھی۔ دونوں کے رسالے زبردست تھے، اور ویلزلی کو توقع تھی، اگرچہ یہ توقع ایک حد تک بہت زیادہ تھی کہ نواب نظام الملک نے جس جوش کا اظہار کیا تھا، اس کا عمدہ نتیجہ نظر آئے، اور مرہٹوں کے مشہور رسالے کی بھی پوری مدد ملے گی۔ جنرل ہیرس کو کامل اختیارات دے دیئے گئے تھے کہ وہ سول افسروں کی مزاحمت سے آزاد رہ کر کام کرے، جنہوں نے گزشتہ زمانے میں بہت سی برطانوی مہموں کا ناس کر دیا تھا۔ جنگ کا مقصد ایک، صاف اور واضح تھا، اور اس میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے ان لوگوں نے عرصۂ دراز سے تمام وسائل کا بغور مطالعہ کر لیا تھا جو اسکی روح رواں تھے۔ برطانوی اسٹاف کا ہر فرد بشر میسور کے ذرائع، جغرافیے اور دفاعی مورچوں سے بخوبی واقف تھا۔

اس کے برعکس معلوم ہوا ہے کہ ٹیپو کی فوج کو پچھلی لڑائی میں اسکے بعد تعداد اور تربیت کے اعتبار سے سخت نقصان پہنچا ہے۔ اور ٹیپو کے مالیہ میں سخت ابتری پھیلی ہوئی ہے اور فوج کا اس پر اعتماد نہیں ہے۔ فرقہ بندی سے اس کے مشیروں میں کھلبلی پڑی ہوئی ہے اور فرانسیسیوں کی مدد نہ پہنچنے، زمان شاہ کے واپس چلے جانے، پونا اور حیدرآباد میں اس کی ساز باز ناکام رہنے، اور ہماری فوجی عمل کی وسعت، ہماری عجلت اور ہمارے لاثانی جوش و طاقت نے اس کی اولوالعزمی کو بیکار کر دیا ہے۔

یہ ایک ایسی بھڑکتی ہوئی تصویر تھی، جس کے رنگ و روغن کی چمک دمک نے محتاط سپاہی کو بھی باہمت بنا دیا تھا۔ مارننگٹن جانتا تھا کہ لڑائی کا نقارہ کیسے بجانا چاہیئے، اور کسی معاملت کے متعلق مسودہ سفارت کس طرح رقم کرنا چاہیئے، یا سیاسی حقائق کا زائچہ کسطرح کھینچنا چاہیئے۔ اس نے ایک بار اور جنگ کی حمایت میں مجلس نظار کو زوردار خط لکھا، اس سے پہلے ہی اس نے فوج کو آگے بڑھنے کا حکم دیدیا تھا۔ اسی روز جس روز کہ جنگ کا باقاعدہ افتتاح ہوا گورنر جنرل نے کرنل پامر ریزیڈنٹ پونا کو ایک خط لکھا، اور مختصر لیکن صاف و صریح پیرایہ میں اس کو اپنی منشا سے آگاہ کیا۔

توسیع مملکت کا مجھے کوئی خیال نہیں ہے، بلکہ اس جنگ سے میرا مدعا صرف یہ ہے کہ ٹیپو سلطان کی

جارحانہ کارروائیوں سے اتحادیوں پر جو صرفۂ عظیم پڑا ہے اسکا پورا پورا تاوان حاصل کرلیا جائے، اور اس شہزادے کی سینہ زوریوں اور دغابازیوں کا سدباب کرنے کی غرض سے معقول ضمانت حاصل کرلی جائے۔ لیکن ان میں سے کسی مقصد کے لئے بھی عام فوائد کو نقصان پہنچائے بغیر نامہ و پیام نہیں کیا جاسکتا، جب تک کہ سلطان کو بجز اس بات کا احساس نہ کرادیا جائے کہ سرنگاپٹم کی سلامتی معرض خطر میں آپڑی ہے۔ لہذا میں نے تہیہ کرلیا ہے کہ اس کی کسی استدعا پر کان نہ دہروں گا تاوقتیکہ ہم ایسی حیثیت قائم نہ کرلیں، جو اسکی دورنگی و بے وفائی کے خلاف کافی و وافی محافظ نہ ہو۔ مجھے کوئی شبہ نہیں ہے کہ اس عزم بالجزم میں پیشوا اور ناما فرنویس میری دل سے مدد و اعانت کرینگے۔

تیسری فروری کو جنرل ہیرس نے کمان لی۔ پانچویں مارچ کو اسکی افواج سرحد میسور میں داخل ہوئیں۔ جنرل اسٹیورٹ کے زیر کمان بمبئی کنٹنجنٹ بڑھا تاکہ مدراس کی فوج سے مل جائے۔ یہ کوچ فوجی کوچ نہ تھا، اور نہ اس نے اس مسافت کو اس ترتیب اور باقاعدگی سے طے کیا، جو ایک اچھی تربیت یافتہ فوج کے شایان شان ہے آمد و رفت کے ذرائع کھلے رکھنے کی دقتیں بہت بیڈھب تھیں، اور ان سے زیادہ باربرداری کی، اور ان سے بھی زیادہ رسد کے فراہم کرنیکی۔ اسٹیورٹ لوڑی جیرن گھاٹ کی راہ سے چلا اور سیداسیری اور سیداپور کے درمیان اپنی فوج کو خیمہ زن کیا۔ ٹیپو سلطان نے یہیں اس پر چھاپا مارا۔ مگر اس نے نہایت قتل خون کے ساتھ اُسے پسپا کیا۔ اسکے بعد مدراس اور بمبئی کی متحدہ افواج کان کان ہلی کی راہ سے آگے بڑھیں، ٹیپو سلطان جو شکست کھانے کے بعد سرنگاپٹم چلا گیا تھا، پھر مقابلے پر آیا، مگر اب کے لڑائی کا نقشہ جانے میں متامل اور غیر متیقن تھا۔ مالویلی میں آخرکار وہ معرکہ آرا ہوا۔ لڑائی تیز و تند ہوئی، اور میسور کی فوج نے داد مردانگی بھی دی، لیکن فتح کا سہرا پھر برطانوی افواج کے سر رہا۔ اور ٹیپو سلطان پھر سرنگاپٹم چلا گیا۔ یہ واقعہ ۲۷۔ مارچ کا ہے۔

۵۔ اپریل کو جنرل ہیرس محاصرے کے انتظام سے فارغ ہوا اور اُسی روز سے باقاعدہ محاصرہ شروع کردیا۔ محاصرے کا عمل بکمال سرعت کیا گیا، اس لئے کہ دیر بہت ہوگئی تھی اور سامان رسد کی کمی محسوس ہونے لگی تھی، محاصرین کی پشت پر جو قلعے تھے، وہ بھی زیرنگین نہیں ہوئے تھے، حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک بہادرانہ یورش تھی، اور ہر چیز کو سرعتِ نقل و حرکت پر منحصر کردیا گیا تھا۔

توپخانے نے فصیل میں جو رخنہ ڈالا تھا، وہ تیسری اپریل کی شام کو اندر گھس پڑنے کے قابل تصور کیا گیا، چنانچہ چوتھی اپریل کو میجر جنرل بیرڈ کی زیر کمان ہلّہ کیا گیا۔ "خندقوں سے نکلنے کے سات منٹ کے اندر اندر برطانوی جھنڈا رخنۂ فصیل پر لہرا رہا تھا" اگرفصیل کے اندر بڑی خونریز مدافعت ہوئی^۱۔ ٹیپو سلطان خود وہاں موجود تھا، خوب جی کھول کے لڑا اور عین اسوقت جبکہ انگریزی سپاہ قلعہ کے اندر پہنچی تو وہ زخموں سے بے دم ہو کر مارا گیا۔ انگریزوں کو کامل فتح نصیب ہوئی۔

بیرڈ جو ہلّے کی کمان کر رہا تھا، ٹیپو کے ہاتھوں سخت قید بھگت چکا تھا، اور نرم دلی کی لئے بھی بہت شہرت نہ رکھتا تھا۔ لیکن سلطان کے بچوں کے ساتھ اس کا برتاؤ شریفانہ اور فیاضانہ تھا۔ جب اُس نے چھوٹے چھوٹے شہزادوں کو لرزتے اور کانپتے دیکھا، تو اپنی آنکھوں سے دیکھنے والا^۲ بیان کرتا ہے، کہ اس کا دل پسیج گیا، دھاوے کے وقت اس کی جانبازی اتنی نمایاں نہ تھی، جتنی کہ اسکی انسانیت و رحمدلی، جس کا اس نے اسوقت اظہار کیا۔ وہ شہزادوں کے ساتھ ہر طرح التفات اور عزت سے پیش آیا اور اُن کو بار بار اطمینان دلایا کہ ان کے ساتھ نہ کوئی سختی کیجائے گی اور نہ اُنکی بے حرمتی کی جائے گی۔ اور ان کو دو افسروں کے سپرد کردیا کہ انہیں کیمپ کے صدر مقام پر پہنچا دیں۔

ٹیپو سلطان کی موت کے ساتھ لڑائی کا خاتمہ ہو گیا۔ میسور کے دوسرے قلعوں نے فوراً ہتھیار ڈال دیئے، مخلوق نے آقاؤں کی تبدیلی پر بظاہر اظہار مسرت کیا، صرف دل چلے قزاق، ڈھونڈیا واغ نے کچھ عرصے تک بے قاعدہ لڑائی جاری رکھی۔ آخرش وہ آرتھر ویلزلی کے ہاتھ سے شکست کھا کر مارا گیا۔

میسور کی تنظیم و تنسیق کے وقت گورنر جنرل کے پیش نظر دو مقصد تھے، اول تو اسے ضروری

۱؎ محاصرے کے دوران میں ٹیپو سلطان کی مردانگی کا حال اور اسکی زندگی کے آخری دن کی کیفیت میر حسین علیخاں کی فارسی کی تاریخ میں خوب ہے۔ اس کا ترجمہ کرنل مائلز نے کیا ہے، اور ۱۸۶۴ء میں یہ ترجمہ شائع ہوا۔ میر حسین علی خاں ٹیپو سلطان کو بڑا بہادر اور شہید تصور کرتے ہیں۔ (میر حسین علی خاں کیا تمام مسلمانوں نے ٹیپو سلطان کو جری بہادر اور شہید مانا ہے (مذہبی تنقید)

۲؎ بیٹسن نے اپنی کتاب موسومہ "ٹیپو سلطان کے ساتھ جنگ کے خیالات" میں اس شخص کا نام میجر ایلن لکھا ہے۔ دیکھو ضمیمہ ۲۴۔

تھا کہ مصارف جنگ کا پورا تاوان لیا جائے۔ اور دوسرے مدراس کو محفوظ کرلیا جائے تاکہ ایسے عظیم خطرے کا اعادہ نہ ہو، جو جنوب میں اسلامی ریاست کے قیام و ترقی سے پیدا ہوگیا تھا۔ لیکن ملک اور قوت کی تقسیم کا کام بہت مشکل تھا۔ نواب نظام الملک اور مرہٹوں کو اُن کی امداد و اعانت کا صلہ دینا ضروری تھا۔ نواب نظام الملک نے کچھ قیمتی مدد پہنچائی تھی، اور انکو توقع تھی کہ علاقۂ مفتوحہ میں سے بڑا حصہ انہیں ملے گا۔ لیکن اگر ان کو مفتوحہ ملک میں سے کمپنی کے مساوی حصہ دیا جاتا، تو یقیناً ان کی طاقت اتنی بڑھ جاتی، جو مصالح ملکی کے خلاف ہوتی۔ علاوہ بریں اسی تقسیم سے مرہٹوں کے تن بدن میں رشک وحسد کی آگ سُلگ جاتی۔ برخلاف مرہٹوں نے جنگ میں کچھ مدد بھی نہیں دی تھی، اُن کا رویہ محض خادمانہ تعلق تھا۔ لیکن گیدڑوں کے مثل وہ بھی اپنے کو حصہ دار سمجھتے تھے۔ مارننگٹن نے ان کے متعلق بڑے انصاف کے ساتھ یہ کیا کہ جو کچھ بھی انہیں دیا جائے گا، وہ کمپنی اور نواب نظام الملک کی طرف سے گھاتے میں ان کے ہاتھ آئے گا۔ نواب نظام الملک یا برطانیہ کے برابر اُن کو حصہ دینا نہ صرف خلاف مصلحت بلکہ ناانصافی بھی ہے۔

اگر ملک کو اس طرح تقسیم کیا جاتا، کہ مرہٹے اور نواب نظام الملک خوش ہو جاتے، تو برطانوی حدود بغیر مصئوں رہتی تھیں۔ اور مارننگٹن اس بات کو بھی مصلحت کے خلاف سمجھتا تھا کہ کمپنی کی مملکت میں دیسی ریاستوں سے نسبتہً زیادہ حصہ شامل کرلیا جائے۔ چنانچہ مارننگٹن نے جیسا کہ اس نے مجلس نظار کو لکھا حسب ذیل اصول پر ملک کو تقسیم کیا۔

> اِن اہم مسائل کے ہر ایک ممکن پہلو پر نہایت غور و خوض کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں میسور میں ایک علٰحدہ مرکزی حکومت کمپنی کے زیر اثر و سیادت قائم کرنا، اور مفتوحہ ملک کی تقسیم میں ایک حد تک مرہٹوں کو بھی شریک کرنا میرے نزدیک بہترین اور مستحسن ترین طریقے ہیں جن سے تمام فریقوں کو تسلی و تشفی ہو جائے گی اور اس طرح کمپنی کو ایسی فوجی قوت، ایسے تجارتی فوائد، ایسے ذرائع اور ایسے محاصل حاصل ہو جائینگے جو کسی دوسری تقسیم میں ملنے ممکن نہیں، اور اس کے ذریعے سے ہندوستان میں کامل امن و امان کی کیفیت پیدا کردی جائے چنانچہ علاقۂ مذکور مندرجۂ ذیل طریقے سے تقسیم کیا گیا۔

۱۔ انگریزوں نے کنارا کا صوبہ، کوئمبٹور، دارا پورم اور وینا ڈ کے اضلاع، اور تمام وہ قطع جو مالابار اور کرناٹک کے درمیان زیرین گھاٹ واقع ہے لے لیا۔ اور اس طرح

کارومنڈل سے لے کر بالابار تک تمام اقطاع ملک مع تمام ساحل ریاست میسور ان کے قبضے و تصرف میں آگیا۔ اس کے علاوہ قلعہ سرنگاپٹم اور وہ تمام دوسرے قلعے جو گھاٹ کے دروں کے ناکوں پر چھائے ہوئے تھے، انگریزوں کے قبضے میں دیدیئے گئے۔

۲۔ نواب نظام الملک نے گوٹی اگتی، اور گرم کونڈا کرم کنڈہ کے علاقے اور چتیل درگ تک تمام اقطاع زمین اور میسور کے تمام سرحدی قلعے اپنے زیرنگین کئے۔

۳۔ مرہٹوں کو ایسا حصہ ملک دیا گیا جو دونوں طاقتوں کے حصے سے نصف سے زیادہ قیمت رکھتا تھا، لیکن شرط یہ تھی کہ پیشوا فرانسیسیوں کے خلاف صاف و صریح معاہدہ کرے، اور کمپنی کی مرضی کے بغیر کسی یورپین کو ملازم نہ رکھے، اور میسور میں جو ریاست قایم کیجارہی تھی، اس کی استواری اور استحکام کی ضمانت دے۔ پیشوا نے غیر معمولی اندھے پن سے اس شرط کو قبول کرنے سے انکار کر دیا، چنانچہ اس کے حصے کو انگریزوں اور نواب نظام الملک نے آپس میں بانٹ بھی لیا۔

۴۔ ٹیپو کی بقیہ مملکت جواب شرقاً غرباً کمپنی کے ملک سے گھری ہوئی تھی، اور شمال میں قلعوں کا ایک سلسلہ اس کی حفاظت کرتا تھا، قدیم ہندو راجہ کی اولاد کو دیدی گئی جنھیں حیدر علی نے بے دخل کر دیا تھا۔ ہندو راجہ کو گدی پر بٹھانے میں ایک سیاسی مصلحت تھی، اس سے ہندوؤں کی تالیف قلوب مقصود تھی، جو اسلامی حکومت سے نفرت بھی کرتے تھے، اور ڈرتے بھی تھے۔ لیکن سرنگاپٹم کے عہدنامے نے جس پر ۲۲ جون ۹۹ء کو دستخط ہوئے تھے، نئے راجہ کی حکومت کو برطانیوں کا بالکل ماتحت کر دیا، اور جس طاقت نے اُسے گمنامی سے نکال کر تاج و تخت دیا، اسکا وہ اسقدر رہین منت و ممنون احسان ہو گیا کہ اُس نے ان کا ساتھ نہ چھوڑا۔

ملکی تقسیم کا معاملہ ایک کمیشن کے سپرد کر دیا گیا تھا، جس میں مارننگٹن کے بھائی آرتھر اور ہنری شامل تھے، آرتھر نے جنگ میں خاص امتیاز اور شہرت حاصل کی تھی۔ کمیشن کی کارروائی ختم ہونے کے بعد کرنل کلوز میسور کا ریذیڈنٹ مقرر ہوا۔ اور آرتھر ویلزلی اس فوج کا جو وہاں چھوڑی گئی تھی سپہ سالار کیا گیا۔

مارننگٹن کے لئے یہ موقع حقیقی فخر و مباہات کا تھا، اس لئے کہ اسکی دلیری اور سرعت عمل نے ایسے عمدہ نتائج پیدا کئے تھے۔ اس کے ہندوستان میں آنے سے ایکسال پہلے

یہ ناممکن معلوم ہوتا تھا کہ کمپنی کسی طرح ٹیپو سلطان کی طاقت کو اس طرح تہ وبالا کرنے میں کامیاب ہو سکتی ہے۔ لیکن مارننگٹن کی اولوالعزمی نے صرف دو ماہ میں نہایت سہولت سے اس مہم کو اتمام کو پہنچا دیا۔ اس نے مجلس نظماء کے نام ایک مراسلہ میں ان فوائد کا جو اس فتح سے حاصل ہوئے ذکر کیا ہے۔ اس کی زبان ایسی ہے کہ اسکی متانت وسنجیدگی میں بھی فخریہ انبساط اور مسرت نظر آتی ہے۔ مارننگٹن کو جن فوائد کی توقع تھی حسب ذیل ہیں:۔

کمپنی کی اراضی میں دو لاکھ اٹھ ہزار پونڈ کے محصول کا فوری اضافہ ہوتا تھا جو نواب نظام الملک کی سالانہ رقم کی افزونی، اور اراضی کی عمدہ کاشت کی بدولت بہت جلد مارننگٹن کے تخمینے کے بموجب دس لاکھ پونڈ سالانہ سے اوپر ہو جاتی۔ صوبہ کرناٹک کی اب کامل مدافعت کی جا سکتی تھی، چہارم ٹیپو سلطان کی قیود اٹھ جانے سے انگریزی تجارت میں بہت بڑی توسیع کا امکان ہو گیا تھا، اب کمپنی کی فوج کو خوب ترقی دی جا سکتی تھی، اسلئے کہ ایک تو سامان رسد اور دوسرے آدمی بھرتی کرنے کے لئے نئی زمین اور نیا ملک ہاتھ آ گیا تھا، اور فوائد صرف یہیں ختم نہیں ہوتے تھے بلکہ جیسا کہ اس نے مراسلت میں بیان کیا کہ۔

محاصل اراضی، تجارتی اور فوجی ذرائع کے متعلق فوائد کی تو میری نگاہ میں بڑی قدر ہے، لیکن میں اپنے حق میں ریاست میسور کے قیام کو بھی اسی کے برابر سمجھتا ہوں۔ کیونکہ اس سے آپکی سیاسی وقعت اور آپ کا اثر ہندوستانی ریاستوں میں ایک گونہ بڑھ جائے گا۔ معہذا آپ کی رعایا اور آپ کے متوسلین میں ضابطہ اور امن وسکون قائم رکھنے کے ذرائع میں توسیع ہو جائے گی، اور آپ اپنی مقبوضات کو دشمنوں سے خواہ وہ یوروپین ہوں یا ایشیائی محفوظ رکھ سکیں گے۔

اور سب سے آخر میں گورنر جنرل کی پیش بینی کے مطابق اس جنگ نے فرانسیسی اثر کو ہندوستان سے قطعاً زائل کر دیا۔

میسور کے تصفیہ اور اسکے حقیقی نتایج کے متعلق ایک اور بات بہت ضروری ہے۔ اسوقت بمقابلہ اور تمام ریاستوں کے جو انگریزی سیادت میں آچکی تھیں، میسور میں کمپنی کی طاقت کی دھاک زیادہ بیٹھ گئی تھی، اس کی وجہ مارننگٹن کے خط میں یہ تھی کہ۔

ادھر، کرناٹک اور تنجور میں دو عملی اور متضاد حکام کی بدولت ایسی دقتیں اور الجھنیں پیدا ہو گئی تھیں کہ میں نے تہیہ کر لیا تھا کہ آئندہ کمپنی کے لئے نہایت وسیع اور ناقابل گرفت

اختیارات مخصوص کرلئے جائیں۔
راجہ چونکہ انگریزوں کا آوردہ تھا، اس لئے ان کا حلقہ بگوش تھا۔ بادشاہت عملاً میسور کے فاتحین کے ہاتھ تھی۔ زمانہ مستقبل نے مارنگٹن کے اس طرز عمل کی دانائی کی پوری تصدیق کردی، آرتھر ویلزلی نے ۱۸۰۱ء میں لکھا تھا،

راجہ کی حکومت نہایت سرسبز اور کامیاب حالت میں ہے۔ ملک کی رونق اتنی بڑھتی جاتی ہے کہ آبادیاں گل وگلزار معلوم ہوتی ہیں مخلوق جوق جوق ان مقامات پر واپس آرہی ہے، جہاں سے اس وحشی نے انہیں ترک وطن پر مجبور کردیا تھا..... میسور ایک خوبصورت اور بڑا شہر ہوتا جاتا ہے، آبادی سے کھچا کھچ بھر گیا ہے۔ اور تمام ملک میں امن وعافیت قائم ہوگیا ہے۔ مجھے یقین ہے، راجہ کا خزانہ پر ہے، وہ اپنی قسطیں باقاعدہ ادا کررہا ہے پورنیا (ٹیپو کا وزیراعظم تھا اور جسے انگریزوں نے دیوان کی حیثیت سے بحال رکھا) ملک کی آئندہ فلاح وبہبودی اور افزائش محاصل کے لئے کوشاں ہے۔ اس نے بے شمار تالابوں کی مرمت کرائی ہے بہت سے قصبوں اور قلعوں کو از سر نو تعمیر کرایا ہے۔ اور مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ تمام ملک میں تقاویاں دے دے کر اور معافیاں کر کر کے لوگوں کی ہمتیں بڑھاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے، کہ راجہ کی بحالی توقعات کے مطابق ثابت ہوئی۔ اور آثار وقرائن کہتے ہیں کہ اسکی خوشحالی مستقل ہوگی"!

آرتھر نے ۱۸۰۴ء میں پھر ایک سرکاری مراسلت میں گورنر جنرل کو نئی ریاست کی حالت کے تفصیلی حالات بطور مبارک باد لکھے۔ اسکے دو سال بعد اس نے پھر لکھا، کہ۔

اسوقت میسور کی حکومت کی جو حالت ہے، اور برطانوی افسروں اور حکومت میسور میں جو محبت آمیز اتحاد وارتباط قائم ہے، اور برطانوی حکومت کی جدید مشکلات میں ریاست نے جو اہم تقویت اور حقیقی مدد دی ہے، وہ ان اصول کی دانائی کی زبردست شہادت ہے جن پر ان تعلقات کی بنیاد رکھی گئی ہے۔

سرنگاپٹم کی تسخیر کی خبر جب ہندوستان میں پھیلی ہے، تو برطانوی آبادیوں کے جوش مسرت کا ٹھکانا نہ رہا تھا۔ مبارکباد اور تہنیت کے خطبات کی گورنر جنرل پر بارش ہونے لگی، اور اگر وہ اجازت دیتا تو تحفہ تحائف کی بھی ریل پیل ہوجاتی۔ ایک عظیم الشان جلسے میں اہل مدراس نے چوبیس سال تک مسلم سرفروشوں کے خوف سے عالم بیم ورجا میں رہے تھے، فتح کی خوشی میں

ایک فصیح و بلیغ خطبہ نہایت جوش و خروش، مسرت و انبساط کے ساتھ پیش کیا۔ اس میں مرقوم تھا:۔
پیش بینی اگر ذرا کوتاہ ہوتی، یا طاقت ذرا کمزور ہوتی، تو اسے سلطنت میسور سے لڑائی کی مشکلات حد درجہ خوف زدہ کر دیتیں، لیکن یہ حضور ہی کا دل گردہ تھا، کہ مشکلات کی نمو اور بلوغ کو جانچا، اپنی قوت کا صحیح اندازہ کیا، اور ایسے وقت میں عمل شروع کیا، جو لڑائی کی جان تھا، اور فراہمی ساز و سامان جنگ کے ساتھ فوج اور ان کے افسروں میں جوش اور اعتماد کی ایسی روح پھونکی جو لڑائی کی اہمیت اور وسعت کے مطابق تھی۔ حضور کی اس تمام کارروائی کا جو نتیجہ ٹیپو سلطان کی طاقت خاک میں ملنے میں نکلا، اس سے اب ہم شاداں و فرحاں ہیں۔ اس کی خصومت کی شدت اتنی بڑھ گئی تھی، کہ اب صلح مناسب ہی نہیں رہی تھی۔ انگلستان کے جانی دشمن سے اسکی دیوانہ وار محبت نے جنگ کو ناگزیر کر دیا تھا۔ یہ فتح و نصرت جو عاطفت الٰہی میں آپکی زیرکی و دانائی اور فوج کی شجاعت و بسالت کی بدولت جس سرعت و عجلت سے حاصل ہوئی ہے، اسکا نقش ہمارے دلوں پر منقش ہو گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ نصرت اپنی اہمیت کے اعتبار سے برطانوی تاریخ ہند میں اپنا نظیر نہیں رکھتی۔ اس فتح کی عظمت سے حضور کی حکومت کے متعلق جلال و فیروزگی کی ایک لہر دوڑ گئی ہے، ان وسیع اثرات سے ہمیں یقین کامل ہے، کہ حضور کا دور حکومت تمام ہندوستان میں سچا امن اور غیر متزلزل سکون قائم کر کے ختم ہوگا۔

علیٰ ہذا بمبئی کی اطاعت اور فرماں برداری اس سے کم فصیح نہ تھی:۔

اس فتح کے نتیجے میں جس کی تکمیل ایسی بے مثل سرعت کے ساتھ ہوئی ہے، جسکی اہمیت اپنا جواب نہیں رکھتی ہم دیکھتے ہیں کہ ایک ظالم اور بے رحم دشمن کو بالکل نیست و نابود کر دیا۔ اس فتح سے بے بہا ملک اور بیش قیمت طاقت ہمارے ہاتھ لگ گئی اس فتح سے ہمارے ہندوستانی اتحادوں کی طاقت خوب بڑھ گئی اور ایک تباہی انگیز اتحاد کا قلع قمع ہو گیا۔ اس سے نہ صرف ہمیں آیندہ زمانے میں اندرونی امن و عافیت میسر آئیگی، بلکہ اس نے ہمکو خارجی حملے اور ظلم و ستم کے اندیشے سے آزاد کر دیا۔ اور اب اچھی طرح ہمیں یقین ہو گیا کہ یہ فرانسیسیوں کی دغا بازیوں اور سازشوں کا خاتمہ کر دے گی، جو انگلستان کے جانی دشمن ہیں، اور جو تمام عالم کی آزادی، امن و عافیت اور حکومت کے بھی عام دشمن ہیں۔

کلکتے نے جو کسی سے کم خوش نہ تھا، ذرا اپنے تلے الفاظ سے کام لیا اور بیان کیا کہ "انگلستان ان تمام عظیم الشان واقعات کے بروے کار آنے میں حضور کی تیز، عزم و ہمت،

اور دانائی کا رہین منت ہے"!

دارالامرا اور دارالعوام نے بھی اسی قسم کے الفاظ میں یک زبان ہو کر شکریہ ادا کیا۔ اور گورنر جنرل کی دانائی قوت فیصلہ اور عزم بالجزم کی تعریف و توصیف کی۔ علیٰ ہذا ایسٹ انڈیا کمپنی نے بھی اطاعت پذیر زبان میں اپنے ملازمین کے کارناموں کا اعتراف کیا!

مارننگٹن کے دل کو جو بات بلاشبہ سب سے زیادہ عزیز تھی وہ فوج کی غیر محدود اور قابل ذکر ستائش اور اطاعت تھی۔ یہ بات بہت کم دیکھنے میں آئی ہے، کہ کسی فوجی کامیابی کی تمام و کمال عزت اور شرف کسی سول افسر کو دیا جائے یا یہ کہ سپاہی عزت فتح میں کسی غیر سپاہی کو شریک کرنے کے لیے تیار ہوں۔ لیکن مارننگٹن نے کچھ اس قسم کا دلوں میں گھر کر لیا تھا، جو پٹ کی خداداد جدت و سطوت کو حاصل تھا۔ فوج نے اُسے سینٹ پیٹرک کے خطاب کا ستارہ اور نشان پیش کیا، جو ٹیپو کے جواہرات سے بنایا گیا تھا، جنرل ہیرس نے یہ تحفہ ارسال کرتے وقت عرض کیا:۔

"یہ مسرت بخش فرض انجام دیتے ہوئے میں نہایت فخر کے ساتھ اس احساس کا اعتراف کرتا ہوں کہ اس مہم میں مہتم بالشان کامیابی خدا کے کرم سے حضور کے مشوروں کی سبق آموز دانائی اور مخصوص عزم و ہمت کے طفیل حاصل ہوئی ہے۔ حضور کی کارفرمائی نے ہندوستان میں ایک یادگار زمانہ امن قائم کر دیا ہے، اور یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ کمپنی کی روز افزوں خوشحالی کے لیے نیا منبع پیدا ہو گیا ہے، اور اب مشرق میں سلطنت برطانیہ کے عالمگیر اغراض و فوائد نے ایک مستحکم، اور پائدار بنیاد پر ایسی رفعت و منزلت حاصل کر لی ہے۔ جو اب تک کبھی خواب میں بھی نہیں آئی تھی۔ اور ان بیش بہا فوائد کے حاصل کرنے میں جو رفعت اور شہرت حضور کی معاونت سے مجھے نصیب ہوئی ہے، اس سے میرے دل میں امتنان و شکر کا دریا امڈا پڑتا ہے، جس کے ادا کرنے سے زبانِ قلم قاصر ہے"!

اس تحفۂ عظیم کا استقبال عجیب ہوا۔ گورنر جنرل نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ قانون اسکی اجازت نہیں دیتا۔ اس کے بعد جب ڈنڈاس نے اسے لکھا کہ کمپنی اسے مال غنیمت میں سے، پندرہ لاکھ روپے کا نذرانہ دینا چاہتی ہے تو اس نے اسکے لینے سے پھر انکار کر دیا۔ اور جواب میں کمال علو ہمتی سے لکھا کہ میں اسے ہرگز پسند نہیں کرتا کہ فتح میں جو مال غنیمت ہاتھ آیا ہے، اس سے سپاہیوں کو محروم کر دیا جائے کیونکہ!

جب مجھے اس بات کا خیال آئے گا کہ میں نے دولت ان لوگوں کی بدولت سمیٹی ہے، جو میری غیر مبدل محبت و قعت اور شکر کے مستوجب ہیں، اور جو انصافاً بالکلیہ ان تمام انعام واکرام کے مستحق ہیں جو ایک شکر گزار ملک اور فیاض بادشاہ ان پر نچھاور کرتا ہے، تو میں اپنے آپ کو نہایت ہی بدبخت اور نامراد سمجھونگا"

ڈائرکٹروں نے اسکے اس طرز عمل کو پسندیدہ نظروں سے دیکھا، لیکن اسکے ساتھ ہی بیس سال تک کے لئے پون لاکھ روپے سالانہ کا وظیفہ اس کے نام جاری کر دیا۔ اور خواہش ظاہر کی کہ وہ فوج کے تحفے کو قبول کرے گا۔

ایک دوسرا انعام جسکی اس کی نگاہوں میں حد درجہ وقعت تھی، تاج کی طرف سے سنہ ۱۸۰۶ء میں عطا کیا گیا۔ یہ اپنی نوعیت میں انوکھا تھا۔ یعنے اُسے تمام افواج بلادِ ہند کا کپتان جنرل اور کمانڈر انچیف (سپہ سالار) مقرر کر دیا۔ یہ ایک ایسا امتیاز تھا، جس سے اسکا دل باغ باغ ہو گیا۔ اور اس نے فوراً تمام فوجی علامات و اختیارات پر کاربند ہونا شروع کر دیا۔ اسے بارک پور میں رہنے میں خاص لطف آتا تھا، جہاں فوجی لوگوں سے وہ ہر وقت گھرا رہتا تھا اور جب موقع پڑتا تو وہ لڑائی کے نقشے بنایا کرتا۔ جس سے زیادہ دوربینی اور ماہرانہ قابلیت کے ساتھ کوئی سپاہی ہندوستان میں اُن کو تیار نہ کر سکتا تھا۔ شان و شکوہ جسکا وہ اتنا دلدادہ تھا اب حد سے گذر گئی تھی۔ باڈی گارڈ جس پر اس نے اتنا سامان کر و فر صرف کیا تھا، اب تو اس پر اس کا دوہرا حق ہو گیا تھا۔ مگر اس وقت اور اپنے دورِ حکومت کے آخر تک اس باڈی گارڈ کے سپاہی اسکو پوجنے کے لئے تیار تھے۔ اور وہ بھی اس کی کمان کرنا اپنے لئے عظیم ترین اعزاز خیال کرتا تھا۔

یہ تھے وہ انعامات جن کی وہ بہت قدر کرتا تھا، لیکن اپنی خدمات کی جس قسم کے اعتراف کی اسے توقع بلکہ آرزو تھی، وہ پوری نہیں ہوئی۔ اسکا خیال تھا کہ ڈیوک یا انگریزی طبقۂ امراء میں سے کوئی اعلیٰ مرتبہ اسکا عین صلہ ہے۔ پٹ نے اسے لکھا تھا، کہ اس کو آئرلینڈ کا مارکوئس بنا دیا جائیگا۔ اور ساتھ میں وہ تمام محبت اور پیار کی باتیں بھی کیں جو ایک دوست دوست کے ساتھ کر سکتا ہے لیکن مارننگٹن نے جواب میں نہایت تلخ شکایت آمیز خط لکھا، کیونکہ جو چیز وہ چاہتا تھا وہ اسے نہیں ملی تھی۔

اس کی بیہودہ خود رائی اور خود نمائی کے متعلق بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ اتنا کہ اصل حقیقت

سے بھی بڑھ گیا ہے۔ جائز طور پر یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ جو خطاب اور اعزاز اسے ملا وہ مدت خدمت کی کمی کے مقابلے میں کیا کافی نہیں تھا؟ لیکن گورنر جنرل کی نگاہ میں یہ معاملہ بالکل ہی جداگانہ منظر رکھتا تھا۔ آئرلینڈ کے طبقۂ امراء کے مدارج میں ایک درجہ کا بڑھنا، ارل آف مارننگٹن سے مارکوئیس آف ویلزلی ہو جانا، اس کی نظر میں ایک نہایت ہی قلیل صلہ تھا پٹ بے غل وغش امیر (لارڈ) بنا رہا تھا، اس لیے مارننگٹن کی خدمت کے اعتراف میں کوئی خصوصیت نظر نہیں آتی تھی، اور اس کی فتوحات کے مقابلے میں یہ عزت بالکل معمولی سی بات تھی۔ کامیاب سوداگر، اچھے ووٹ دینے والے، ہاں میں ہاں ملانے والے، دولتمند لوگوں سے دارالامرا ابھر دیا گیا تھا۔ ویلزلی نے ایک یوروپین جنگ کے میدانکو ایشیا تک پھیلنے سے روک دیا تھا، اس نے ہندوستان کی سب سے زیادہ خوفناک طاقت کو بالکل تباہ کر دیا تھا۔ وہ محسوس کر سکتا تھا کہ اس نے ایک سلطنت پیدا کر دی۔ اور ان تمام خدمات کا صلہ یہ تھا کہ آئرش امیروں کے طبقے میں ایک درجے کا اضافہ عطا کیا جائے۔ اس کے والد کو معمولی بیرن سے ان خدمات کے صلے میں ارل بنا دیا تھا، جسکی جستجو میں ہر ایک شخص حیران و پریشان رہ جاتا۔ جلیل القدر نائب حکومت کو اپنی قسمت پر رونا آتا تھا، اور وہ اپنے رنج کو چھپا بھی نہیں سکتا تھا؛

چوتھی فصل

کرناٹک، تنجور۔ اودھ

برطانوی طاقت کی باجگذار ریاستوں میں سے ایک بڑی ریاست کرناٹک تھی۔ لیکن یہاں انگریزی بستیوں کے شروع ہی کے زمانے ہی سے ابتری اور بدنظمی پھیلی ہوئی تھی۔ اور جتنا زمانہ گزرتا گیا، یہ ابتری اور بدنظمی اور بھی بڑھتی گئی۔ سلسلۂ ہذا کی پہلی کتابوں میں نواب کرناٹک اور کمپنی کے تعلقات تبفصیل بیان کیے جا چکے ہیں۔ یہاں سر آرتھر ویلزلی کی یادداشت کے چند فقرے اس تفصیل کے اجمال میں کافی ہوں گے۔ جو اس نے ۱۸۰۶ء میں اپنے بھائی کے عہد حکومت کے دوران میں ہندوستان کی حالت پر

لکھے تھے لہ:

ان کا عام مقصد ہمیشہ یہ رہا ہے کہ کمپنی کرناٹک کی حفاظت کرے، اس شرط پر کہ نواب کرناٹک کمپنی کو حفظ امن کی مقررہ رقم ہر مہینے باقاعدگی سے ادا کرتا رہے اور یہ کہ نواب کسی خارجی طاقت سے کوئی سیاسی خط و کتابت نہ کرے، اگر کرے بھی تو کمپنی کے توسط سے یا اس کی منظوری سے۔ کمپنی نواب کے داخلی امور سے کوئی سروکار نہیں رکھے گی۔ ۱۷۹۲ء کے آخری عہدنامے میں یہ شرط خاص طور پر درج کی گئی تھی کہ اگر مقررہ ہدیہ حفظِ امن کی ادائی نہ ہو، تو بعض اضلاع کمپنی کے حوالے کر دیئے جائیں۔

اس سمجھوتے کی ایک شرط کا بھی تقریباً لحاظ نہیں کیا گیا۔ ایسی بے ضابطگی کا روا رکھنا ناممکن تھا۔ اور گو کمپنی کو نواب کی ریاست کے داخلی امور میں مداخلت کا کوئی حق نہیں تھا، لیکن کرناٹک کی انتظامی حالت اس درجہ ابتر تھی کہ مداخلت علی التواتر ضروری تھی۔ ہدیہ حفظ امن ایک ایسا بار تھا کہ مالیہ کا نہایت کفایت شعاری اور احتیاط سے اہتمام ہی اس کی برداشت کر سکتا تھا۔ لیکن وہاں نہ کفایت شعاری کو مدنظر رکھا جاتا تھا، اور اہتمام کا تو ذکر ہی کیا:- نواب جن کی ذلت قابل رحم تھی ہمیشہ قرضخواہوں کے پنجے میں پھنسے رہتے تھے اور اس سے نکلنا اُن کے لیئے ناممکن تھا۔ وہ کمپنی کے ملازموں سے تین فیصدی ماہانہ سود کی شرح پر روپیہ قرض لیتا تھا، حالانکہ اسکا یہ فعل کمپنی کے احکام کے صریح منافی تھا۔ ادائے سود کی ضمانت میں یہ بدنصیب نواب مجبور تھے کہ اپنے قرض خواہوں کے سپرد بڑے بڑے قطعے کر دیں، لیکن اس طور سے کہ انھیں اضلاع کا مُحَصِّل مقرر کر دیتے تھے۔

ویلنگٹن کہتا ہے کہ "یہاں ایک ایسا نظام قائم ہو گیا تھا، جسکا نتیجہ نہ صرف یہ تھا کہ اس سے نہ صرف ملک کے باشندوں پر ظلم ہوتا تھا، بلکہ اس نے نواب کو مفلس و قلاش اور کرناٹک کے مداخل کو تباہ کر دیا تھا۔ لیکن یہ تمام تباہی کمپنی کے ملکی اور فوجی ملازموں اور برطانوی رعایا کے ہاتھوں عمل میں آئی تھی"۔ یہ تباہی جتنی یہاں مذکور ہوئی ہے اس سے کہیں زیادہ تھی، اس لیئے کہ انگریز شرفا کا ایک گروہ نواب کے قرض خواہوں کی حیثیت سے اس میں ملوث تھا، اور اسلیئے اس شرمناک صورت حالات

لہ یہ کیفیت مسٹر سڈنی آوَن کی قابلِ تعریف کتاب موسومہ "انتخاب مراسلات ویلزلی" سے اخذ کی گئی ہے جو صفحہ ۸۶ پر درج ہے۔

کو قائم رکھنا چاہتا تھا ۱۷۹۲ء کے عہدنامہ میں یہ حکم تھا کہ وہ اضلاع جو کمپنی کو ہدیۂ حفظ امن کی ضمانت کے طور پر دیئے جا چکے ہیں، کسی دوسرے کے نام منتقل نہ کئے جائیں، لیکن چونکہ نواب کو ان اضلاع کی بہبودی کا محض اس وجہ سے کہ وہ منتقل ہو چکے تھے، بمقابلۂ دیگر اضلاع کے بہت کم خیال تھا، اس لیئے ان کے دوبارہ انتقال میں انھیں کوئی تامل نہیں ہوتا تھا، اور نہ ان کے قرض خواہ انھیں لینے میں ہچکچاتے تھے، کیونکہ یہ ریاست کرناٹک کے سب سے زیادہ زرخیز علاقوں میں سے تھے۔

ان خرابیوں کو نہ تو لارڈ کارنوالس اور نہ سرجان شور دور کر سکے، لارڈ مارننگٹن کی گورنری کے ابتدائی زمانے میں ٹیپو سلطان سے جنگ کے باعث حالات اور بھی پیچیدہ ہو گئے تھے۔ ۲۴- اپریل ۱۷۹۹ء کو مارننگٹن نے نواب کرناٹک کو ایک خط لکھا اور اس میں یہ بتایا کہ میسور سے جنگ کا اعلان ہونے کے باعث ۱۷۹۲ء کے عہدنامے کی رو سے کمپنی کے لئے یہ بات لازمی ہو گئی ہے کہ وہ کرناٹک کی نظم و نسق اپنے ہاتھ میں لے اور اسکا مداخل خود ہی وصول کرے۔ اس نے گذشتہ عہدناموں کی نقیض کی طرف بھی اسکی توجہ منعطف کی، اور ایک نئے عہدنامے کے کچھ عنوانات تجویز کئے، جن کی رو سے کمپنی کے تحت میں بلا شرکت غیرے چند خاص اضلاع آتے تھے[۱] نواب نے جب سرنگاپٹم کی تسخیر کا حال سن لیا تو ۱۳ مئی کو اس کا جواب کچھ تاخیر کے ساتھ ایسا دیا کہ جس سے معلوم ہوتا ہے، کہ وہ ان مشکلات کے تصفیئے سے بچنا چاہتے ہیں۔ لیکن خوبی قسمت سے سرنگاپٹم کی تسخیر کے بعد ویلزلی کے پاس ایسی چیز آگئی کہ وہ نواب کی گریزپائی کا خاتمہ کرنے میں کامیاب ہو سکتا تھا۔ ٹیپو کے خطوں میں نواب محمد علی او عمدۃ الامراء کے حیدر علی اور ٹیپو سلطان کے نام ایسے خطوط ملے، جنھوں نے صاف صاف برطانیوں کے ساتھ ان کی دغابازی کو ثابت کر دیا۔

میں نے کہا ہے صاف صاف لیکن جیمس مِل کہتا ہے کہ نواب کے ان ایلچیوں کے بیانات پر کوئی بھروسہ نہیں کیا جا سکتا، جو ٹیپو سلطان کے پاس گئے تھے اور جن کی بعد میں

[۱] متفرق دستیلوں کے قلمی نسخے انڈیا آفس میں محفوظ ہیں انکی انیسویں جلد میں ۱۸۰۰-۱۷۹۹ء کے لکھے ہوئے نواب کے متعدد خطوط ہیں، جو گورنر جنرل، مسٹر ڈنڈاس اور لارڈ کلائیو کے نام ہیں- ان میں نواب نے اپنے قرضوں کی اور اپنی مصیبت کی حالت بیان کی ہے، اور مختلف امور علی الخصوص لارڈ ہابرٹ کی حکومت کی بعض تلخ کارروائیوں پر صدائے احتجاج بلند کی ہے۔

تفتیش کی گئی تھی، کیونکہ اُنھوں نے کوئی بات اہم نہیں بیان کی اور یہ کہ خطوط سے کوئی بات ثابت نہیں ہوتی، اور یہ کہ بھیڑیا بھیڑ کو مارنے کے لئے ہمیشہ کوئی نہ کوئی بہانہ تلاش کر لیتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ نواب ایک معصوم بھیڑ نہیں تھی، بلکہ وہ ایک مکّار اور گناہگار بھیڑ سے ملتی جلتی بھیڑ تھی جن واقعات کا مل خود مقر ہے، اُن سے ظاہر ہوتا ہے کہ نواب کے ساتھ کوئی چال نہیں چلی گئی۔ شہادت کی جرح و قدح کے لئے ایک کمیشن مقرر کیا گیا تھا، جسمیں مسٹر ویب اور کرنل کلوز تھے۔ یہ دونوں نام راستبازی کے مرادف ہیں۔ مل کا بیان ہے کہ تحقیقات میں ہر طرح احتیاط کی گئی تھی۔ مثلاً گواہوں کا آپس میں نامہ پیام نہیں ہونے دیا تھا، اور اس قسم کے وسائل استعمال کیئے گئے تھے کہ شہادت بالکل کھری اور بے لوث حاصل کی جائے اور اگر اس میں کھوٹ ہو تو اس کھوٹ کو پکڑا جائے"۔ ہندوستان کے اکابر یعنی گورنر جنرل اور اس کی کونسل کے ارباب، گورنر مدراس اور اسکی کونسل، کمیشن کے اراکین اور مسٹر نیل انڈمنسٹن مترجم فارسی کو جو ایک لائق فایق سویلین تھے، اس امر میں مطلق شبہ نہیں رہا تھا کہ نواب اور ٹیپو میں مفسدانہ تعلقات قائم تھے۔ مسٹر مل اسے "طرفہ ماجرا" بتلاتا ہے۔ طرفہ ماجرا تو اسوقت ہوتا جب یہ فیصلہ غلط ہوتا۔ لیکن طرفہ تر امر یہ ہے کہ انگلستان میں مسٹر ڈنڈاس اور سکریٹ کمیٹی نے بھی اس کی تصدیق کی! خود مارنگٹن کے مراسلۂ مرقومہ ۲۸۔ مئی ۱۸۰۱ء میں اس بات کا میلان نہیں پایا جاتا، کہ شہادت کے وزنی بنانے میں مبالغے سے کام لیا گیا، اور نہ اس امر کا شائبہ پایا جاتا ہے کہ نواب نے اس الزام کے باطل کرنے پر زور دیا ہو۔

تحقیقات میں عجلت نہیں کی گئی، خطوط کے ملنے اور گورنر جنرل کے فیصلے کے درمیان اٹھارہ ماہ سے زیادہ کا وقفہ گزر چکا تھا۔ ویلزلی آخری تصفیہ کے لئے اور بھی انتظار کر سکتا تھا، مگر ایسا وقت آنے سے پہلے ہی ۱۵۔ جولائی ۱۸۰۱ء کو عمدۃ الامرا کی موت نے یہ مشکل حل کر دی۔ ۲۸۔ مئی کو ویلزلی نے لارڈ کلائیو گورنر مدراس کو ایک مراسلت بھیجی، اور مختصر پیرائے میں اسکو نواب کی دغا بازی اور اس کی تفتیش کے متعلق واقعات سے آگاہ کیا معہذا اس سے درخواست کی تھی کہ وہ عمدۃ الامرا کو اطلاع دیدے کہ کمپنی کے لئے اب یہ بات ضروری ہوتی جاتی ہے کہ وہ کرناٹک کے ملکی اور فوجی انتظام کو اپنی نگرانی میں کرے۔ اسی مضمون کا ایک سخت حکم نامہ اس نے نواب کے نام کلائیو کی مراسلت میں ملفوف کر دیا تھا۔ تین دن بعد

اور پھر چوتھی جون کو ویلزلی نے کلائیو کے پاس ہدایات بھیجیں کہ نواب کے، جو سخت بیمار تھے، انتقال کی صورت میں اسے کیا طرز عمل اختیار کرنا چاہیئے۔ نواب کے اس دار فانی کو خیرباد کہتے ہی علی حسین، نواب مرحوم کے مشہور بیٹے اور عظیم الدولہ ان کے بھتیجے میں گدی کے متعلق تکرار ہوئی اور اس تکرار نے انگریزوں کیلئے کرناٹک کا فیصلہ آسان کر دیا۔ علی حسین نے کیونکہ اسے ویلزلی کی شرائط منظور نہ تھیں جانشینی قبول کرنے سے انکار کیا چنانچہ ۳۰ جولائی ۱۸۰۱ء کو موخر الذکر عہدنامے کی رو سے مقرر کیا گیا۔ ۲۷ جولائی کو ویلزلی نے ایک اعلان کے ذریعے سے کرناٹک کو کمپنی کے ممالک محروسہ میں ضم کرنے کو جائز قرار دیا اور ملکی اور فوجی نظم ونسق کو کمپنی نے بتمامہ اپنے اختیار میں لے لیا۔ مداخل کا ایک خمس نواب کے نام کر دیا گیا اور اس امر کا بھی انتظام کیا گیا کہ اس کے تمام ایسے قرض جو تحریر میں موجود تھے، بتدریج ادا کر دیئے جائیں؛

مسٹر مل نے اس انتظام کے جواز پر اور ویلزلی کے ذاتی فعل پر نکتہ چینی کی ہے۔ اس کی یہ نکتہ چینی اس گمان پر منحصر ہے کہ کرناٹک کے نواب ابتدا میں اور اسوقت بھی فی الواقع خود مختار فرماں روا تھے۔ اس کا یہ گمان خلاف واقعہ ہے۔ بات اصل یہ ہے کہ یہ لوگ صوبہ دار دکن کے افسروں میں سے تھے۔ انگریزوں نے ہی ان کو آزاد و خود مختار کیا تھا۔ اس لیئے انگریزوں کے یہ بندۂ بے دام بن گئے تھے۔ ویلزلی ایک حد تک انکی اس خود مختاری کا بظاہر معترف تھا جس کے ثبوت میں وہ کوئی دعویٰ نہ پیش کر سکتے تھے۔ لیکن وہ ان کے ساتھ ایسا سلوک کرتا تھا جیسے کوئی بادشاہ منحرف نوابوں کے ساتھ کیا کرتا ہے۔ اس میں شک نہیں متعدد انگریزی گورنروں نے ان کو بہت کچھ آزادی کی صورت اختیار کر لینے دی تھی۔ اس معاملے کے آخری تصفیئے کے وقت اس سے حکومت کی قانونی حیثیت اور حقوق میں کوئی فرق نہیں آتا تھا؛

اس کارروائی کا نتیجہ ریاست کو ضم کرنے کے بجائے آئندہ کی حفاظت اور اسکی ضمانت تک ہی محدود رہا۔ اس سے قبل کمپنی کے سپرد یہ انتظام کیا گیا تھا کہ وہ کرناٹک کی بیرونی حفاظت کا سامان کرے، لیکن اسکو محفوظ کرنے کا کوئی اختیار اسے حاصل نہ تھا۔ وہ سرحد جسکی اب وہ ذمہ دار ہو گئی تھی، بڑھائی نہیں گئی تھی، بلکہ جہاں برطانوی طاقت برائے نام اور غیر محفوظ تھی، وہاں وہ محفوظ اور مضبوط ہو گئی۔ اب برطانوی گورنمنٹ کو حقیقی نگرانی کا

حق حاصل ہوتے ہی ملک میں خوشحالی اور فارغ البالی بڑھتی گئی اور اسکے مداخل میں دن دونی رات چوگنی ترقی ہوتی گئی[1]۔

ہندوستان آتے ہی مارنگٹن کو تنجور اور سورت کی مشکلوں کا مقابلہ کرنا پڑا۔ اس نے یہاں کی مشکلات کا دفعیہ بھی اسی ترکیب سے کیا جیسا کہ کرناٹک میں کرچکا تھا۔ بقول ڈنڈاس تنجور کے معاملات مقابلہ آرکٹ "اپنی نوعیت میں زیادہ سیدھے سادے اور انتظامی اعتبار سے کم پیچیدہ تھے"۔ مسئلہ یہ درپیش تھا کہ آیا مرحوم راجہ کا سوتیلا بھائی یا اس کا متبنّیٰ کون زیادہ مستحق ہے؟ بھائی نے متبنّیٰ کے زمانۂ نابالغی میں بحیثیت ولی ریاست کا انتظام و انصرام کیا تھا، قانونی حق کے متعلق پنڈتوں سے استصواب کیا گیا تھا۔ انہوں نے متوفی راجہ کے متبنّیٰ سربوجی کے حق میں فیصلہ کیا۔ لیکن اس فیصلے کو بروئے کار لانے میں بہت تاخیر ہوگئی۔ مرحوم راجہ نے اپنی حین حیات میں سربوجی کو ڈنمارک کے ایک پادری شوارز کے سپرد کردیا تھا۔ اب وہ ایک قابل اور شایستہ آدمی ہوگیا تھا۔ اسکا چچا امیر سنگھ اصلی معنوں میں مشرقی بدنظمی کا مجسم تھا[2]۔

۲۶۔ نومبر ۱۷۹۹ء کو سربوجی سے ایک عہدنامے کی توثیق کلکتے میں کی گئی جسکا ویلزلی نے دو روز بعد مجلس راز کے نام ایک مراسلے میں یوں ذکر کیا ہے کہ "آج کل میں تنجور کے ملکی اور فوجی تنظیم و تنسیق کو بالکلیہ کمپنی کی گورنمنٹ کے قبضے میں لا رہا ہوں"۔ اس کے بعد سے ملک کی حالت درستی پر آتی گئی، اور گورنر جنرل کے صبر و استقلال کی بدولت وہاں عمدہ نتایج پیدا ہوے۔

---

[1] انڈیا آفس کے قلمی نسخہ ۲۰۷، جلد ۵، اوبین میں کرناٹک و تنجور کے مداخل کے انتظام کا حال درج ہے، اور سنہ ۱۷۷۰ء کا سنہ ۱۸۰۱ء کے مداخل سے مقابلہ بھی کیا گیا ہے۔

[2] ربع صدی کے بعد بشپ ہیبر نے سربوجی کے متعلق لکھا تھا کہ وہ نہایت ہی ذکی و فہیم مہذب و شائستہ آدمی ہے۔ مجھے ایسے لائق لوگوں سے کم ہی سابقہ پڑا ہے۔ وہ مشہور شاعر لیو اکسٹر اور لینوئس کے اشعار جابجا نقل کرتا ہے۔ اور شیکسپیر کے ڈراموں کے اشخاص کی امتیازی خصوصیات کو خوب سمجھتا ہے اور قدر کرتا ہے۔ زبان انگریزی میں خاصہ شعر کہہ لیتا ہے۔ اور باینہمہ رسالے کے افسروں سے گھوڑے کے حسن و قبح پر بحث کرنے میں کبھی نہیں ہارتا۔ علیٰ ہذا شکاری بھی ایسا ہی ہے۔ بہت فاصلے سے نہرے شیر کا بے خطا نشانہ اڑاتا ہے۔ اٹیارنس مارکوئس ویلزلی صفحہ ۲۰۔

۵- مارچ ۱۸۰۰ء کو اس نے ڈنڈاس کو لکھا کہ تنجور کے صحیح اور ٹھیک حالات معلوم کرنے میں جن مشکلات کا مجھے سامنا کرنا پڑا، وہ بیان کرنا تو کجا ذہن میں بھی نہیں آسکتے تحقیقات کی سخت زحمت کے بعد میں نے مختلف فریقوں کا اپنے روبرو نہ صرف مباحثہ بلکہ تلخ مجادلہ کرایا۔ اور تین یا چار روز کی بحث کے بعد میں نے اس تمام معاملے پر غور و خوض کرنا شروع کیا، اور مسئلے کے دونوں رخوں پر تمام دلائل اور واقعات کو پیش نظر رکھا، بالآخر مختلف فریقوں نے عہدنامے کی مصلحت اور جواز کو جس صورت میں کہ وہ طے ہوا تھا[1] یکزبان ہو کر پسند کیا۔

سورت میں بھی کچھ اسی قسم کی مشکلات پیش آئیں اور اسی طور سے ان کا تصفیہ ہوا۔ یہ بندرگاہ اس وقت ہندوستان میں بحری تجارت کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ اور اس کی ظاہری شان سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ یہاں تجارت وسیع پیمانے پر جاری ہے، بے قیاس دولت ہے، بے شمار آبادی ہے، اور خاص قسم کی عملداری ہے۔ نواب اور انگریزی آبادی کے درمیان کشیدگی پیدا ہو گئی تھی۔ نواب اور اس کے بیٹے کی وفات سے یہ فائدہ اٹھایا گیا کہ ان کے جانشین سے یہ عہد و پیمان کیا گیا کہ گدی نشینی پر بیٹھنے کے وقت سے۔

سورت کے شہر اس کے علاقے، دیگر مقامات، ماتحت ریاستوں کے مداخل کی تحصیل اور اُن کا بندوبست دوامی طور پر کمپنی کے سپرد کر دیا جائے گا۔ اور عام طور پر ریاستِ سورت اور اس کی ماتحت ریاستوں کی عدالت ہائے دیوانی و فوجداری، اور اس کی ملکی و فوجی حکومت سب دوامی طور پر اور بلا شرکت غیرے آنریبل انگلش کمپنی کو انتظام و انصرام کے لئے تفویض کر دی جائے گی۔

کرناٹک، تنجور اور سورت تینوں ریاستوں میں جو اصل دقت تھی، اور جس کا ویلزلی کو مقابلہ کرنا تھا، وہ ایک قسم کی ہی تھی۔ جتنا صحیح و صریح طور پر ہندوستان میں اس کو تاڑ لیا گیا تھا، اسی قدر انگلستان میں۔ ۲۱ مارچ ۱۷۹۹ء کو ڈنڈاس نے ویلزلی کو لکھا "کرناٹک میں جو دو عملہ قائم ہے۔ اس کے متعلق عرصہ دراز سے یہ محسوس کیا جا رہا ہے، وہ اُس ملک کے لئے سخت مصیبت ہے۔" اور یہی دو عملی کا نقص تھا، جس نے تنجور اور سورت میں مشرقی انتظامات کی خرابیوں کو اور بڑھا دیا تھا۔ اس زمانے میں اتحاد کی ہوا چل رہی تھی، اور

[1] مراسلات ویلزلی جلد دوم ص ۲۴۷۔

ویلزلی اپنے وطن کے دوستوں کے مثل ایک پرجوش حامیٔ اتحاد بنا ہوا تھا۔ ۱۷۹۹ء میں اس نے لارڈ آکلنڈ کو آئرلینڈ کے متعلق لکھا کہ "مجھے یقین ہے آپ وہاں زبردستی اتحاد پیدا کرا دیں گے"۔ ہندوستان کے متعلق بھی اسکا خیال یہی تھا۔ یہ بات نہیں ہے کہ اسے کسی ملک پر خواہ مخواہ قبضہ کرنے یا جارحانہ مداخلت میں مزا آتا تھا، بلکہ اس دانا منتظم کی اصل خواہش یہ تھی کہ ذمے دار اور غیر منقسمہ حکومت قائم ہو جائے۔

اودھ کا معاملہ زیادہ پیچیدہ تھا، اور اس کے تصفئے پر گرفت کی راہیں زیادہ کھلی ہوئی تھیں۔ ایک نہایت مستند اہل الرائے کہتا ہے کہ "لارڈ ویلزلی کے تمام معاملوں میں نواب وزیر والئی اودھ کا معاملہ بادی النظر میں سخت اور یک طرفہ نظر آتا ہے"۔ جب زماں شاہ کی چڑھائی کا خرخشہ حد کے درجے پر پہنچ گیا تھا، تو ویلزلی نے ۱۷۹۸ء میں سر جیمس کریگ کی زیر کمان اودھ میں اپنی فوج مقیم کی۔ نواب وزیر والئی اودھ گو سرحد پر فوج کے اجتماع عظیم کی ضرورت کا کامل یقین رکھتا تھا، لیکن اس پر بھی برطانوی افواج میں سے ایک جمعیت طلب کی، تاکہ وہ اس کے پاس رہے اور خود اسکی سرکش اور بے چین فوج کی شوریدہ سری کے خلاف اسکی حفاظت کریں۔ اس نے بار بار اس بات پر زور دیا کہ لڑائی کے وقت یا کسی اور موقع پر اس فوج پر ہرگز اعتماد نہیں کرنا چاہیئے۔ چنانچہ سر جیمس کریگ نے اسکی تربیت اور ساز و سامان کا مطالعہ کیا، اس کے اصول اور متحدہ حکومتوں کے متعلق خیالات وفاداری کی نسبت معلومات حاصل کرنیکے بعد یہ نتیجہ نکالا، کہ وہ صرف بیکار ہی نہیں ہے، بلکہ اس سے بدتر ہے خطرناک ہے اور ایسی ہے جیسے کہ عقب میں دشمن کا غیر مفتوحہ قلعہ۔ چنانچہ اس نے واقعی برطانوی فوج کی ایک جمعیت کو چھوڑ دیا تاکہ وہ اسکی اور اودھ کے شمالی مغربی سرحدی صوبۂ روہیلکھنڈ کے شورش پسند باشندوں کی نگرانی کرے۔

"اس ناکارہ انبوہ" کی جسے انگلستان میں مسٹر ڈنڈاس اور ہندوستان میں انگریزی حکام ایسا ہی سمجھتے تھے ناگفتہ حالت ہی صرف مداخلت کی وجہ نہ تھی، بلکہ دوآبے کے علاقے کی جنگی اہمیت بیان کرنے میں علی الخصوص ایسے وقت جب کہ ایک طرف مرہٹوں اور سکھوں کے حملے اور دوسری طرف افغانیوں کی چڑھائی کا خدشہ تھا، بہ مشکل مبالغے سے کام لیا جا سکتا تھا۔ اودھ ایک ایسا کمزور مقام تھا، جس میں سے گزر کر برطانوی علاقے پر نہایت آسانی سے

حملہ کیا جاسکتا تھا، اور اس وقت کی سیاسی حالت میں ایک ہی خطرے کا ذکر کیا جائے تو زماں شاہ کی طرف سے حقیقی اندیشہ تھا۔ کیونکہ اس کا ہمیشہ ڈر لگا رہتا تھا۔ ٹیپو سلطان سے اس کے نامہ و پیام کا حال معلوم ہو چکا تھا، اور اس کی نقل و حرکت قطعی تردد انگیز تھی۔ دو تین سال سے برابر اسکے ایلچیوں کی تعداد صوبہ اودھ و بنارس میں آجا رہی تھی، اور مخلوق کے دلوں میں اسکی طاقت کا رعب بٹھا رہی تھی۔ اس نے سر جان شور اور ویلزلی کو ایک خط لکھا تھا، اور ہندوستان پر حملہ کرنے کے متعلق اپنا ارادہ ظاہر کیا تھا۔ انگلستان میں افسروں کو اس خطرے کے متعلق کوئی شک و شبہ نہیں تھا۔ ۱۸ مارچ ۱۷۹۹ء کوڈاس نے ویلزلی کو صلاح دی تھی کہ خود زماں شاہ کی اقلیم میں شورش برپا کرا دیجائے۔ راجپوتوں اور سکھوں کو ہر طرح ترغیب دیجائے کہ وہ اسے ستائیں اور خوب دق کریں اور اگر ممکن ہو تو اسکے خلاف سندھیا سے واضح طور پر دفاعی اتحاد قائم کیا جائے۔ اس حملے کے خوف کے عالم میں نواب وزیر کی طرف سے واقعی خدشہ تھا۔ نہ صرف اسکی سرحدیں حملے کے لیئے کھلی ہوئی تھیں، نہ صرف اس کی فوج قابو سے باہر تھی بلکہ اس کا انتظام ملکی حد درجہ ناقص تھا۔ اس معاملے میں بھی ویلزلی کو وطن سے ہدایات ملتی رہتی تھیں، مسٹر ڈنڈاس نے صاف طور پر جانچ لیا تھا کہ اودھ کی ضروریات یہ ہیں کہ "نواب وزیر تو اپنے ملک میں تمام آلائشوں سے پاک اور انصاف سے معمور عملداری قائم کریں دوسرے مستقل اور اعلیٰ قسم کی فوج رکھیں"۔ اُس نے لکھا تھا کہ یہ بات اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتی جب تک یہ "ناکارہ انبوہ" منتشر نہ کر دیا جائے اور ایک دوسری فوج ہماری اہتمام اور تربیت سے تیار نہ کی جائے، اور وہ براہ راست ہماری نگرانی میں نہ رکھی جائے۔

۲۳۔ دسمبر ۱۷۹۸ء کو مسٹر لمڈن کے نام ویلزلی نے ایک خط لکھا اور اپنی تجاویز کی اس میں تشریح کی تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ دوآبہ پر زماں شاہ اور مرہٹوں کے مقابلے میں حفظ ماتقدم کے خیال سے قبضہ کرے۔ اور اس "مسلح انبوہ" کو منتشر کر دے، جس نے نواب وزیر کو خائف کر رکھا ہے جس سے اور اس کے دشمنوں کو اسپر حملہ کرنے کی تحریص ہوتی ہے۔ اور ان کی بجائے کمپنی کے رسالے اور پیدل کی تعداد زیادہ کر کے رکھی جائے"۔

اس سے زیادہ نازک مسئلہ نواب کے نظم و نسق کے متعلق تھا۔ یہ بات صاف طور پر

ظاہر تھی کہ مصیبت کا مارا نواب ہی صرف مورد الزام نہ تھا۔ اس کا معاملہ نواب کرناٹک سے مشابہ تھا۔ نواب کرناٹک کے مثل اس نے بھی یورپین لوگوں سے روپیہ لینے کی خوشی بے غل وغش منائی۔ چنانچہ اس کے ملک میں آسامی بازوں کی ایک کثیر تعداد جمع ہوگئی تھی، اور اس کی نظم و نسق میں مشرق اور مغرب دونوں ملکوں کی برائیوں کا حد و حساب نہ رہا۔ فوجی افسروں کی حیثیت سے یورپین لوگوں کی بڑی مانگ تھی، اس کی قلمرو میں یورپین تاجروں کا ٹڈی دل انبوہ در انبوہ آگیا تھا، جو سود پر قرض دیکر وہاں پھل پھول رہے تھے۔ جس ملک کو ایسی چچڑیاں لپٹ جائیں، وہاں ایمانداری کی تجارت کب پنپ سکتی تھی۔ ویلزلی نے اس بات کو تاڑ لیا، اور اسکے دل میں ان بدقماش لوگوں کے لئے رحم کی مطلق گنجائش نہ رہی۔

نواب وزیر کے حیلے، اخذ مداخل کا ملامت انگیز نظام، اور عدل وانصاف کے تمام اصولوں کی خلاف ورزی کے متعلق جبتک کہ میں لکھنؤ خود آکے صورت معاملات کو نہ دیکھ لوں کچھ بھی نہیں کہا جاسکتا، اس وقت مجھے فورٹ سینٹ جارج جانے کی ضرورت لاحق ہو رہی ہے، جہاں سے مجھے امید ہے ماہ مارچ میں فورٹ سینٹ ولیم واپس آجاوں، اور میری تجویز ہے کہ ماہ جون کے آخر میں لکھنؤ روانہ ہوجاؤں۔ میں آپ کی توجہ ایک دوسری نہایت ضروری بات کی طرف مبذول کراتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ اودھ میں یورپین خصوصاً برطانوی رعایا جو آباد ہوگئی ہے وہ ایک ایسی نقصان دہ چیز ہے، جو محتاج تنقید نہیں، میں نے عزم بالجزم کرلیا ہے کہ اودھ سے سب یورپین لوگوں کو سوائے کمپنی کے عمال کے اکھاڑ دوں۔ میرا ارادہ ہے کہ ان یورپینوں کو جو اودھ میں اچھی طرح جم کر رہ گئے ہیں، پوری مہلت دوں، تاکہ وہ اپنے معاملات بطرز احسن طے کرلیں۔ میں نے مہلت کی مدت زیادہ سے زیادہ اٹھارہ مہینے تک رکھی ہے۔ آپ ان تمام یورپینوں کو جو اودھ میں ہیں جہاں تک ممکن ہو ایک مکمل فہرست مرتب کر کے غیر سرکاری طور پر میرے پاس بھیجدیں، اور اس میں ان کے مختلف پیشے بھی تحریر کردیں اور ساتھ ہی یہ بھی کہ ان میں سے ہر ایک زیادہ سے زیادہ کتنی مدت میں اپنے معاملات کا تصفیہ کرسکتا ہے۔ میری خواہش ہے کہ ان کو جہاں تک ممکن ہو، کم تکلیف پہنچے، لیکن خدمت عامہ کی تعمیل میں کوئی فرق نہ آنا چاہیے۔ یہ توقع رکھنا تو بالکل بے جا ہے کہ اپنے عظیم قانون کے نفاذ میں بعض لوگوں کو صعوبت نہ ہوگی۔

یہ ایک دلیرانہ عمل تھا، اور ایسا کہ چشم زدن میں سیکڑوں دشمن کھڑے کر دیتا، جو انتقام کے لئے ہر موقع کی تاک میں لگ جاتے، لیکن ویلزلی کا ثبات قدم تمام ایسے معاملات میں جو تجارتی ایمانداری یا انتظامی صفائی سے متعلق ہوں غیر متزلزل تھا۔

وہ معاملات جو قابلِ توجہ تھے ابھی ختم نہیں ہوئے تھے، کمپنی کی رسم تھی کہ اِن تمام ریاستوں سے جو اسکی زیر سیادت تھیں، برطانوی فوج کے قیام کا خرچ لیا کرتی تھی۔ یہی طریقہ اودھ میں بھی جاری تھا۔ سرجون شور سے معاہدے کے موافق نواب سعادت علی کا فرض تھا کہ وہ ہر سال چھہتر لاکھ روپیہ ۱۳ ہزار برطانوی فوج کے لئے ادا کیا کرے۔ یہ ظاہر تھا کہ اودھ جیسی وسیع مملکت کی حفاظت کے لئے ۱۳ ہزار فوج بالکل ناکافی تھی۔ ۵ نومبر ۱۷۹۹ء کو گورنر جنرل نے نواب وزیر کو یہ بات جتائی، اور کہا کہ جب تک کمپنی اودھ میں کافی فوج نہیں رکھے گی، اس کے لئے ناممکن ہے کہ وہ اپنے معاہدے کو پورا اور دشمنوں سے اس کی مملکت کی حفاظت کر سکے، اگر وہ اس انبوہ کو جو اس کے ہاں ہے، منتشر کردے تو جو رقم اس طرح سے بچے، وہ برطانوی فوج کے اخراجات ادا کرنے میں صرف کیجا سکتی ہے اور اس تبدیلی سے اس کے ملک کی حفاظت کو بے حد تقویت پہنچ سکتی ہے۔ بلاشک و شبہ یہ بات بالکل سچ تھی، لیکن اس سے مملکت اودھ صاف طور پر کمپنی کی پوری سیادت میں آجاتی تھی۔ اس تجویز کے برخلاف نواب نے ایسے ہاتھ پاؤں مارے جیسے جال میں پرند۔ کرنل اسکاٹ، ریزیڈنٹ لکھنؤ سے اسنے بار بار اسکے متعلق گفتگو کی اور آخرش اس نے دفعتہً یہ ارادہ ظاہر کیا کہ وہ مسند سے علیحدہ ہونا چاہتا ہے۔ اس نے کہا کہ میں ان مصائب اور مشکلات سے عاجز آگیا ہوں۔ میرے پاس ذمہ دار صلاح کار بھی نہیں ہیں۔ میں چاہتا ہوں، کہ میں ان معاملات سے بالکل کنارہ کش ہو جاؤں۔

ظاہر ہے کہ سنجیدہ مزاج برطانوی کرنل کے لیئے یہ تجویز حیرت و استعجاب سے مملو تھی، لیکن نواب اپنے ارادے پر اڑا ہوا تھا۔ رزیڈنٹ نے ویلزلی سے ہدایات طلب کیں۔ گورنر جنرل نے فوراً ڈائرکٹروں کو لکھا، اور کرنل ولیم پیٹرک[1] کو ہدایت کی کہ رزیڈنٹ کو جواب لکھدے یہ استنباط خلاف عقل نہیں کہ ویلزلی ان امید افزا

[1] یہ ویلزلی کے ملٹری سکرٹری تھے یہ اسی مشہور خاندان میں سے تھے، جسکا پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔

حالات سے خوشی کے مارے پھولا نہ سماتا تھا۔ یہ اُن واقعات کی زنجیر میں ایک ایسی کڑی تھی جو برطانوی ہندوستان کی تاریخ میں اس کے دور حکومت کو چار چاند لگا دیتی، لیکن اگر اس بات سے اسے کچھ فخر و انبساط تھا، تو اس کو اس نے ظاہر نہیں کیا۔ بلکہ نہایت احتیاط سے چھپائے رکھا رہی تخت سے دست برداری، اس کے متعلق اس نے کہا کہ میں نہ تو یہ چاہتا ہوں نہ اسے پسند کرتا ہوں، لیکن اگر یہ لابدی ہو، تو پھر ایسی شرایط سے ہو جس سے برطانوی حکومت کو اطمینان کامل ہو جائے، ایک طول طویل روئداد میں جو ۱۶ دسمبر ۱۷۹۹ء کو بھیجی گئی تھی، انھوں نے نہایت موثر پیرے میں ان تمام پیچیدگیوں اور مشکلات کو قلمبند کیا، جو نئے نواب کو پیش آنے والی تھیں۔ اس پر جو بار پڑنے والا تھا، وہ نہایت عظیم تھا، اور اسکے سنبھالنے کی استعداد بلاشبہ اس میں بہت کم تھی۔ صورت حالات کا ہر پہلو زبان حال سے اس مسئلے کو اس طرح حل کرنے کی طرف متوجہ کرتا تھا، جسے ویلزلی نے سمجھ رکھا تھا، کہ وہ اس قسم کے تمام معاملات میں بہترین حل ثابت ہوتا ہے، جہاں ذمہ داری ہوتی ہے وہاں اختیارات بھی ہونے چاہئیں۔ دوعملی یاس انگیز تھی۔ اس لئے مناسب یہی تھا کہ نیا نواب سلطنت کا مالک ہو، حاکم نہ ہو۔ سوال یہ ہے کہ کیا خود نواب اس طرز عمل کی ضرورت کا معترف نہ تھا؟

وہی دانائی اور زیرکی جس نے حضور کی نگاہوں کے سامنے اُن مشکلات کی اصل نوعیت، جنھوں نے آپ کو گھیر رکھا ہے، کھول کر رکھدی ہے، اور جس نے حضور کو اس بات کا یقین دلادیا ہے کہ آپ اپنی کوششوں سے عہدہ برا نہیں ہوسکتے وہی آپ کو اس بات کا اطمینان دلادے گی کہ ایسی مہیب اور عظیم خرابیوں کا اسکے سوا اور کوئی علاج نہیں ہے کہ نظام ملک داری کو آہستہ آہستہ، باضابطہ عمل سے ایسے سانچے میں ڈھال دیا جائے جو حقیقی انصاف اور سچی حکمت عملی کے اصول پر مبنی ہو، اور جسے برطانوی حکومت کے تمام زور اور قوت کے ذریعے سے معرض عمل میں لایا جائے۔ حضور پر یہ بات ضرور روشن ہوگی کہ آپکے بڑے یا کسی اور صاحبزادے کی مسند نشینی اس نظام کے نفاذ کے لئے بالکل ناکافی اور قطعی ناسازگار ہوگی۔ جب حضور خود بدولت ہی اپنے تمام تجربے اور علم کے باوجود امور عامہ کے نقائص کو رفع نہیں کرسکے، اور اس امر کے مقر ہیں کہ اصلاح آپ کے

قابو سے باہر ہوگئی ہے، تو بھلا ایسی حالت میں کیا اُمید کی جا سکتی ہے کہ اِن نوجوان شہزادوں میں سے کوئی شہزادہ ان خرابیوں کو دور کرنے کے قابل ہوگا۔ آپ کے کسی ایسے جانشین کی فرماں روائی میں جو آپ کا سا علم و تجربہ نہ رکھتا ہو، لازمی ہے کہ مملکت کی تمام موجودہ خرابیاں اور نقائص، اور ملک اودھ کی خراب و خستہ حالت میں اور زیادتی ہو جائے گی۔ اور ملکی و فوجی حکومت کے پہلو بہ پہلو حضور کے بیرونی دشمنوں کا خطرہ اور باشندوں کی خانگی مصیبت بھی اسی تناسب سے بڑھ جائیگی۔ ایک طویل اور سخت تجربے نے اس بات کو عیاں کر دیا ہے، کہ اودھ کی نظم و نسق کی اصلاح کے لیئے برطانوی حکومت کی بالواسطہ یا مشترکہ مداخلت بالکل بے سود ہوگی۔ وہی اسباب جنھوں نے کمپنی کی حکومت کی ہر اصلاحی سعی کو جو صلاح و فہمائش کے طور پر اسوقت تک کی گئی تھی، شکست کر دیا، وہی ہمیشہ مشترکہ حکومت پر نافذ العمل رہیں گے۔ کمپنی کے انصاف اور عقل کی سخت سے سخت کوششوں سے بھی کسی مفید نتیجے کی توقع نہیں کی جا سکتی، جبکہ ملک میں ایک دوسری طاقت قائم ہو، جو ہر اصلاح کو معطل اور ہر تحریک کو رد کر دے۔"

مزید برایں اُنھوں نے یہ بھی کہا کہ حکومتِ اودھ کا انتظام کبھی بحسن و خوبی نہیں ہو سکتا جبتک کہ برطانوی طاقت کو بلاواسطہ پورا پورا دخل نہ دیدیا جائے۔ کوئی عارضی انتظام کارگر نہیں ہو سکتا، اس لیے کہ مشترکہ حکومت ہمیشہ زیاں کار ثابت ہوئی ہے۔ اور جب نواب وزیر خود اس بات کا متیقن نظر آتا ہے کہ صرف برطانوی طاقت ہی اس کے ملک میں امن عام، داخلی سکون اور خارجی قوت بحال کر سکتی ہے تو پھر؛

گورنر جنرل نواب کو یہ صلاح دیتا ہے کہ وہ حکومتِ اودھ اور اسکی ماتحت ریاستوں کے ملکی اور فوجی انتظام و انصرام کو بلا شرکت غیرے کمپنی کی تفویض میں دیدے اور اسکو اتنے وسیع اختیارات عطا کر دے کہ سلطنت کے ہر محکمے اور شعبہ میں زور و شور سے عجلت کام کر سکے۔

یہ بات وزیر کے دل کو نہ لگی، دکھا دے کے لیئے وہ علحدگی اور تن آسانی کا خواہشمند تھا لیکن غالباً اس کا مدعا یہ تھا، کہ نامہ و پیام کو طول دے اور دیکھے کہ اس سودے میں اسکا کتنا فائدہ ہو سکتا ہے۔ رہا کمپنی کے سپرد تمام اختیارات کر دینا یہ ایک معاملہ ہی جدا تھا۔ چند روز بعد ویلزلی نے ڈائرکٹروں کو لکھا، "مجھے اب بہمہ وجوہ یقین ہو گیا ہے کہ نواب وزیر نے جو اپنی اقلیم کی فرماں روائی سے دست کش ہونے کی تجویز کی تھی وہ

ابتدا ہی سے فریب اور دھوکا تھا، اور اس کا یہ منشا تھا کہ مصنوعی تاخیر سے اپنی فوجی حملے کی مجوزہ اصلاح کو باطل کر دیا جائے۔"
وزیر نے حیلہ وحوالہ کرنے کے لیے غلط آدمی کا انتخاب کیا۔ یقیناً ویلزلی کی طرف سے نہ تو اس بات کی ابتدا ہی ہوئی تھی اور نہ اسنے اس معاملے میں اس کی ہمت افزائی ہی کی تھی کہ نواب وزیر تخت سے دست بردار ہو جائے۔ لیکن جب یہ ارادہ ظاہر ہو چکا تو اب اسپر عمل کرنا بھی لازمی ہو گیا، یا اگر یہ نہیں تو ایسا التزام ہونا چاہیئے تھا کہ جس سے کمپنی کو برابر کے فوائد حاصل ہوتے۔ ویلزلی نے ۹۔فروری کو ایک خط بالکل صاف اور بے لاگ طور پر یہ اطلاع دینے کے لیئے لکھا کہ "نواب کے طرز عمل" نے اسکے دل میں حیرت، افسوس اور غصہ کو بھر دیا ہے"۔ یہ خط نہایت ٹھنڈے دل و دماغ سے موثر پیرائے میں ابہام کے انداز میں لکھا گیا تھا، اس قسم کے خطوط لکھنے میں ویلزلی کو بے حد مشق تھی اس میں تمام کارروائی کا خاکہ اُس نے نہایت زوردار اور معقول الفاظ میں کھینچا تھا، اور اس کے بعد خشمگیں گورنر جنرل نے ایک ایسے شخص کو "جو حضور کا سا اعلیٰ مرتبہ اور بلند منزلت رکھتا" ہو الزام لگانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ الزام وہی تھا جو اس نے "مجلس راز کو اپنے خط میں لکھا تھا"۔
اس نے یہ بات اچھی طرح جتا دی کہ برطانوی گورنمنٹ کے ساتھ حیلہ سازی ہرگز کارگر نہیں ہو سکتی۔ معاملات میں تاخیر کبھی نہیں کرنی چاہیئے۔ اور دو اشد ضروری کام فوراً ہو جانے چاہئیں۔ ایک تو نواب کی فوج کی اصلاح اور دوسری کمپنی کی فوج متعینہ اودھ کی معقول امداد و اعانت۔ اگر یہ نہیں، تو جو کچھ پیش آئے گا اس کے ذمے دار آپ ہونگے! ان دو ضروری امور میں سے کسی میں بھی ذرا تاخیر کی گئی یا ذرا فروگذاشت ہوئی، تو پھر اُسکا سخت خمیازہ اٹھانا پڑے گا"۔
جب تخت سے دست برداری کا حال صحیح یقین کیا گیا تھا، تو بعض تجاویز سوچی گئی تھیں، اب کہ یہ خبر جھوٹی اور پر فریب معلوم ہوئی تو بھی اُن تجاویز کو بروئے کار لانے میں کوئی مزاحمت نہیں کی گئی۔ افواج سوبے اودھ بھیجی جا چکی تھیں ایک دن بھی ان کا کوچ ملتوی نہیں کیا گیا، بلکہ نواب کو یہ تنبیہ کر دی گئی کہ وہ فوج کی تنخواہ دے اور اُسے سامانِ رسد بہم پہنچائے۔ پھر اس کے بعد ایسا سکوت ہوا جسے کارلائل "سکوتِ موت"

سے تعبیر کرنیکا بہت شائق تھا۔ بایں ہمہ وزیر ٹس سے مس نہیں ہوئے۔ نہ تخت سے علحدہ ہونے میں کوئی جلدی کی اور نہ ہدیۂ حفظ امن کے ادا کرنے ہی میں سرعت سے کام لیا ویلزلی اس لیت و لعل کو کہاں گوارا کرسکتا تھا۔ اسکی شرائط اب اور بھی سخت و کرخت ہوگئیں کیونکہ انتظار کی کوفت نے اس پر تازیانہ رسید کیا۔ ۲۲ جنوری سنہ ۱۸۰۱ء کو ویلزلی کرنل اسکاٹ کو ایک خط لکھا اور کہا کہ میں نے نواب کے سامنے بعینہ ایسا عہدنامہ پیش کیا ہے، جیسا کہ تنجور کے راجہ کے ساتھ کیا گیا تھا۔ اگر وہ اس عہدنامے کو رد کردے تو اسے یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ اسے پھر بھی برطانوی فوج کی اضافی جمعیت کے اخراجات اٹھانے پڑیں گے، اور ان اخراجات کی ادائی میں اسے دوامی طور پر اپنے ملک کا معتدبہ علاقہ سرکار کمپنی کے زیرنگیں کرنا ہوگا۔ دوآبہ اسے کمپنی کے حوالے کردینا چاہیئے اور روھیلکھنڈ، تاکہ اودھ کی بقیہ مملکت کے گرد کمپنی کے مقبوضات اسطرح پھیل جائیں، جیسے انگلی کے گرد چھلّا۔ متامل وزیر کو ان دو باتوں میں سے ایک پسند کرلینی چاہیئے، لیکن انتخاب فوراً ہونا چاہیئے"۔

یہ کرنل اسکاٹ کو لکھا، اور اسی قدر صاف بیانی اور زور کے ساتھ نواب وزیر کو لکھا۔ اس اثنا میں نواب وزیر کے پاس سے ایک خط موصول ہوا، جس میں اس نے اسبات کی بے حد کوشش کی، کہ پھڑ پھڑا کے کسی طرح آزاد ہوجائے۔ مگر ۵۔ اپریل کو ویلزلی نے اسے پھر نہایت سخت جواب لکھا، اور اس میں خود نواب وزیر کے تمام بیانات دُہرائے، ملک کی ابتر حالت کو دکھایا اور یہ بات بتائی کہ برطانوی حکومت سے کتنے فوائد حاصل ہونگے اور آخر میں یہ لکھا کہ۔

آپ اپنے خاندان اور اپنی رعایا برایا کی سود و بہبود کا اظہار اب صرف اسطرح ہی کرسکتے ہیں کہ دونوں تجویزوں میں سے ایک پسند کرکے مجھے فوراً مطلع کریں۔

کرنل اسکاٹ کو انہوں نے ایک اور مراسلت بھیجی، جس میں نواب کی اس دلیل کا جواب تھا، کہ جبتک نواب وقت معینہ پر روپیہ ادا کرتے رہے ہیں اسوقت تک کسی علاقے کی حوالگی کا مطالبہ نہ ہونا چاہیئے، لیکن "اب یہ بات ظاہر ہے کہ اگر کافی ضمانت اسوقت تک طلب نہ کی جائے، جبتک ملک کے تمام ذرائع آمدنی جواب نہ دیدیں، تو اس کے معنی یہ ہیں کہ کمپنی اس ضمانت سے ہاتھ دھو بیٹھے جسکی وہ مستحق ہے"۔ .... مزید برآں انھوں نے کہا

کہ نواب نے معناً ہر دلیل کی قوت کو جو روپے کی بروقت ادا کر دینے کی بنا پر پیش کی گئی تھی، خود یہ اقرار کر کے توڑ دیا ہے کہ ملک کی حالت حد درجہ تباہ ہے، تمام ذرائع آمدنی جواب دینے والے ہیں اور ان خرابیوں کے رفع کرنے کی اس میں صلاحیت نہیں رہی ہے۔"
اس نے کرنل اسکاٹ کو یہ بھی لکھا کہ اگر نواب اس جواب پر بھی دونوں تجاویز کو نامنظور کرے تو سمجھ لینا چاہیے کہ تلافی مافات کا وقت گزر گیا، اور پھر کرنل اسکاٹ کو یہ چاہیے کہ مجوزہ علاقوں کی فوری حوالگی کا مطالبہ کرے یا برطانوی فوج کو بھیجدے کہ وہ فوراً ان پر قبضہ کر لے۔
ایک دفعہ اور نواب نے ہاتھ پاؤں مارے، اور گورنر جنرل کے پاس اپنی شرائط پیش کیں۔ ویلزلی نے ان کے قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا، اور رزیڈنٹ کو ہدایت کی کہ وہ جبر سے کام لے ؎

سیاسی حکمت عملی کے ترکش کے تمام تیر ختم ہو گئے، نوبت یہانتک پہنچی کہ فریقین دست و گریبان ہو جائیں، لیکن ایک دوسری کمند ڈالی گئی۔ ۵ جولائی ۱۸۰۱ء کو گورنر جنرل نے آنریبل ہنری ویلزلی کو ہدایت کی کہ وہ فوراً لکھنؤ جائے، اور اُس کو پورے اختیارات دیئے گئے کہ وہ اسکاٹ کے مشورے سے سابقہ شرائط کے انداز پر معاہدہ کرے۔ لیکن جہانتک ممکن ہو، جلد۔ اس کے لکھنؤ پہنچنے سے پہلے نواب بدل گیا۔ یا تو وہ باتوں ہی باتوں میں ٹال رہا تھا، اب اُس نے صاف انکار کر دیا اور اپنی ضد پر اڑ گیا۔ سلام ہدیۂ حفظ امن کے دینے سے قطعاً انکار کر دیا ؎

ہنری ویلزلی لکھنؤ ستمبر میں پہنچا۔ نواب تھوڑی سی حیص بیص کے بعد معاہدہ کرنے پر رضامند ہوا۔ گورنر جنرل نے تہیہ کیا کہ خود لکھنؤ جا کے معاملات کا تصفیہ کرے، لیکن ابھی اسکا سرکاری بجرا گومتی کے دھانے تک ہی پہنچا تھا کہ اسے معلوم ہوا کہ نواب نے شرائط منظور کر لیں اور عہدنامے پر دستخط ہو گئے۔ اُس نے ڈائرکٹروں کو فوراً اطلاع دی کہ:-

نواب نے دوامی طور پر سرکار کمپنی کو ان اضلاع کی پوری فرماں روائی تفویض کر دی ہے جنکی فہرست منسلک مراسلۂ ہذا کی جاتی ہے ؎

میرا ارادہ ہے کہ کمپنی کے ان مفوضہ علاقوں میں بندوبست کے لیے فوراً عارضی حکومت قائم کر دوں۔۔ یہ حکومت مشروطہ مشتمل ہوگی ان افسروں پر، جو کمپنی کے عدالتی انتظامی اور مالی صیغوں میں پورا تجربہ رکھتے ہیں، اور بڑے لائق اور مستعد ہیں۔ ان کا صدر مسٹر ہنری

ویلزلی کو بنانا چاہتا ہوں، جسکی خوش سلیقگی، ذہانت اور استقلال کی بدولت اس قدر خیر و خوبی اور عجلت سے اتنے وسیع اور زرخیز علاقوں کا تصفیہ ہو گیا ہے۔ اور کمپنی اس کی حسن خدمات کی خاطر منت پذیر ہے"

اس طرح وہ تمام مقاصد جو ویلزلی کے پیش نظر تھے، کامل طور پر حاصل ہو گئے۔ علاقے جو کمپنی کے حوالے کیئے گئے تھے، کسی بیرونی دشمن اور نواب وزیر کے درمیان حائل تھے۔ نواب وزیر نے وعدہ کیا کہ وہ ملک میں ایسا انتظام کرے گا کہ جس سے اس کی رعایا کی خوشی و خرمی دولت و اقبال بڑھے۔ اودھ کی طرف سے سب خدشے جاتے رہے، اور امید ہو گئی کہ اس کے نظم و نسق کی حالت اچھی ہو جائے گی۔ گورنر جنرل نے ایک ماہ بعد ڈائرکٹروں کو ان فوائد کی اطلاع دی جنکی تصفیہ اودھ سے توقع تھی۔ اپنے سفر کے دوران میں جہاں سے وہ گزرتا تھا برطانوی حکومت کے زیر سایہ ملک کی حالت نہایت عمدہ نظر آتی تھی۔ چنانچہ نواب کی خارج از عدل عملداری کی بجائے اپنا نظام حکومت قائم کرنے میں اسے کوئی معمولی خوشی نہیں ہوئی تھی۔ اور نواب کی حکومت تو برطانوی تلوار کے زور پر قائم تھی!۔ ان قانون اور قاعدوں کے منفعت بخش اثر" کو ہر کہیں دیکھکر اپنے طرز عمل کی عملی دانائی اور وسیع خیر سگالی" کی وہ دل ہی دل میں داد دیتا تھا۔

وہ لکھنؤ گیا۔ اور وہاں اپنی مراد پانے کے بعد نواب سے بہت خاطر و مدارات اور عزت سے پیش آیا۔ دونوں میں روزانہ مشورت ہوتی رہی، اور آئین مہمانداری کی معزز طریق پر بجا آوری نے رہی سہی مشکلات کو بھی صاف کر دیا۔ اب تو ویلزلی اپنے رہبران بالادست کو یہ خوشخبری سنانے کے قابل ہو گیا کہ اسے امید ہے کہ ۱۸۰۲ء میں ممالک مغربی و شمالی کے معاملات کا امن اور صلح کے ساتھ فیصلہ ہو جائے گا۔ اور اسی سال ماہ مارچ میں اسنے لکھا کہ صورت معاملات اسکی توقعات سے بھی کہیں زیادہ روبراہ نظر آنے لگیں۔ اور اس طرح معلوم ہوتا تھا کہ نواب وزیر اور اسکا ہزیمت خوردہ انبوہ برطانوی حاکم کے متوحش خوابوں سے ہمیشہ کے لیئے کافور ہو جائے گا۔

ویلزلی کو بظاہر امید تھی کہ اس کا یہ طرز عمل انگلستان میں پسندیدہ نظروں سے دیکھا جائے گا! اس لیئے کہ اس نے کمپنی کی مقبوضات کی وسعت اور صیانت کو بڑھا دیا تھا اور اُن کے محصولات میں اضافہ کر دیا تھا۔ اور یہی وجوہات ایسی تھیں

جن کو کمپنی کے احکام کی خلاف ورزی اس کے ملازمین اپنا بہترین پناہ خیال کرتے تھے کہ نظام اپنے گورنر جنرل سے پہلے ہی برگشتہ ہوگئے تھے۔ اسکے دوست تھے ایک تو یہ کہ اُس نے انگریزوں کی نجی تجارت کا قلع قمع کردیا تھا، دوسرے اُس نے مطالبہ کیا تھا کہ کمپنی کے سول ملازمین کی تعلیم اعلیٰ قسم کی ہونی چاہیئے۔ اس لیئے یہ لوگ اودھ کے متعلق اسکی پالیسی کو اچھی نظروں سے نہیں دیکھتے تھے۔ انڈیا آفس کے قلمی نسخوں میں ایک مِثل[1] موجود ہے جس میں اس ضمن میں گورنر جنرل کے خلاف الزامات کی فہرست منسلک ہے۔ اس مِثل میں بلاشبہ انگریزوں کی ایک کثیر جماعت کی رائے شامل ہے۔ واقعات کے ایک طول وطویل دفتر کے آخر میں یہ عبارت درج ہے:-

مندرجۂ بالا بیان اور کیفیت سے جو نتیجہ نکالا جاسکتا ہے وہ یہ ہے کہ ۔ اول، وزیر کے اقطاع ملک میں برطانوی افواج کی تعداد میں زیادتی موجودہ معاہدوں کی صریح عہد شکنی تھی، کیونکہ نہ تو اس اضافے کی ضرورت ہی تھی اور نہ وزیر ہی نے مطالبہ کیا تھا، بلکہ اسکی جبراً و قہراً منظوری لی گئی تھی۔ دوم بدیۂ حفظ امن کی ادائی اور اضافی فوج کے متعلق بقایا کی ضمانت میں جو ملک مانگا گیا تھا، وہ ۱۷۹۸ء کے عہد نامے کے منافی تھا۔ اس لیئے کہ حفظ امن کی کوئی قسط باقی نہیں تھی، اور نہ عہد نامے ہی کی رو سے وزیر سے مطالبہ کیا جاسکتا تھا کہ وہ بقایا کی ادائی کی ضمانت ملک کی حوالگی کی صورت میں دے۔ سوم وہ ملک جو ۱۸۰۱ء کے عہد نامے کے ذریعے حاصل کیا گیا، وزیر سے زبردستی چھینا گیا، کیونکہ اس نے ملک کے تفویض کرنے کی تجویز سے قطعاً صاف الفاظ میں انکار کردیا تھا۔ اور علیٰ ہذا اپنے ملک کی فرماں روائی سے قطعاً دست کشی کو بھی مسترد کردیا تھا لیکن چونکہ گورنر جنرل نے بار بار اپنے عزم بالجزم کا اعادہ کیا اور کہا کہ وہ ملکی حوالگی کے مطالبے سے ہرگز نہ ہٹے گا، اور دو دفعہ بعض اضلاع پر قبضہ کرنے کی دھمکی دی، اس لیئے نواب وزیر نے بادل ناخواستہ منظوری دیدی، مگر ساتھ میں یہ جتا دیا کہ وہ خود گورنر جنرل کی دونوں تجاویز میں سے ایک کو بھی ہرگز منظور نہیں کرتا، لیکن چونکہ اس کے پاس اسکے سوا کوئی جواب نہیں ہے کہ وہ بے چون وچرا جو کچھ گورنر جنرل کہے اسے مان لے، وہ ان تجاویز کو اپنی حد درجہ توہین و اہانت آمیز سمجھتا ہے اور اس نے کہا کہ میں اس عہد نامے کے بعد اپنی رعایا کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہا۔ چہارم عہد نامۂ لکھنؤ کو جو مسٹر ویلزلی نے ۱۸۰۱ء میں کیا تھا، نواب نے کبھی اپنی خوشی سے منظور نہیں کیا، بلکہ یہ ایک عہد نامہ تھا جس کی شرائط اس سے زبردستی منوائی گئی تھیں۔ اس کی

[1] انڈیا آفس کے محافظ خانے میں یہ قلمی نسخے موسومہ "کاغذات متفرق" موجود ہے۔ نمبر ۵۶ (۱۸۰۶ء)

چھٹی شرط میں نواب کو مجبور کیا گیا ہے، کہ وہ اپنی محفوظ اقلیم کے داخلی انتظامات میں کمپنی کے افسروں کے صلاح و مشورے پر عمل کرے یہ صریح خلاف ورزی تھی ان عہدناموں کی جو ایک تو لارڈ کارنوالس نے ۱۷۸۷ء میں اور دوسرا لکھنؤ میں ۱۷۹۸ء میں قلمبند ہوئے تھے۔ ان دونوں میں یہ شرط مذکور ہے کہ کمپنی نواب کے داخلی انتظامات میں کوئی دخل نہیں دے گی بلکہ اسے اپنے خانگی معاملات، اپنی موروثی سلطنت، اپنی فوج اور اپنی رعایا پر کامل اختیار ہوگا، اور اس ذیل میں وہ بالکل آزاد اور خود مختار ہوں گے"؛

لیکن بہرحال اس قسم کے الزامات مجلس نظما میں ان کے خادم کو نظر سے گرانے کے لیئے کافی نہ تھے، بیش بہا منافع اور معقول ضمانتیں یہ دونوں گھٹنا کیا ویلزلی کی خودسری اور بالادستی کے طفیل بڑھ گئے تھے۔ لیکن ویلزلی یہ بھول گیا تھا کہ مالکان کمپنی جتنے اپنے اغراض و فوائد کے لیئے متردد تھے، اسی قدر وہ اپنے مربی گری کے حق پر مصر تھے۔ یہ مربی گری کا ہی مسئلہ تھا جس نے مسٹر فاکس کے انڈیا بل کے ٹکڑے اڑا دیئے اور اس کی وزارت کو تہ و بالا کر دیا۔ پٹ ان کی مربی گری کی طرف جھک گیا تھا اور اس لیئے اُسے ہر طرح تقویت پہنچی اور امداد و اعانت ملی۔ لیکن یہاں گورنر جنرل نے، جو اُن کا نوکر تھا، اپنے بھائی کو ایک نہایت اہم و نفع بخش خدمت پر مامور کر دیا تھا، جو کمپنی کا ملازم نہ تھا" اور فی الحقیقت یہ بات انکے سول ملازمین کے جائز حقوق کی پامالی تھی"۔ وہ کوئی عذر نہیں سننا چاہتے تھے، وہ کسی رپورٹ کے انتظار کرنیکی طرف راغب نہ تھے۔ انہوں نے صرف یہ حکم بھیجا کہ "مسٹر ویلزلی کو فوراً علیحدہ کر دیا جائے" خوش قسمتی سے نگران مجلس ان احکام کے اجراء کو بہتر سمجھتی تھی اور ایک ادنیٰ سی بات پر ایسا سخت حکم اور ایسے شخص کے نام جسکے ہاتھ میں اتنی بڑی ذمے داری تھی، بھیجنا مصلحت کے خلاف سمجھتی تھی۔ وہ کسی عنوان سے گورنر جنرل کے ساتھ ایسا برتاؤ گوارا نہیں کر سکتی تھی جو ایک مرتشی پوسٹماسٹر یا محکمہ جنگی کے ملازم کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ چنانچہ اُنھوں نے اس تقرر پر تھوڑے عرصے کے لیئے کمپنی کو کوئی حکم دینے سے منع کر دیا۔

نگران مجلس اور مجلس نظماء میں جو خط و کتابت ہوئی وہ گورنر جنرل کے پاس بھیجدی گئی۔ اگر کوئی چیز لیڈن ہال اسٹریٹ کے موجودہ حاکموں سے گورنر جنرل کو پہلے سے اور بھی زیادہ منحرف کر سکتی تھی، تو معلوم ہوتا تھا کہ بلاشک و شبہ انکی یہ بے اعتمادی اسکا آخری زینہ ہوگی۔ آئندہ معلوم ہوگا کہ اُنھوں نے بار بار اس کے امور عامہ کے متعلق حکمت عملی میں روڑے اٹکائے

تھے، لیکن یہ ہتک ناقابل عفو تھی، جو اس کی ذاتی عزت کی گئی تھی۔ ہنری ویلزلی (جو بعد میں لارڈ کولے ہوگیا تھا) کی خدمات مابعد اسکے بھائی کے اس بطف وعنایت کی کافی دلیل ہیں۔ نواب وزیر اودھ سے نامہ وپیام کرنے میں اس کا طرز عمل فراست اور استقلال کی قابل تعریف صفات سے ممتاز ہے۔ اور اگر اس کمپنی کی طرف سے کسی ناجائز آمدنی یا ذرائع کیطرف کنایہ واشارہ کوئی بات چاہتی ہے تو بھی یہ کہا جائیگا کہ اس نے گورنر جنرل کے پرائیویٹ سکرٹری کی تنخواہ کے علاوہ اور ہر چیز کے لینے سے انکار کردیا تھا۔ اور جب اودھ کے معاملے کا فیصلہ ہوگیا تو اسنے اُس خدمت کو خیرباد کہدیا جس کے لیئے وہ اتنا موزوں تھا۔

اس امر میں شک ظاہر کیا گیا ہے کہ آیا مفوضہ علاقوں پر ہماری حکومت سود مند ثابت ہوئی؟ اور اس بات سے انکار کیا گیا ہے کہ برطانوی مداخلت نے استداد زمانہ میں ملک کی حالت کو بہت کچھ بہتر کردیا تھا۔ سر آرتھر ویلزلی کی یہ رائے نہیں ہے۔ اس نے اپنی مذکورہ بالا یادداشت میں یہ بیان کیا کہ ۱۸۰۶ء میں نواب نے خود کمپنی کے اس احسان کو کہ اس نے اُن کے ملک کی حفاظت کی، اچھی طرح محسوس کیا، نیز اس نے اس بات کا اقرار کیا کہ پہلے زمانے کے مقابلے میں اب مداخل زیادہ مقدار میں وصول ہوتے ہیں۔ اور اسکی فوج اور اس کے ملک کی حالت سابق کی بہ نسبت کہیں اچھی ہوگئی ہے۔ بہرحال اس قسم کے مسائل کو اطمینان سے حل کرنے کے لیئے ایک طویل بحث کی ضرورت ہے، لیکن کم از کم ایک بات ظاہر ہے کہ وہ مشکلات جو مقامی ظالموں اور چھوٹے چھوٹے سرکش والیانِ ریاست کے سر توڑنے میں پیش آتی تھیں وہ اب نہیں رہی تھیں، کیونکہ اب مال کا نظام یا ضابطہ، عدل وانصاف، انتظام وانصرام باقاعدہ ہوگیا تھا، اور یہ باتیں قطعی الدلالت طور پر ثابت کرتی ہیں کہ بدنظمی اور سرکشی کے دور دورے سے بلاشبہ برطانوی حکومت نے مفوضہ علاقوں کو نجات دی تھی۔ اودھ کے متعلق کوئی حکم لگانا ذرا آسان نہیں ہے۔ لیکن اگر ویلزلی شورش غدر کے ایام تک زندہ رہتا، تو وہ خود زور کے ساتھ اس بات کا اقرار کرتا کہ ملک کی موجودہ حالت اس بات کو ثابت کرتی ہے کہ اس نے ان دنوں سخت غلطی کی جو اودھ کے تھوڑے سے ہی علاقے کو زیر تصرف کیا اُسے چاہیئے تھا کہ سب کو کھا جاتا۔

ان سب باتوں کے علاوہ ویلزلی کی پالیسی کو اودھ کے متعلق جائز قرار دینے کیلئے

ایک اور وجہ موکدہ ہے۔ اور وہ یہ نہیں ہے کہ آبادی کو کتنا فائدہ پہنچا یا کمپنی کی مملکت یا مال میں کتنی توسیع ہوئی بلکہ یہ کہ اسکا عمل سخت سیاسی ضرورت پر مبنی تھا۔ وہ لوگ جو اسکے طرز عمل کا صحیح اندازہ لگانا چاہتے ہیں، انہیں چاہیئے کہ اپنے نتایج کا انحصار محض اس وجہ پر ہی کریں۔ نامہ و پیام میں بالادستی، گورنر جنرل کی طویل رودداد اور مراسلتوں کی تاریک نوعیت، ایسی چیزیں ہیں کہ جن پر صحیح معنوں میں سخت نکتہ چینی کی جاسکتی ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ تمام نتائج کا مدار ان پر ہی نہ کر دینا چاہیئے۔ ویلزلی کی نگاہ میں اودھ ہندوستانی برطانوی طاقت کے لیئے ایک غیر مشتبہ اور سخت خطرہ تھا، لیکن جب وہ یہاں سے گیا تو اسی اودھ کو برطانوی طاقت کا معاون اور پشت و پناہ بنا کے چھوڑ گیا۔

پانچویں فصل

ویلزلی اور مرہٹے[1]

اگر تسخیر میسور ویلزلی کی عملداری کا نہایت جلیل القدر اور مشہور و معروف کارنامہ تھا، تو مرہٹوں سے جنگ ایک دوسری حیثیت سے اس سے کم نہ تھی۔ مرہٹوں کی لڑائیوں نے اسکے قوائے عقلی اور ذہنی پر نہایت عظیم بار ڈالا تھا اور اس بات کے پرکھنے کا پورا موقع دیدیا تھا، کہ اس کے یہ دعوے کہ وہ مدبروں کی صف اول میں کرسی کا مستحق ہے کہاں تک صحیح ہیں مرہٹے آپسمیں متحد ہوکر کوہ آتش فشاں بن گئے تھے۔ یہ پہاڑ وقتاً فوقتاً پھٹتا رہتا تھا، اور ملک میں تباہی و غارت بپا کر دیتا تھا۔ ان کا اتحاد ایک نہایت پیچیدہ مسئلہ ہوگیا تھا، اور اب اس کو سلجھانا ویلزلی کا کام تھا اس مسئلے کا حل جو اس نے پیش کیا تھا، وہ اس وقت پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھا گیا۔ جس حکمت عملی سے اس معاملے میں اس نے کام لیا، اسکے نتائج مصیبت انگیز پیدا ہوے۔ اور گو ان مصائب کا وہ ذمہ دار نہ تھا، لیکن الزام اسی کے سر تھوپا گیا۔ اسکی پالیسی نشانۂ ملامت بنی، وہ منسوخ اور مسترد کردی گئی لیکن بالآخر اسی کے اصول پر عمل کیا گیا۔ اور جو بات ۱۸۰۵ء کی ساعت

[1] دیگر اسنادمیں ویلزلی کی ان یاد داشتوں کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیئے جو انہوں نے فورٹ ولیم سے دسمبر ۱۸۰۳ء میں مرہٹوں کی سلطنت کے معاملات کے عنوان سے لکھے تھے۔

سعید میں جس وخوبی انجام پا سکتی تھی وہی ایک دوسرے فرد نے ۱۸۱۸ء میں تکمیل کو پہنچائی پہلے ہی پہل جو مراسلتیں ویلزلی نے انگلستان بھیجی ہیں، ان میں یہ بتادیا تھا کہ اس نے مرہٹوں کے پیچیدہ مسئلے کو خوب سمجھ لیا ہے۔ اس نے کہا تھا کہ یہ مناسب ہے کہ اس کمزور اتحاد کی مختلف شاخوں میں ایک قسم کا توازن قوت قائم رکھا جائے؟ اور آیا اسے کمزوری سے منظور کرلیا جائے یا اُسے روک دیا جائے؟ اس بات کو تو وہ مسلم الثبوت جانتا تھا کہ پیشوا کی طاقت حد درجہ گھٹ گئی تھی، اور یہ کہ اس کا اثر اتنا کبھی کم نہیں ہوا تھا۔ جتنا کہ اسوقت تھا۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ وہ زور اور قوت جو مادھوجی کو حاصل تھی، اب سندھیا میں نہیں رہی ہے۔ اور اسے اسکا بھی علم تھا کہ ہلکر کی سلطنت ونا کی نقیض و نزاع سے پاش پاش ہوگئی ہے اور سیاسی نظام کسی شمار وقطار میں نہیں ہے۔ اب رہ گیا خاندان بھونسلہ یہ البتہ انگریزوں کا روایتی دوست ہے اور اسکا پلہ بہت بھاری ہوگیا ہے۔

اس کا اندازہ بالکل صحیح نہیں تھا۔ دولت راؤ سندھیا کو جب بائیوں (یعنی اس کے پیشرو کی تین بیواؤں) نے بغاوت کی دھمکی دی۔ تو اپنی مدد کے لیئے اس نے یہ کیا کہ اپنے معمر اور ہوشیار قیدی نانا فرنویس کو اپنے ساتھ شامل کرلیا۔ نانا فرنویس نے پونا میں وزیر اعظم کا جائزہ لیا۔ اور پیشوا اور سندھیا میں بظاہر میل ملاپ اور عمدہ تعلقات نظر آنے لگے۔ لیکن ہمل اور متلون پالیسی نے، جو مرہٹوں کی تدابیر کا قدرتی جزو معلوم ہوتی تھی اس موقع کو کھو دیا جو میسور کی لڑائی نے پیش کیا تھا۔ آخری وقت تک پیشوا نے کھلے بندوں ٹیپو کے ایلچیوں کو اپنے دربار میں جگہ دی اس کی فوج نے مہم میں کوئی حصّہ نہیں لیا، اور فاتحین نے جو عہدنامہ اور اسکے ساتھ جن اقطاع کو پیش کیا، اس کے قبول کرنے سے اس نے انکار کردیا۔ سندھیا اب بھی بغاوتوں کی وجہ سے حیران وپریشان تھا، ویلزلی نے بھونسلے سے تحریک کی کہ وہ کمپنی سے نظام الملک کے عہدنامے کی شرائط پر معاہدہ کرلے۔ انیسویں صدی کے آغاز میں انگریز اور مرہٹے آمنے سامنے آئے تو اس وقت بظاہر مرہٹوں میں پیشوا کی طاقت ہی ایک ایسی طاقت تھی جس سے معاہدے کے متعلق خط وکتابت کرنے میں فائدہ معلوم ہوتا تھا۔

وہی حکمت عملی جس نے ویلزلی کے ساتھ ہر جگہ یاری کی تھی، یہاں بھی عائد کیجا سکتی تھی جیسا کہ اور معاملات میں کی گئی۔ برطانوی عظمت ونگرانی کا تمام ریاستوں میں، جس کا

بھی کمپنی سے پالا پڑجائے، بول بالا رہنا چاہیئے۔ اور تمام تزاعوں میں جو صوبوں کے مابین ہوں، برطانوی حکومت کو ثالث قرار دینا چاہیئے۔ یہ تھے وہ اصول جو انگریز نگاہوں میں رکھتے تھے۔ نامہ و پیام جاری تو ہے مگر بڑی سست رفتار سے۔ نانا فرنویس نے اس بات پر ایڑی چوٹی کا زور لگا رکھا تھا کہ جو کچھ بھی قوت پیشواؤں میں باقی رہ گئی ہے وہ انگریزی دست برد سے آزاد رہے۔ وہ اس بات کا سخت مخالف تھا کہ انگریزی فوج کو اسکے ملک میں جگہ دیجائے۔ گرانٹ ڈف کہتا ہے "وہ انگریزوں کا ادب کرتا تھا، وہ ان کی صداقت کا مداح تھا، وہ ان کی حکومت کے زور کا قائل تھا، لیکن سیاسی دشمنوں کی حیثیت سے وہ اُن سے زیادہ کسی سے نہ جلتا تھا اور نہ خائف تھا۔" آخری عمر میں بھی اس کے سر میں مرہٹوں کی خود مختاری کا سودا سمایا ہوا تھا۔ اسکا اعزاز اسی کو حاصل ہے کہ اس نے مرہٹے سرداروں کے غیظ و غضب کو دبائے رکھا، ورنہ وہ تلواریں جو دشمنوں کے لیئے تھیں، آپس میں ایک دوسرے پر چلتیں، اور خوب خونریزی ہوتی۔ لیکن وہ بت بڈھا ہو کر مر گیا حقیقت میں ہندوستانی مدبر کی حیثیت سے بڑی عمر پائی، اس لیئے کہ یہ تو وہ زمانہ تھا جب سیاسی مشکلات کے تصفیئے کا معمولی ذریعہ خنجر یا زہر سے ہوا کرتا تھا۔ غرض ۱۳۔ مارچ ۱۸۰۰ء کو اس کا انتقال ہوا۔ کرنل پامر برٹش ریذیڈنٹ پونا نے لکھا کہ۔

اس کے دم کے ساتھ مرہٹہ حکومت کی اعتدال پسندی اور دانائی بھی رخصت ہوئی۔

اس کے بعد مرہٹوں میں مملکت کے لیئے چھینا جھپٹی ہوئی، اب نہ صرف قرین مصلحت بلکہ انگریزوں کے لیئے لازمی ہو گیا کہ ان میں بیچ بچاؤ کرائیں۔ جسونت راؤ ہلکر نے اسوقت کے معاملات میں حصہ لیا، اس نے انگریزوں کو بھی دخل کا موقع دیدیا۔ تکاجی راؤ ہلکر کی ۱۷۹۵ء میں وفات کے بعد جس نے اندور میں اپنی رانی اہلیہ بائی کے ساتھ حکومت کی تھی، ملک کے بقیہ حصے کے لیئے ان کے جائز اور ناجائز بیٹوں کا آپس میں اور سندھیا کے ساتھ کشت و خون ہوا۔ قتل و غارت، لوٹ مار اور لوگوں کو مارنے کے لیئے نہایت دہشت انگیز و ظالمانہ طریقے اختیار کیئے گئے، مست ہاتھیوں کے پاؤں تلے کچلوا کے مروانا تو بائیں ہاتھ کا کھیل ہو گیا تھا۔ اس محشر دار و گیر میں آخرش جسونت راؤ، ہلکر تکاجی ہلکر کا سب سے قابل مگر کم محتاط بیٹا ہندوستانی اور افغانی قزاقوں اور جانبازوں کی ایک جمعیت کے ساتھ سندھیا کے ملک کو تہ و بالا کرتا ہوا مظفر و منصور نکلا۔

کامیابی کا رخ اکثر بدلتا رہتا۔ کبھی ہلکر فتحمند نظر آتا تھا اور کبھی سندھیا۔ بدنصیب پیشوا باجی راؤ دونوں کے ہاتھ میں کھلونا بنا ہوا تھا۔ لڑائی اور سازش کا یہ عالم خلفشار و اضطرار حیرت انگیز سرعت کے ساتھ گذر رہا تھا۔ برطانوی ریذیڈنٹ، پہلے پامر اور پھر کلوز نبرد آزما سرداروں سے ملتے تھے، اور شرائط اور عہدنامے پیش کرتے تھے۔ فریقوں سے عہد و پیمان۔ یا نامہ و پیام بالکل بے کار تھا جنھیں یہ بھی خبر نہ تھی کہ ان کے لیے کل کیا ہونے والا ہے۔ بالآخر ایک فیصلہ کن واقعے نے تمام معاملے ویلزلی کے قابو میں کر دیا۔ ۲۵۔ اکٹوبر ۱۸۰۲ء کو ہلکر نے پونے کے سامنے پیشوا اور سندھیا کی فوجوں کو ایسی شکست فاحش دی کہ تسمہ تک لگا نہ رکھا۔ اب وہ شہر میں داخل ہوا اور ونک راؤ ایک اطاعت گزار اور فرماں بردار مدعی کو پیشوا کی مسند پر متمکن کیا، اور دو ماہ تک ریاست کا کام اعتدال کے ساتھ اس امید پر کرتا رہا کہ ایسا کرنے سے اسے اپنے لیے کوئی سیاسی ضمانت مل جائے۔ خوش قسمتی سے کرنل کلوز نے ۲۸ ستمبر کو صحت و سلامتی کے ساتھ پونا کو الوداع کہا۔ اس اثناء میں باجی راؤ کو موقع مل گیا اور وہ بھاگ نکلا اور کچھ تامل کے بعد اسنے اپنے آپ کو انگریزوں کے حوالے کر دیا۔ ۶۔ دسمبر کو وہ بسین پہنچا، اور اسی مہینے کے اختتام سے پہلے عہدنامہ بسین پر دستخط کر دیئے۔ اس کی شرایط کی رو سے انگریزوں کو یہ اختیار دیا گیا کہ وہ پیشوا کی سلطنت میں مستقلاً چھ پلٹنیں پیدل فوج کی، اور اسی تناسب سے چھ توپ خانے جن کے توپچی انگریز ہوں گے مقیم کر دیں، اور یہ بھی اجازت دی کہ جنگ کی حالت میں اس فوج کو دل چاہے جتنا بڑھا لیا جائے۔ ان میں دو ہزار فوج پیشوا کی ذات کی حفاظت کے لیے متعین کر دی۔ اس فوج کے مصارف کے لیے پیشوا نے ۲۶ لاکھ روپئے آمدنی کے اضلاع دوامی طور پر کمپنی کے تفویض کر دیئے۔ پیشوا نے اقرار کیا کہ وہ برطانوی حکومت سے مشورہ کیئے بغیر نہ تو کسی ریاست سے کوئی معاہدہ کریگا اور نہ کسی پر فوج کشی۔ اور اس معاہدے کی تائید میں نواب نظام الملک اور گائیکوار کے خلاف جو دعاوی تھے وہ اس نے انگریزی پنچایت میں دیدیے اس مشہور عہدنامے کے دوررس نتائج مخفی نہیں رکھے جا سکتے تھے۔ مرہٹوں کی تمام ریاستوں نے ان غیرملکی لوگوں کی موافقت کے لیے اتحادی سازباز شروع کی۔ سندھیا اور بھونسلہ نے عہد و پیمان اور ہلکر نے اپنے قلعوں کو مضبوط کرنا شروع کر دیا۔ بلاشبہ ان کا یہ کام ایسا تھا جس نے مغربی ہند میں ہمارے لیے بالکل صورت حالات کو بدل دیا۔

انگریزوں کی ذمہ داری چشم زدن میں تگنی ہوگئی - عظیم الشان جزیرہ نما کے اس حصۂ ملک میں انگریزوں کے اغراض و فوائد اب کسی سے کم نہیں رہے، بلکہ سب سے بالا ہو گئے - مشرق وشمال وجنوب میں تو انھوں نے یہ مرتبہ حاصل کر ہی لیا تھا - مسٹر سٹنی آون کا جو اس مسئلے پر بہترین سند ہے، قول ہے کہ "اس عہدنامے سے قبل ہندوستان میں انگریزوں کی بھی مملکت تھی، لیکن اس عہدنامے کے بلاواسطہ یا بالواسطہ عمل سے سلطنت ہندوستان کمپنی کے ہاتھ میں آگئی ہے"[1]

لیکن اس انتظام پر شروع ہی سے بڑی سختی، تیزی اور تندی کے ساتھ نکتہ چینی کی گئی۔ لارڈ کیسل رے نے جو ہندوستانی معاملات سے تو اتنا واقف نہ تھا لیکن ان کے اظہار میں بلا کا زور خرچ کردیتا تھا۔ اس عہدنامے کی بڑی سخت تنقید کی - اس نے مرہٹوں کے مناقشے میں شرکت کی ضرورت کا ہی سرے سے انکار کیا - اسنے کہا جب تک ٹیپو سلطان کی طاقت سربسجود نہ ہوئی تھی، ہمکو مرہٹوں کی امداد کی ضرورت پڑتی یا نہ پڑتی، لیکن اب وہ بعید از خیال اور عارضی خطروں کے خلاف پشت پناہ سے زیادہ منزلت نہیں رکھتی - رہے خود مرہٹوں کے اغراض، اسکے متعلق تو صرف اتنا کہدینا کافی ہے کہ وہ اس اتحاد وائتلاف کے بالکل منافی ہیں" "ان لوگوں سے ہندوستان میں امن برقرار رکھنے کے متعلق اپنی ضمانت کی نسبت کچھ کہنے اور اسکے فوائد دکھانے کے معنے یہ ہیں کہ گویا ان کی حکومت کی روح رواں بجائے تباہی انگیز اور دشمنی خیز ہونیکے امن پسند اور ریاضت کش ہے" اگر سندھیا اور ہلکر کو پیشوا سے عہدنامہ کرنے سے قبل آپس میں لڑا لڑا کر تباہ ہو جانے دیا جاتا، تو اس سے بھی زیادہ وسیع اور منفعت بخش ہوتا اب گمان غالب یہ ہے کہ موجودہ عہدنامہ عنقریب جنگ کا باعث ہوگا، اور اس کا تو پورا یقین ہے کہ یہ ہمیں پریشان کن اور متواتر سازشوں میں برابر منہمک رکھے گا - مرہٹوں سے کسی ترمیم شدہ عہدنامے تک کی پالیسی کے متعلق لارڈ کیسل رے کی رائے یہ تھی کہ "میرے دل میں جو شکوک اور وسوسے اس عہدنامے کے متعلق پیدا ہوتے ہیں، وہ اس خوف کی بنا پر ہیں کہ اس عہدنامے میں اس قسم کا میلان پایا جاتا ہے کہ جو ہمیں اس شورش پسند دولت سے روزافزوں پیچیدگی خرابی اور سرگردانی میں بہت زیادہ مبتلا رکھے گا - اور ایسی ہی ایک دلیل کی بنا پر

[1] مقدمہ انتخاب مراسلات ویلنگٹن صفحہ ۲۶

اس نے یہ خیال ظاہر کیا کہ پیشوا اور دیگر ریاستوں کے مابین جو ہمیں حق ثالثی حاصل ہوگیا ہے وہ ترک کردینا چاہیے"۔

کیسل رے کی حرف گیری کی یہ مختصر کہانی ہے۔ وھائٹ ہال میں جس پالیسی کو بار بار بآواز دہل پکارا جاتا تھا، وہ عدم مداخلت تھی۔ اور اسکا جو جواب دیا جاسکتا تھا وہ صرف یہ تھا کہ یہ "ناممکن ہے"۔ نظماء کمپنی اب بھی یہی گائے جاتے تھے۔ کہتے تھے کہ امدادی فوج کسی عنوان سے پیشوا کی سلطنت کی سرحد میں داخل نہیں ہونی چاہیے جبتک وہ اسے خاص طور پر طلب نہ کرے۔ بلکہ اُسے کمپنی کی ہی حدود میں رہنا چاہیے۔ یہ ایک ایسی تجویز تھی جو پیشوا کے لیے بمقابلہ عہد نامے کے کم اطمینان بخش تھی۔ کیونکہ اس حالت میں بھی توقع کیجاتی تھی کہ وہ امدادی فوج کے مصارف ادا کریگا۔ لیکن ناظموں کی بزدلی ان تجاویز سے ظاہر ہوتی تھی جو جنگ کے متعلق تھیں، جو پہلے ہی جاری ہوگئی تھی۔ انھوں نے لکھا کہ "گو ہم اس مصلحت کو مناسب خیال کرتے ہیں کہ آپ اپنے متخاصمین سے تاوان کے طور پر بعض قربانیاں کرائیں۔ لیکن ان تجاویز سے آپ کو یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ آپ کا طرز عمل اسکے ماتحت ہو جائے۔ بشرطیکہ آپ کی رائے یہ ہو کہ ہر حالت میں ہماری تمام فتوحات کی بحالی سے ہی صلح مستحکم طور پر قائم کی جاسکتی ہے"۔ اس تجویز میں کہ ویلزلی تمام فتوحات کو بحال کردے، کچھ عجب تمسخر آمیز ہفت رنگی سی نظر آتی ہے، اور کوئی شخص مشکل سے اس شبہ سے بچ سکتا ہے، کہ یہ بڈھے تاجر انگلستان میں بیٹھے ہوئے بے مزہ خوش طبعیاں کررہے تھے۔

"فلسفی مورخ" ان سے دو قدم آگے بڑھ گیا تھا۔ اس کا فیصلہ حد درجہ سخت تھا۔ مل کی نکتہ چینی کا صُغرےٰ وکبرےٰ صرف یہ تھا کہ اول تو اس عہد نامے سے جنگ پیدا ہوگئی، دوم اگر اس جنگ کا مقابلہ اسکے مصارف سے کیا جائے تو اس سے کچھ فائدہ نہ تھا۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے "عہد نامۂ بسین سے جو فوائد حاصل ہوئے ہیں، وہ صرف دو باتوں میں جمع کیے جاسکتے ہیں۔ اول مرہٹے سرداروں سے جنگ، دوم وہ ذرائع جنگی بدولت اس جنگ میں کامیابی نصیب ہوئی"۔ لیکن ان ذرائع کو مل ادنےٰ تصور کرتا ہے، اور اس میں ایک حد تک وہ حق بجانب ہے۔ لیکن اسکی اصل دلیل ٹھیک نہیں۔ عہد نامۂ بسین جنگ کا باعث نہیں ہوا۔ کیونکہ جنگ کا جلد یا بدیر ہونا بہر نوع ضروری تھا۔ اس عہد نامے سے

اتنا فائدہ ہوا کہ جنگ کو کامیابی سے جاری رکھنے کے بہترین موقع مل گئے۔

کیسل رے کی حرف گیری کا جواب آرتھر ویلزلی نے، جواب میجر جنرل ہوگیا تھا دیا۔ اس نے اپنی معمولی راستبازی اور صاف دلی سے کہا کہ کیسل رے ہندوستان کی سیاسی حالت کو نہیں سمجھتا۔ فرانسیسی اثر کا خطرہ ابھی تک ہندوستان میں موجود ہے، اور اس سے حفظ ما تقدم کی ضرورت ہے۔ "ہندوستانی سیاست، کے ہر مسئلے کو سوچتے وقت ہر سیاسی کارروائی کی مصلحت کی تحقیقات کرتے وقت ایک بات کو نظر کے سامنے رکھنا چاہیئے اور وہ یہ ہے، کہ یہ نہیں خیال کرنا چاہیئے کہ اس فعل سے ہندوستانی طاقتوں پر کیا اثر پڑے گا بلکہ یہ دیکھنا چاہیئے کہ اس کا اثر فرانسیسیوں پر کیا پڑے گا؟" ممکن ہے کہ فرانسیسی اثر اسوقت ہمیں کچھ باوقعت نظر نہ آئے، لیکن ویلزلی کا خیال صحیح تھا۔ اسلیئے کہ جبتک جنرل پیرون سندھیا کے کیمپ میں فرانسیسی فوج کا سپاسالار تھا اس وقت تک فرانسیسی مداخلت کے امکان کو فراموش کرنا جرم[1] تھا۔ زمانہ مستقبل میں نیپولین کو زیر کرنے والے نے اس مقابلہ پر ابھی سے نگاہیں جالی تھیں، جو اسکی زندگی کا سب سے زیادہ درخشان وتابندہ کارنامہ بننے والا تھا۔

مرہٹوں سے انگریزی تعلقات کے متعلق بحث کرنے میں اس نے لکھا کہ اگر بسین کا عہدنامہ نہ ہونے کی صورت میں ہلکر کے ساتھ جنگ کا نتیجہ یہ ہوتا کہ تمام مرہٹہ ریاستیں اسمیں حصّہ لیتیں۔ لیکن اس عہدنامے کے جواز میں سب سے بڑا اور قوی ترین جواب جو کیسل رے اور ناظموں دونوں کے خلاف تھا، اس قول و قرار میں مضمر تھا، جس نے پیشوا کو پابند کردیا تھا کہ وہ کمپنی کے مشورے اور منظوری بغیر نہ کسی سے معاہدہ اور نہ جنگ کرسکتا تھا۔ "یہ شرط ہندوستان کے امن وامان کی دستاویز ہے۔ اور یہی وہ شرط ہے جس نے عہدنامے کو دفاعی اور گورنر جنرل کو حقیقی طور پر ہر ایسی جنگ کا ذمہ دار کردیا جس میں برطانوی حکومت

[1] جنرل پیرون کی فوج کی قابلیت اور کارگزاری کی ترقی کے ساتھ فرانسیسیوں کے خیالات میں معتدبہ تبدیلی ہونی ضروری تھی۔ کیونکہ یہ فوج ایک وسیع علاقہ میں جو دریائے سندھ کے بائیں کنارے سے لیکر پنجاب میں سے ہوتا ہوا۔ آگرہ دہلی۔ دوآبے کے ایک بڑے حصّے پر مشتمل تھا۔ اور ہندوستان کے شمال مغربی حصّے پر ہماری کمزور ترین سرحد پر واقع تھا۔ اور اسوقت برائے نام مغل شاہنشاہ شاہ عالم نہایت بے عزتی اور بے حرمتی کی حالت میں اس کا قیدی تھا۔ (ویلزلی دسپیچز جلد سوم صفحہ xxx)

شریک ہو۔ اگر عہدنامے میں یہ شرط نہ ہوتی تو پھر پیشوا ایک ذمہ دار شخص ہو جاتا" ٹھوس دماغ سپاہی نے اس طرح الزامات کو دفع کیا۔ لیکن یہ کہہ دینا ضروری ہے کہ وہ اُن عام اصولوں کو جن پر اسکے بھائی نے اس میں اور دیگر عہدناموں میں عمل کیا ہے" پسند نہیں کرتا تھا۔

ہندوستان کے دیگر مقتدر افسروں نے بھی اس عہدنامے کی حمایت میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی ان میں ایک تو مسٹر بارلو تھا، جو بعد میں کچھ عرصے کے لیئے گورنر جنرل بھی ہو گیا، اور جو ویلزلی کی پالیسی کا اندھا دھند مقلد نہ تھا۔ اس نے گورنر جنرل کے نام ایک خط میں اس عہدنامے کی زور و شور کے ساتھ تائید کی۔ اسنے لکھا کہ معاملہ بالکل صاف اور سیدھا ہے جب پیشوا نے ہم سے مدد مانگی تو کیا ہم کو یہ زیب دیتا تھا، کہ ہم اپنے تمام قدیم تعلقات پر پانی پھیر دیں اور مدد سے انکار کر دیں؟ انکار کرنا خلاف مصلحت اور کمینہ پن ہوتا اس مدد دینے کا نتیجہ وہ جنگ ہوئی جو لازمی تھی اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ۔

> فرانسیسی منصوبوں کو شکست دینے کے لیئے قطعاً لازمی تھا کہ ہندوستان میں کوئی ایسی دیسی ریاست باقی نہیں چھوڑنی چاہیئے تھی جو برطانوی طاقت کے بل پر قائم نہ ہو، یا جسکی سیاسی راہ وروش برطانوی اقتدار کے تحت میں نہ ہو۔

یہاں اس نے یہ بات ویلزلی سے کہیں زیادہ صفائی سے بیان کر دی ہے کہ ہندوستان میں انگریزوں کو اپنی عظمت برقرار رکھنے کا نہ صرف دعویٰ کرنا چاہیئے بلکہ اس عظمت کی ضرورت بھی ہندوستان میں موجود ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اصل چیز کو بارلو نے بالکل صحیح طور سے جانچ لیا تھا کہ انگریزوں کا حقیقی مطمع نظر، ہندوستان کی سلطنت ہونا چاہیئے۔

یہاں تک تو عہدنامہ بسین کے خلاف اعتراضات پر بحث کی گئی ہے اور ان کا جواب دیا گیا ہے لیکن ایک بڑا سوال رہا جاتا ہے، جو ویلزلی کی تمام عہد حکومت کے زمانے میں جاری اور ساری رہا یہ مسئلہ "اتحاد معاونت" ہے۔ اگر یہ قرین دانائی سمجھا جائے کہ دیسی شہزادوں کی دستگیری اور اعانت کرنی چاہیئے، تو پھر ہمارا فرض تھا کہ ہم پیشوا سے بھی اسی طرح کا عہدنامہ کرتے لیکن اس میں شق یہ نکلتی ہے کہ کیا دستگیری و اعانت کے بغیر اور کوئی چارہ نہیں۔

آرتھر ویلزلی نے باوجودیکہ بہیئت مجموعی عہدنامے کو پسند کیا تھا، اور پسند کرنے کی وجوہ اہم تھیں، لیکن بایں ہمہ کچھ دن بعد اسکے کارگر ہونے میں اسے شبہ ہو گیا اور اس شبہ کی بنا اس دستور و سلسلۂ حکومت پر بے اعتمادی تھی۔ جون ۱۸۰۳ء میں انہوں نے ملکم کو ایک خط میں لکھا

کہ "ان معاونی عہدناموں کا ایک برا نتیجہ تو یہ ہے کہ جن حکومتوں سے ہم اس قسم کے معاہدے کرتے ہیں، اُن کی فوجی قوت بالکل برباد ہو جاتی ہے...... اور پھر ان لوگوں کے ملک کی حفاظت کا دارومدار بالکلیہ ہم پر رہ جاتا ہے۔ ...... اگر میرا بس چلے تو میں ان ریاستوں کے وجود کو قائم رکھوں، اور بجائے اس کے کہ ان کو نیست و نابود کر کے معاونی عہدنامے کے ذریعہ نئی طاقتیں ہندوستان میں پیدا کی جائیں، میں ان کی عملداری کی برطانوی اثر کے زور سے رہبری کروں[1]۔" ایک سال بعد اس نے لکھا کہ "اس قسم کے عہدناموں نے ان تمام ریاستوں کی طاقت کو بالکل توڑ دیا ہے جو ہماری زیر سیادت ہیں۔ لیکن اسکے ساتھ اس نے اُن فوائد عظیم کی طرف بھی اشارہ کیا جو ان کے ذریعے سے حاصل ہوتے ہیں۔" ان عہدناموں کا نتیجہ یہ نکلا کہ مرہٹوں سے جنگ کے دوران میں، جو ظاہر ہے جلد پایہ پر ہونے والی ہی تھی، کمپنی کی مملکت پر مطلق چڑھائی نہیں ہوئی، اور اس طرح جنگ کے تمام نقصانات ہماری طاقت اور دولت کے سرچشموں سے دور ہی رہے۔ قطع نظر ان تمام فوائد کے جو ہمیں ان اتحادی عہدناموں سے حاصل ہوئے ہیں اور جن کو اگر ضرورت ہو تو گنوایا جا سکتا ہے صرف یہی ایک حقیقت نفس الامری ان کے جواز میں کافی ہے[2]۔"

لیکن تمام باتوں سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ جنرل ویلزلی بھی فی الحقیقت عہدناموں کی رسم کے موافق تھا۔ اسکی بعد کی گفتگوئیں بھی اس امر کی موید ہیں۔ پیشوا کے متعلق گرانٹ ڈف کا یہ خیال ہے کہ اس کے لیے بھی ایک راہ کھلی ہوئی تھی، اور وہ اسی طرح ایک یا دوسرے مرہٹے سردار کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بننے سے بچ سکتا تھا۔ وہ خود ایک برائے نام اور ناتوان شہزادے یعنی راجہ ستارہ کا نائب تھا، اور اب صورت حالات ایسی تھی کہ وہ اور چند وزیر اپنے سائے کا بھی سایہ رہ جاتا۔ ملکم جو ایک بڑا نقاد اور تیز نظر آدمی تھا لکھتا ہے کہ پیشوا کی رعایا کے حق میں عہدنامے کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے لیے امن و امان فراغت و خوش حالی کے زمانے کا آغاز ہو گیا۔

امن و امان تو ہوا لیکن بوسیلۂ جنگ۔ سندھیا اور بھونسلے نے تقریباً فوراً اتحاد و ارتباط کی خط و کتابت شروع کر دی۔ سندھیا کو عہدنامۂ بسین اور پیشوا کی انگریزی اثر کی اطاعت میں

---

[1] مکتوب بنام میجر ملکم ماخوذ از انتخابات مراسلات ویلزلی۔

[2] خط بنام سر میجر شاوے انتخابات از مراسلات ویلنگٹن مولفہ اوون صفحہ ۲۶۴

یہ نظر آنے لگا کہ مرہٹوں کی بقا کی آخری جد و جہد شروع ہوا چاہتی ہے۔ جس طرح سے یقینی طور پر مرہٹوں کے چوتھ کے دعوے نے مغلوں کی سلطنت کو تباہ کر دیا، اسی طرح سے اتحاد معاونت، قبول کرنے میں انکی تباہی کی بار ہی ہے۔ اس نے ہلکر کی طرف رخ کیا اور کوشش کی کہ انگریزوں کے خلاف اسے اتحاد پر آمادہ کیا جائے۔ لیکن تساہل یا کوتہ چشمی کی وجہ سے ہلکر نے اس سے کنارہ کشی اختیار کر لی وہ مالوہ چلا گیا اور وہاں حالت تعطل و بیکاری میں واقعات کے انجام کا انتظار کرنے لگا۔ ۱۳ مئی ۱۸۰۳ء کو باجی راؤ جنرل ویلزلی کی زیر حفاظت پونا میں پھر داخل ہوا۔ جنرل مذکور ہی پولیٹیکل ایجنٹ اور فوجی افسر مقرر کیا گیا۔ اور اس نے بہت جلد معاملات کو انتہا کو پہنچا دیا۔ اب خیال یہ پیدا ہوتا تھا کہ آیا سندھیا اور بھونسلہ خاموشی سے اپنی اپنی ریاستوں کو واپس چلے جائیں گے۔؟ ہرگز نہیں تو پھر لڑائی ضرور ٹھنے گی ۳ اگست ۱۸۰۳ء کو کرنل کالنس، برطانوی سفیر سندھیا کے کیمپ سے روانہ ہوا، اور اسکی روانگی اعلان جنگ کی علامت قرار دی گئی۔

اس وقت سے واقعات سرعت کے ساتھ پیش آنے لگے۔ ہر چیز پیش بینی اور دانائی سے سوچ لی گئی تھی، اور یہی بات ویلزلی کی عمدگی اور عظمت کی نشانی تھی کہ ہندھیا کے اس تمام حصے کو فتح کر لیا جائے جو گنگا اور جمنا کے درمیان واقع ہے۔ اور اس فرانسیسی فوج کو جو اسکی حد کی حفاظت کر رہی ہے بالکل غارت کر دیا جائے، اور کمپنی کی سرحد کو جمنا تک اتنا بڑھا دیا جائے کہ اس میں دلی اور آگرہ دونوں شہر آجائیں، اور دریائے جمنا کے دائیں کنارے کے تمام قلعوں پر بھی قبضہ کر لیا جائے تاکہ دریا میں جہاز رانی کی اچھی طرح حفاظت کیجا سکے۔" یہ تجویز جنگ کا ایک حصہ تھا، اور اس میں کمپنی کے لیے ایسی سرحد کا حاصل کرنا بھی شامل تھا۔ جو اگر حقیقی اور قدرتی سرحد نہ ہو تب بھی اسکی آسانی سے حفاظت کی جا سکے۔ اور روہیلکھنڈ پر بھی اگر پورا نہیں تو اسکے اپنے حصے پر تصرف ضروری تھا، کہ جس سے آگرہ کو زیر نگیں رکھا جا سکے۔ اور گجرات میں بھڑوچ پر اسکے گرد و پیش کے علاقے سمیت قبضہ کرنا چاہیے تھا۔ اس علاقے پر بمبئی کی کونسل کا عرصۂ دراز سے دانت تھا۔ اور مشرق میں صوبۂ کٹک، تاکہ مدراس اور بنگال میں وسائل آمد و رفت قائم کر دیے جائیں۔ مزید براں ویلزلی کا ارادہ تھا کہ شاہ عالم مغل بادشاہ کو بھی جو عرصے سے سندھیا کے قابو میں تھا اپنے ہاتھ میں لے لیا جائے۔ ان مقاصد کی تکمیل کے لیے پچاس ہزار آدمی جمع کیے گئے۔ گجرات میں کرنل مرے کی

فوجی نقل و حرکت اور میجر واکر کی سیاسی کارروائی کے نتائج کسی دوسرے ضمن میں بیان کیئے جائیں گے۔ کرنل ہارکرٹ کی تسخیر کٹک کو بھی صرف سرسری طور پر ہی بیان کرنا کافی ہے۔ لیکن اتنا کہہ دینے میں کوئی حرج نہیں کہ ان دونوں جگہوں کی کارروائی کے لیے جن وسائل کا ویلزلی نے اندازہ کیا تھا، وہ حرف بحرف ٹھیک نکلے۔ بدیلکھنڈ بھی اسی قدر آسانی سے لے لیا گیا۔ اصل معرکہ آرائیاں بڑے زور و شور سے دکن اور ہندوستان میں ہوئیں ۔

جنرل ویلزلی نو ہزار اور کرنل اسٹیونسن آٹھ ہزار کی جمعیت کے ساتھ دکن میں جارحانہ عمل کے لیئے چھوڑ دیئے گئے۔ ۸۔ اگست کو ویلزلی احمد نگر کی طرف بڑھا اور چار روز میں اُسے فتح کر لیا یہاں سے وہ اورنگ آباد کی طرف چلا اور گوداوری کے بائیں کنارے سے اترتا ہوا دریائے کیتنا پر پہنچا، اسکو اس نے عبور کیا اور ۲۳ ستمبر کو بمقام اسّی سندھیا اور بھونسلہ کی مشترکہ افواج سے مقابلہ ہوا۔ اس لڑائی کا حال اتنی دفعہ اور اتنی عمدگی سے بیان کیا جا چکا ہے کہ اب اسکے اعادے کی کچھ ایسی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ خود جنرل کے الفاظ جو بالکل سیدھے سادے اور صاف ہیں یہ ہیں:-

ہم نے فوراً حملہ کیا، اور گولوں کی تیز بوچھار میں آگے بڑھے..... غنیم کے رسالے نے ایسی حالت میں جبکہ ہماری ۷۴ ویں رجمنٹ توپخانے کا نشانہ بنی ہوئی تھی، حملہ کرنے کی کوشش کی۔ لیکن ان کو برطانوی رسالے نے اسی وقت آگے بڑھ کر کاٹ دیا۔ آخرش غنیم کی صف کے ہر طرف سے پاؤں اُکھڑ گئے، اور برطانوی رسالے نے ان کی پیادہ فوج کی ٹوٹی ہوئی صفوں پر ہاتھ صاف کرنے شروع کیئے غنیم کے بعض جیوش ترتیب و اسلوب کے ساتھ واپس پھرے، لیکن انھوں نے ہماری افواج پر متعدد توپوں سے گولہ باری جاری رکھی، جو پہلے تو اُن سے ایسے افراد چھین لی تھیں جن کو وہ مردہ سمجھکر گزر گئے تھے۔ لفٹنٹ کرنل میکسول نے برطانوی رسالے سے غنیم کی پیدل فوج کی ایک عظیم جماعت پر حملہ کیا، جو پہلے تو مقاومت نہ لا کر بھاگ کھڑی ہوئی لیکن پھر جمع ہو گئی۔ اس معرکے میں لفٹنٹ کرنل میکسویل مارا گیا۔ اور اُن توپوں کی آتش باری کو بند کرنے میں بھی کچھ عرصہ لگا جہاں سے پہلے تو غنیم کو بھگا دیا گیا تھا، لیکن بعد میں بعض نفوس نے آکر پھر جاری کر دی تھی۔ غنیم کا رسالہ جو دوران معرکہ میں ہمارے گرد منڈلا رہا تھا، ابھی تک ہمارے نزدیک تھا۔ آخر جب سب سے آخری اجتماع پیادہ نے پیٹھ دکھائی، تو پھر سب بھاگ گئے۔ اور توپیں ہمارے لیئے چھوڑ گئے۔[1]

[1] میجر جنرل ویلزلی کی مراسلت بنام گورنر جنرل از مراسلات ویلزلی جلد سوم صفحہ ۳۲۵۔

یہ فتح واٹرلو کے فاتح کی سب سے پہلی بڑی فتح تھی - اور اسکو اتنا مشہور کیا گیا ہے اور اسپر اتنی خوشی کا اظہار ہوا ہے جو اسی جنگ کی دوسری کامیابیوں کی نسبت سے بہت زیادہ ہے - مگر اسمیں کوئی شبہ نہیں کہ یہ نہایت شاندار فتح تھی اور اس میں مردانگی کے بڑے جوہر دکھائے گئے تھے - تعداد میں غنیم کی فوج برطانوی فوج سے کم از کم دس گنی زیادہ تھی، اور اس کو یہ فوقیت بھی حاصل تھی کہ اسے فرانسیسی تربیت دی گئی تھی اور اس میں بہت سی فرانسیسی فوج بھی شامل تھی ؎

ایک پرجوش سپاہی کا بیان ہے کہ "یہ ایسی عظیم الشان فتح تھی، جسکی تاریخ دکن میں نظیر نہیں ملتی" اس کے بعد ہی ۲۹ - نومبر کو ارگاؤں میں بھونسلہ کو شکست دی گئی - یہ لڑائی سابق لڑائی سے بھی زیادہ دو ٹوک تھی ۱۴ - دسمبر کو جنرل ویلزلی نے گاوِلگڑھ کے عظیم الشان قلعے پر حملہ کرکے اسے فتح کرلیا - اس واقعے کے بعد جنگ کا خاتمہ ہوگیا اور بھونسلہ نے ہتھیار ڈالدیئے اور اطاعت قبول کی - ۱۷ - دسمبر کو جنرل ویلزلی نے تلوار کی جگہ قلم لیا اور بھونسلے نے دیوگاؤں کے عہدنامے پر دستخط کیئے - پیشوا کے ساتھ جو عہدنامہ اس سے قبل ہوا تھا، اسکی تمام شرائط سوائے اپنی سلطنت میں انگریزی فوج رکھنے کے سب اسنے قبول کیں - عہدنامے کی بڑی شرطیں یہ تھیں کہ وہ ناگپور میں برطانوی ایجنٹ کے رہنے میں کوئی تعرض نہ کریگا، کسی ایسے ملک کی رعایا کو پناہ نہ دیگا جو انگلستان سے برسرِ پیکار ہو، اور شاہ نظام کے خلاف چوتھ کے تمام دعاوی سے دست کش ہوجائے گا، اور اپنے تمام لڑائی جھگڑوں کو انگریزوں کے سامنے بغرض فیصلہ پیش کریگا، اس کے علاوہ کٹک اور دریائے واردھا کے مغرب کی تمام اراضی سے دست بردار ہوگیا، جو تمام شاہ نظام کے حصے میں آئی ؎

ہندوستانی مہم بھی علیٰ ہذا اسی قدر شاندار تھی - جنرل لیک کے پاس تقریباً دس ہزار فوج تھی، اسکے مقابلے میں موسیو پیرون کی سرکردگی میں سندھیا کی فرانسیسی تربیت یافتہ فوج تھی - اس فوج کی تعداد بہت تھی، اور اسکو دراصل کاؤنٹ ڈی بائن نے جمع کیا تھا - ڈی بائین ایک سرفروش جوانمرد تھا - مگر اس میں وہ خصلتیں جو ایسے شخص میں پائی جانی چاہئیں نہ تھیں - مادھوجی سندھیا کا انتقال ہوگیا تھا، اور اسکا معتبر کپتان فرانس واپس چلا گیا تھا، لیکن اس فوج کو برقرار رکھا تھا - ان کے مصارف کے لیئے بعض اضلاع کو علیٰحدہ کردیا تھا، لہذا اس فوج کی ایک خاصی فوجی بستی آباد ہوگئی تھی - اور ان کا کمانڈر موسیو پیرون تھا - لیکن آزاد فوج کی کپتانی ایک خوفناک اور غیر اطمینان بخش عہدہ تھا - جس میں ایشیائی دغابازی اور کینہ توزی کا خدشہ ہر وقت

لگا ہوا تھا۔ اور پیرون اس عہدے سے بالکل اُکتا گیا تھا۔ اس نے انگریزوں کے ساتھ پہلے ہی سے سلسلہ جنبانی شروع کر دی تھی کہ اس کے علٰحدہ ہونے میں سہولتیں پیدا کر دیں چنانچہ ویلزلی نے اسے ہر قسم کی مدد دینے کا وعدہ کیا تھا مگر اب جنگ چھڑ گئی تھی، اسکا علٰحدہ ہونا ناممکن ہو گیا تھا۔ بہر نوع بادل ناخواستہ اس نے لڑائی میں حصہ لیا؛

فرانسیسی افسر کا دل تو اکھڑا تھا ہی۔ اسکے آخری فیصلے کے لیئے چند ہفتوں کی نوک جھوک کافی تھی۔ ۴ ستمبر کو جنرل لیک نے علی گڑھ کے مستحکم قصبے پر قبضہ کر لیا۔ اس واقعے کے بعد پیرون نے انگریزی خطوط فوج سے گزرنے کی اجازت طلب کی، اور لیک نے خوشی سے اجازت دے دی۔ چنانچہ ایک ایسا شخص جس کے متعلق ڈی بائن نے گرانٹ ڈف سے کہا تھا کہ "سیدھی سادی طبیعت رکھتا ہے، جدت نام کو نہیں، لیکن بہادر ضرور ہے" تاریخ کے صفحوں سے بالکل معدوم ہو گیا۔ اس کی جگہ ایم لوئیس بورکوئین ایک نو عمر افسر نے لی جس نے لیک کی افواج کے مقابلے میں صف آرا ہونے کے لیئے جمنا کو عبور کیا، تاکہ دہلی پر اسکی یلغار کو روک دے۔ ۱۱ ستمبر کو شہر دہلی کے باہر نہایت خونریز جنگ ہوئی۔ انگریزی رسالے کے مردانہ حملوں نے سندھیا کی فوج سے میدان بالکل خالی کرا لیا۔ دہلی میں انگریزی فوج مظفر و منصور داخل ہوئی، اور معمر شہنشاہ کو غلامی سے آزاد اور نئے آقاؤں کے زیر فرمان کیا، جو اُن کے ساتھ اخلاق سے پیش آئے۔ ایم بورکوئن نے لڑائی کے تین دن بعد اپنی ایک جمعیت کے ساتھ ہتیار ڈال دیئے۔ اس واقعے کے ساتھ ہندوستان میں فرانسیسی فوجی اثر کا خاتمہ ہو گیا؛

دہلی سے لیک نے آگرے کی طرف کوچ کیا۔ ۱۸ اکتوبر کو آگرے نے اطاعت قبول کی ۳۱ اکتوبر کو بمقام لسواری ایک دو ٹوک لڑائی ہوئی۔ یہاں سندھیا کی بقیہ فوج کے بڑے حصے سے لیک کی مڈبھیڑ ہوئی۔ سخت لڑائی ہوئی اور بہت خون بہا۔ لیکن آخر ش انگریزی حملوں کے سامنے کوئی چیز نہ ٹھیر سکی، اور سندھیا کی فرانسیسی فوج یا تو قید کر لی گئی، یا قتل کر دی گئی۔ اس لڑائی نے جنگ کو ختم کر دیا۔ سندھیا کے پاس اب کوئی فوج نہ رہی تھی۔ اور اب وہ اپنے جھنڈے تلے فوج جمع کرنے کے لیئے مغلوں کا جھوٹ موٹ نام بھی نہیں استعمال کر سکتا تھا بھونسلے کو شکست ہو ہی چکی تھی اور وہ صلح کر چکا تھا۔ اسکے لیئے بھی اب سوائے اطاعت کرنے کے اور کوئی چارہ نہ تھا؛

۳۰ دسمبر کو عہدنامہ سرجی ارجن گاؤں پر دستخط ہوئے۔ اسکی رو سے سندھیا جمنا اور گنگا کے درمیان تمام ملک، احمد نگر (جو پیشوا کو دے دیا گیا تھا) اور بروچ کے تمام اختیارات اور حقوق سے دست بردار ہوا۔ جے پور، جودھپور اور گوہاد کے شمال کا تمام علاقہ انگریزوں کے سپرد کیا۔ اس نے تمام دعووں کو جو اسے انگریزوں اور ان کے اتحادیوں کے خلاف تھے ترک کر دیا۔ اور اس بات کا اقرار کیا کہ وہ کسی قوم کی رعایا کو جو انگریزوں سے برسرپیکار ہو، اپنے ہاں ملازم نہ رکھے گا۔ اور ان تمام راجپوت سرداروں کے حقوق کا اعتراف کریگا جن کی حمایت میں جنرل لیک اٹھا تھا۔ اسکے تھوڑے عرصے بعد سندھیا اتحاد معاونی کی ترمیم شدہ صورت میں شریک ہونے پر مجبور ہوا۔

اب معلوم ہونے لگا کہ صلح اچھی طرح قائم ہوگئی۔ ویلزلی نے ایک مراسلت انگلستان بھیجی (اسکے مراسلات وہاں پہلے ہی شہرت حاصل کر چکے تھے) اور اس میں اُن تمام بیش بہا نتائج کا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا، جو اس جنگ اور صلح سے پیدا ہوئے اور ہونے والے تھے سندھیا اور بھونسلہ کی فوجی طاقت ایسٹ انڈیا کمپنی کے لیئے کوئی خطرہ نہیں رہی تھی۔ فرانسیسیوں کے تمام مقبوضات تباہ کر دیئے گئے تھے، اور ممالک شمال مغربی میں برطانوی اثر اچھی طرح قائم ہوگیا تھا۔ اور شاہ عالم کے نام کا وہ رسوخ جو ہندوستان میں پیدا ہو سکتا تھا ان کے قبضے میں آگیا۔ اس جنگ میں جو مقبوضات حاصل ہوئے تھے اُن سے برطانوی طاقت واقتدار دونوں میں معتدبہ اضافہ ہوا تھا۔ اور ہندوستان کی ہر بڑی ریاست کے سلسلے میں گورنمنٹ کو استحکام حاصل ہوگیا تھا۔ ویلزلی نے یہ تمام باتیں ڈائرکٹروں کو بالکل صاف صاف لکھ کر بھیجدیں۔ کلکتے کے باشندوں کے ایک پرجوش خطبے کے جواب میں ویلزلی کے پرانے رنگ کی جھلک نظر آتی ہے:۔

"اتفاق رائے، بے مثل فوج، عمدہ ذرائع، طاقتور اتحاد اور جائز سبب جنگ نے مجھے اس قابل کر دیا کہ میں ان مشکلات کا مقابلہ کر کے انہیں زیر کروں، جنھوں نے مجھے گھیر رکھا تھا، اور غنیم کی فوج کے ہر پہلو پر اپنے جارحانہ عمل کا عاجل اور کامل اثر دیکھوں۔ ہندوستان اور دکن کی مہمات کی عظیم الوسعت، پیچیدہ جنگی تجاویز اور لاثانی کامیابی پر جب نظر ڈالی جاتی ہے، تو دل میں شکر و امتنان، تعریف و توصیف کا ایک جذبہ پیدا ہو جاتا ہے۔ نقشۂ جنگ کی تیاری جو میرا کام تھا، اس فوج کی شہرت کے مطابق عمل میں آئی تھی، جو فتح و نصرت کی عادی، جو تکان اور خطرے کی خوگر ہو چکی ہے، جو تربیت و اسلوب کے اولین اصول کی

دل دادہ ہے، جس میں فتوحات سابق نے ایک روح پھونک رکھی ہے، اور جس کو ایسے جنرل کمان کرتے ہیں، جن میں اعتماد پیدا کرنے، حوصلہ بڑھانے اور کامیابی کو یقینی بنانے کے تمام اوصاف موجود ہیں۔ فتح کا بہترین ثمرہ صلح ہے، یہی صلح فوجی نصرت کا بہترین زیور ہے، اور کامیاب بہادری کی غایت اور انتہا۔ صلح جو ہوئی ہے، اس میں جنگ کا ہر مقصد شامل ہے، اور اس میں امن وسکون کی بحالی کی ہر عملی ضمانت موجود ہے۔

اس معاملے میں گورنر جنرل بہت جلد باز تھا۔ صلح کا پھل ابھی پورا نہیں پکا تھا۔ ایک طرف تو وہ یہ تقریر کر رہا تھا، دوسری طرف جنگ کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ مئی ۱۸۰۴ء سے پہلے پہلے ہلکر نے ہتھیار سنبھال لیے تھے۔ چنانچہ ویلزلی نے اپنے عمل کے جن نتائج کا دعوے کیا تھا، وہ پورے ہوتے نظر نہیں آتے تھے۔ انگلستان میں اس کی تمام پالیسی پر نکتہ چینیاں شروع ہو گئی تھیں اور ان کی کیفیت اس کے پاس پہنچنے بھی لگی تھی۔

کیسل رے نے اس معاملے کو اشتباہ وشک کی نظر سے دیکھنا شروع کر دیا تھا۔ اس نے (۲۱ مئی ۱۸۰۴ء) کو ویلزلی کو جو خط لکھا، اس کا لب ولہجہ مودبانہ تھا۔ اس بات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ویلزلی کی کامیابی کی غیر معمولی درخشانی نے لوگوں کے دلوں میں اسکا ادب پیدا کرنا شروع کر دیا تھا۔ لیکن اس نے دو شک ظاہر کیے۔ اول تو یہ کہ کیا وہ اصول جو پارلیمنٹ نے منظور کیے ہیں الحاق کی پالیسی کی اجازت دیتے ہیں؟ دوم کیا ملک کی اور اغراض و فوائد کی توسیع سے بار اتنا نہ بڑھ جائے گا جسے ایک معمولی حاکم نہیں اٹھا سکتا؟ "ہم اپنے آپ کو دھوکہ دینگے اگر ہم اس بات کی توقع رکھیں کہ ہم آپ کا جیسا جانشین ڈھونڈ نکالیں گے، جو حکومت کی کل کو اسی زور شور سے جاری رکھ سکے، جس طرح ہر محکمہ اس وقت آپ کے دل ودماغ کی ہدایت میں کام کر رہا ہے"۔

لیکن یہ نکتہ چینیاں بہت جلد تحسین وآفرین سے بدل گئیں۔ اور پھر شک وشبہ، سوال وجواب مذموم ومطعون قرار پا گیا۔ ۱۸۰۴ء کے آخر میں جنرل لیک نے ویلزلی کی زیر ہدایت، ہلکر سے نامہ وپیام شروع کیا، اور ان دونوں میں بے حد خط وکتابت ہوئی۔ ۲۸ دسمبر کو لیک نے گورنر جنرل کے نام مراسلت میں ہلکر کے "عجیب اور غیر معمولی رویہ" کی طرف اشارہ کیا، اور بتایا کہ وہ لوگوں سے زبردستی محصول وصول کر رہا ہے اور ملک کے باشندوں کو ازحد ستا رہا ہے" اور یہ کہ "اس نے حال میں ان انگریز افسروں کو جو اکی

ملازمت میں تھے، جان سے مروا ڈالا ہے، یعنی کپتان وکارسن، ٹاڈ، اور رائن کو۔[1] ویلزلی ابھی تک اسی خیال میں تھا کہ غالباً صلح ہو جائے گی۔ اور اسے یقین تھا کہ جب ہلکر کو سندھیا کے عہدنامے کا حال معلوم ہو گا تو وہ فوراً صلح کرنے پر آسانی سے آمادہ ہو جائیگا۔ لیکن اس معاملے میں اسے قطعاً دھوکا ہوا تھا۔ مرہٹوں کی پالیسی ہمیشہ یہ رہی ہے کہ وہ جنگ کا اس طرح صاف طور پر کبھی اعلان نہیں کرتے، جیسے یورپین ہمیشہ متوقع رہتے ہیں۔ محمد امیر خاں کی تزک سے جو پنڈاریوں کا سرگروہ تھا، اور اس زمانے میں ہلکر کا اتحادی تھا، یہ بات عیاں ہے کہ جس وقت سے پیشوا نے اطاعت قبول کی، اسی وقت سے تمام مرہٹے سرداروں نے بدل وجان انگریزوں کے خلاف ایکا کر لیا تھا۔ واقعات کچھ ایسے پیش آ گئے تھے کہ انھوں نے ہلکر کی فوج کو میدان کارزار میں آنے سے روکے رکھا۔ (اسئی کی لڑائی کے موقع پر وہ درحقیقت کوچ کر رہی تھی) مگر درحقیقت ہلکر نے اپنے ہم قوموں کا ساتھ نہیں چھوڑا تھا۔

بدیں وجہ ویلزلی کے نامہ وپیام بے کار ثابت ہوئے۔ ۱۶۔ اپریل کو گورنر جنرل نے جنرل لیک اور جنرل ویلزلی کے نام احکام جاری کیے، کہ لڑائی فوراً شروع کر دی جائے۔ احکام یہ تھے کہ لیک اس فوج کو جو ہندوستان میں مقیم تھی لے کر دہلی سے روانہ ہو جائے۔ کرنل مرے گجرات سے مالوے میں ہلکر کے مقبوضات پر حملہ کرنے کے لیے آگے بڑھے۔ اور سندھیا کو ہدایت کی گئی تھی کہ وہ اپنے حریف کے ملک کی تسخیر میں انگریزوں کا ہاتھ بٹائے۔

ابتداءً یہ تمام کارروائی ٹھیک چلتی رہی۔ ۱۶۔ مئی کو رام پورے کو جو شمال میں ہلکر کا قلعہ تھا لے لیا گیا۔ اور ہلکر وہاں سے بعجلت تمام بھاگا۔ جنرل ویلزلی نے لیک کو ہدایت کی کہ یا تو ہلکر کا تعاقب کرے اور یا برسات کے موسم میں اپنی تمام فوج کو ہندوستان واپس لے آئے۔ بدقسمتی سے اس نے دونوں میں سے ایک بات پر بھی عمل نہ کیا۔ بلکہ وہ خود تو کانپور چلا آیا اور کرنل مانسن کو ہندوستانی پیدل کی پانچ پلٹنوں، تھوڑے سے توپخانے، اور چار ہزار بے قاعدہ رسالے کے ساتھ بھیج دیا تاکہ وہ ہلکر کو آگے بڑھنے سے باز رکھے، اور اگر موقع لگے تو خود آگے بڑھ جائے، ہلکر کا تعاقب کرے یہاں تک کہ وہ کرنل مرے سے جا ملے۔ مانسن اپنے اس بزرگ کے مثل، جو وارن ہیسٹنگز کا کونسل میں مخالف تھا، ذاتی طور پر بہادر تھا، مگر اس میں پیش بینی۔ استقلال یا دور اندیشی نام کو نہ تھی۔ وہ درہ مکندواڑہ سے دریائے چنبل

---

[1] دیکھو مل کی کتاب موسومہ انڈیا جلد ششم صہ ۳۹۹ اور ولسن کا نوٹ۔

کی سمت چلا۔ مرّے خواہ غلط اطلاع موصول ہونے کے باعث، یا خوف سے یا دور اندیشی کے خیال سے پیچھے ہٹ گیا تھا۔ اب جب مانسن کو یہ معلوم ہوا کہ ہلکر کی تمام فوج اسکے مقابلے میں ہے تو وہ ہکّا بکّا رہ گیا۔ اس کے پاس کل دو روز کا سامان رسد تھا، اور سندھیا کے جنرل نے جو اسکے ساتھ تھا ڈراونی اور بھیانک باتوں سے اسکے کان بھرنے شروع کیے۔ آرتھر ویلزلی نے اس معاملے کو نہایت مختصراً بیان کیا ہے کہ "مانسن اور مرّے دونوں ہلکر سے ڈر گئے اور دونوں مختلف سمتوں میں بھاگ کھڑے ہوئے"[1] مانسن نے وہیں سے اپنا رخ بدلا اور بھاگنے کی ٹھہرائی۔ ہلکر نے جسکی قسمت اس کے گھوڑے کی زین سے وابستہ تھی" ہلکے رسالے کو لیکر اسکے ارد گرد منڈلاتا رہا بھولے بھٹکوں کو قتل کیا اسکے بے قاعدہ سواروں کو ہزیمت دیکر تباہ کیا اور تمام سامان رسد و اذوقہ سے اسے محروم کر دیا۔[1] ۱۸ تاریخ کو لیک کو یہ خبر پہنچی کہ پسپائی شروع ہوگئی ہے، لیکن اسنے مصیبت کی وسعت کا پورا اندازہ نہیں کیا۔ اس نے ویلزلی کو لکھا کہ[2]

"میرے نزدیک ہلکر اپنے رسالے کو آسانی سے لاکر ہماری پیدل فوج پر حملہ نہیں کریگا تاوقتیکہ وہ اپنی توپیں نہ لے آئے۔ اور جب توپیں آگئیں تو پھر وہ خود اس کی نقل و حرکت مشکل کردیگی اور اسکے رسالے کو زیادہ نقصان پہنچانے سے باز رکھیں گی۔ اسکا توپخانہ آخر میں خود اسکی تباہی کا سبب ہوگا۔ اسکی دیدہ دلیری قابل داد ہے ...... مجھے یقین ہے کہ کرنل مانسن اب بھی اسکا سختی سے سدباب کردیگا"

اس نے گورنر جنرل کو اس لب و لہجے میں لکھا، مگر اس نے تاڑ لیا کہ معاملہ بے ڈھب ہوگیا ہے، اور واپس آنے والی فوج کو فوراً مدد نہ پہنچانے کا الزام اس کے سر پر رہے گا۔ اس کے خط کا آخری حصّہ اس لحاظ سے عجیب ہے کہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ گورنر جنرل اور اس کے ماتحتوں میں کیسی گرم جوشی اور انس تھا، اور یہ بات عام طور پر معلوم تھی کہ ویلزلی کو لڑنے والی فوج کے نقصان اور فائدے کا کس قدر احساس تھا خط کا آخری حصّہ یہ ہے :۔

میں یہ خط آپ کو بہت جلدی میں لکھ رہا ہوں، اور آپ سے صرف اتنا عرض کرتا ہوں کہ آپ اس بدمزہ معاملے سے اپنے آپ کو بے چین اور بے آرام نہ کریں گے اور یقین مانیں گے کہ جو کچھ

---

[1] "میمائرس آف دی وار ان انڈیا" مصنفہ میجر ولیم تھارن مطبوعہ ۱۸۱۸ء ص ۳۵۷ الخ اور "ملٹری آف دی ایسٹ انڈیا ملٹری کلنڈر" مین جلد دوم ص ۵۹-۵۳۸۔

[2] جولائی ۱۸۰۴ء مراسلات ویلزلی جلد چہارم ص ۱۷۸

ناگوار خرابی پیدا ہوگئی ہے اس کی اصلاح میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا جائیگا۔ مایوسی بالکل بے سود ہے اس لیئے ہمیں پوری کوشش اور پوری سرگرمی سے کام کرنا چاہیئے تاکہ جلد سے جلد تلافی مافات ہو جائے۔ مجھے احساس ہے کہ میں اس قابل ہوں اور اتنی طاقت و توانائی رکھتا ہوں کہ اگر وقت پڑے تو ہر قسم کی تکان کو خواہ جسمانی ہو یا دماغی، برداشت کرونگا۔ دماغی تکان کا تو میں آپ کی طرح خوب عادی ہوگیا ہوں میری دلی تمنا ہے کہ میں یہ دیکھنے کے لیئے زندہ رہوں اور دیکھوں کہ آپ کے دل کو اطمینان نصیب ہوگیا ہے، اب تندرست اور مسرور رہیں یہ ہے تمنا آپ کے جاں نثار خادم کی۔ جی لیک۔

لیکن مصیبت کے بعد مصیبت نازل ہوتی گئی ظالم سنگھ والیِ ریاست کوٹہ نے (جسکے متعلق لیک نے اسی خط میں یقین ظاہر کیا تھا کہ اس نے بہت عمدہ خدمت انجام دی ہے) مراجعت کرنے والی فوج کو اپنی ریاست کی حدود میں سے گزرنے سے قطعی طور پر روکدیا۔ برسات شروع ہوچکی تھی، ندیاں خوب چڑھی ہوئی تھیں اور سڑکیں کیچڑ کے مارے ناقابل گزر ہوگئیں تھیں۔ اسی مصیبت کے عالم میں مراجعت جاری رہی کچھ دنوں بعد ندیوں اور دریاؤں کو پایاب عبور کرنا ناممکن ہوگیا، اور ضرورت پیش آئی کہ یا تو کشتیاں بہم پہنچائی جائیں یا بیڑہ بنایا جائے، نتیجہ یہ ہوا کہ واپسی کی رفتار سست ہوگئی، اور حملوں کی تیزی بڑھتی گئی۔ مانسن نے بھی کوئی عقلمندی نہیں دکھائی۔ ۲۹ جولائی کو اسے رام پور میں کمک پہنچ گئی تھی۔ اسے چاہیئے تھا کہ اسکے بعد اپنی تمام فوج سے غنیم پر پلٹ پڑتا لیکن جہاں پھرتی دکھانی چاہیئے تھی وہاں اس نے سستی سے کام لیا، اور جہاں اسے غور و تامل سے کام کرنا چاہیئے تھا وہاں چستی اور پھرتی کا اظہار کیا۔ ایک ماہ تک وہ رام پور میں پڑا رہا، آخرش وہاں سے مراجعت کی جس نے بہت جلد گریز اور فرار کی صورت اختیار کرلی اس پر طرہ یہ ہوا کہ سندھیا کی فوج نے اسکا ساتھ چھوڑ دیا، اور پھر ہر لڑائی میں اسکی بری گت بنی۔ ایک مہینہ بھی پورا ختم نہونے پایا تھا کہ ہزیمت خوردہ فوج کے ہوش و حواس جاتے رہے اور وہ بے تحاشا بھاگی، اور آگرے میں آکے دم لیا۔ جب لیک کو فوج کی ذلت و خواری کا حال معلوم ہوا تو اس نے ویلزلی کو لکھا کہ:۔

"میں اس وقت اس ذلت اور مصیبت کے تعلق کچھ نہیں لکھنا چاہتا جو ہم پر پڑی ہے...... ایسی اعلیٰ فوج کبھی نہیں بھیجی گئی تھی،........ میری پانچ پلٹنیں اور چھ کمپنیاں ضائع ہوگئیں۔

یہ جمعیت میری فوج کا نچوڑ تھی، اور اسکا حال خدا ہی کو معلوم ہے کہ ان کی جگہ دوسرے آدمی کہاں سے یسر آئینگے۔ میں بہت سے بے مثل نوجوان سپاہیوں کا جو اس فوج میں شریک تھے اور ان سے آئندہ اُمیدیں وابستہ تھیں ماتم کر رہا ہوں۔[1]

اس کتاب کا موضوع یہ نہیں ہے کہ اس میں فوجی نقل و حرکت کی تفصیل بیان کی جائے، اور یہ تو بالکل عیاں ہے کہ اس ہزیمت کا گورنر جنرل کسی عنوان سے ذمہ دار نہیں ہے، آرتھر ویلزلی نے اپنے مطمئن دماغ اور صاف قوتِ فیصلہ سے اس تباہی کا جلد تجزیہ کیا، وہ لکھتا ہے[2] کہ "میری قطعاً رائے یہ ہے کہ مانسن بے سوچے سمجھے آگے بڑھا اور اسی طرح بے سبب سمجھے ہٹا اور اُسے کچھ خبر نہ تھی، کہ اس کی چھاؤنی سے پانچ میل کے فاصلے پر کیا گزر رہی ہے" اس نے کچھ دنوں بعد ایک دوسرا خط لکھا، جس کی نسبت پیل کی رائے یہ تھی کہ وہ ایسا عجیب وغریب فوجی خط ہے کہ اس کا ثانی تمام عمر اس کی نظر سے نہیں گزرا۔ یہ خط اب ایک مستند یادگار تصور کیا جاتا ہے اس کا کچھ حصہ درج ذیل ہے:۔

اول تو معلوم ہوتا ہے کہ کرنل مانسن کی فوج اتنی طاقتور نہ تھی کہ اگر ہلکر اپنی تمام فوج جمع کر کے لاتا تو یہ اسکا مقابلہ کر سکتی، کم از کم کرنل کی خود یہی رائے تھی۔ دوم معلوم ہوتا ہے کہ اس کے پاس سامان آذوقہ نہ تھا۔ سوم فراہمی رسد کا انحصار بعض راجاؤں پر تھا، جو اسے آگے بڑھنے پر آمادہ کر رہے تھے۔ چہارم برطانوی افسروں نے رسد کی بہم رسانی کا بوندی یا کوٹے میں کوئی انتظام نہیں کیا، اور نہ رام پورہ میں جو ہمارے قبضے میں آگیا تھا اور جہاں ہماری فوج موجود تھی۔ پنجم فوج ندی نالوں اور دریاؤں کو عبور کرتی ہوئی بہت آگے بڑھ گئی تھی۔ اور ان دریاؤں میں نہ تو اس نے کشتیاں چھوڑی تھیں اور نہ اسکے جمع کرنے کی کوئی فکر کی تھی، حقیقت یہ ہے کہ فوج کو اپنی سلامتی کے لئے والیِ کوٹہ کا ممنون احسان ہونا چاہیے، کہ اس نے انھیں کشتیاں بہم پہنچادیں۔ ان واقعات کا نتیجہ میری عقل میں صرف یہ آتا ہے کہ اگر ہلکر اپنے توپخانے اور پیادہ فوج سے اس لشکر پر حملہ نہ بھی کرتا تو بھی یہ ویسے ہی تباہ ہو جاتی

اس مہم سے ہندوستانی جنگ کے متعلق ویلزلی نے جو سبق سیکھے، وہ مختصر اور قیمتی تھے اور ممکن ہے کہ یہ تباہی اُس دوراندیشی کا سبب ہوئی ہو جس نے بعد میں کامیابی کا منہ نہ دکھایا۔ بہر کیف یہ ایک ایسا سبق تھا جسے عرصے تک ہندوستانی گیتوں نے زندہ رکھا اور جسے برطانوی

---

[1] ۲۔ دسمبر ۱۸۰۴ء مراسلات ویلزلی جلد چہارم صفحہ ۱۹۷۔

[2] انتخاب مراسلات ویلزلی میں اس موضوع پر کئی خط ہیں، صفحہ ۳۱-۳۰ مصنفہ آون۔

افسر کبھی جلد نہیں بھولے ؎؂

گورنر جنرل نے بھی ذمہ داری ٹالنے کے لیے کوئی رجحان نہیں ظاہر کیا، گو وہ کسیطرح مورد الزام نہ تھا۔ اس نے نہایت فراخ دلی سے کہا کہ "مانسن کا خواہ کچھ ہی حشر ہوا ہو یا اس کی ناکامیوں اور بدنصیبیوں سے میری شہرت پر کیسا ہی حرف کیوں نہ آئے" میں کوشش کروں گا کہ اس کے دامن کو بدنامی کے دھبے سے بچاؤں۔ اور یہ کمینہ پن تو مجھے ہرگز نہیں ہوگا کہ اس کی شہرت کو اپنی شہرت پر سے قربان کروں"؎۱

مصیبت تباہی انگیز اور مہلک تھی۔ فی الحقیقت اس نے ویلزلی کی شہرت اور حیثیت پر ایک کاری تازیانے کا کام دیا۔ عوام الناس کا جوش مسرت اور واضعان قانون کا شکر اور امتنان جو ویلزلی نے درخشاں کامیابیوں سے حاصل کیا تھا، کمپنی کے ارباب کے غیظ و غضب کو سنبھالے ہوئے تھا۔ لیکن اب انکے لیت ولعل اور تامل کی انتہا ہو گئی تھی۔ خوف زدہ ہو کر انہوں نے یہ تہیہ کیا کہ ویلزلی کو فوراً واپس بلالیا جائے اور اسکی پالیسی کو بالکل الٹ دیا جائے۔ اس تازیانے کا اثر ہندوستان میں بھی کچھ کم نہ ہوا۔ اس نے مرہٹوں کے سینے کی دبی ہوئی چنگاری کو بھڑکا دیا، اس نے سندھیا اور بھونسلہ کو جرات دیدی کہ وہ انگریزوں سے رشتۂ اتحاد توڑ دیں، اس نے تمام ہندوستان کی ہمت بڑھادی اور لوگوں کو یقین آگیا کہ جس طرح ہلکر نے انگریزوں کو مغلوب کر لیا، اسی طرح اور لوگ بھی اب کر سکتے ہیں۔ اگر مانسن سے یہ غلطی سرزد نہ ہوتی، تو ہلکر کو چند ماہ میں کچل دیا ہوتا اور پھر ویلزلی کی پالیسی کو کامل طور پر فاتحانہ عروج حاصل ہو جاتا، اور ہر طرف سے اسکی تعریفیں ہوتیں، اور مرہٹوں سے انگریزوں کے تعلقات کے عظیم الشان مسئلے کے حل کے لیے ۱۸۱۸ء تک کا انتظار نہ کرنا پڑتا ؎

گو یہ ہزیمت محض عارضی تھی۔ کرنل مرے اس سے قبل واپس آگیا تھا اور اس نے ہلکر کے دار السلطنت اندور پر قبضہ کر لیا تھا۔ ہلکر نے ۸ اکتوبر کو خود دہلی کا محاصرہ کیا، اور اس کو ۱۵ اکتوبر تک جاری رکھا۔ مانسن کی پسپائی اور فراری کے برعکس مدافعت نہایت بہادری اور دانائی سے کی گئی تھی۔ سپاہیوں کے ایک چھوٹے سے دستے نے ایک ایسے افسر کی زیر کمان جو اپنے آدمیوں کو خوب سمجھتا تھا اس عظیم الشان شہر کی حفاظت جس کا

؎۱ مراسلات ویلزلی جلد چہارم صہ ۲۰۵

قطر دس میل کا تھا، نمایاں کامیابی کے ساتھ کی۔
لیک کے آنے سے پہلے غنیم وہاں سے ہٹ آیا۔ ہلکر نے اس کے بعد کوشش کی کہ کمپنی کی مملکت کو تباہ و برباد کرے۔ اسے اپنے رسالے کے بجلی کی طرح کام کرنے پر بڑا ناز تھا۔ اس نے دوآبے پر یلغار کی، اور راستے میں ہر چیز کو لوٹتا اور جلاتا ہوا چلا گیا، اور ڈیگ کے مقام میں خندقیں بنا کے بیٹھ گیا۔ برطانوی سپاہ نے جنرل فریزر کے تحت میں ۱۲۔ نومبر کو اس کا کھوج لگایا، اور دوسرے دن علی الصباح اس پر حملہ کیا۔ برطانوی فوج کو فتح عظیم حاصل ہوئی۔ ۷۶ ویں بہادر رسالے نے، جس نے پہلے بھی اس جنگ میں کارہائے نمایاں کئے تھے، ہر چیز کو اپنے سامنے سے خس و خاشاک کے مانند صاف کر دیا۔ تین دن بعد جنرل لیک نے ہلکر کے رسالے کی ایک عظیم جمعیت کو فرخ آباد کے مقام پر تلوار کے گھاٹ اتارا۔ ازاں بعد وہ ڈیگ کے طرف بڑھا قصبے اور قلعے کا محاصرہ کر لیا، ۲۴۔ دسمبر کو تسخیر کر کے اس میں داخل ہوا۔
لیکن لیک کی قسمت میں ابھی تشنہ کامیاں اور ہزیمتیں لکھی ہوئی تھیں۔ اس کے بعد اس نے یہ عزم کیا کہ بھرت پور کے راجہ کو سزا دی جائے، جس نے انگریزوں کو دغا دی تھی اور ہلکر سے جا ملا تھا۔ لیکن بھرت پور بہت مستحکم قصبہ تھا، چھ میل سے زیادہ اس کا قطر تھا، توپخانہ اور دفاعی مورچے اچھے تھے، اس نے لیک کی تمام کوششوں کا مقابلہ کیا، لیک نے بقول ویلنگٹن "سخت خطرناک غلطی" کی، اور بے سود حملے کر کے اپنے تین ہزار آدمی ضائع کئے۔ لیک رسالے کا جنرل تھا اور اسے محاصرے کے متعلق جارحانہ عمل کا مطلق علم نہ تھا۔ البتہ ہلکر کی کمک کو بھگا دینے میں اس کی کارگزاری زیادہ کارگر ہوئی، اور اس طرح راجہ بھرت پور نے یکم اپریل کو اپنے قلعے کے فتح ہو جانے سے پہلے معاہدہ منظور کر لیا۔
جنگ کے باقی ماندہ حالات غیر دلچسپ ہیں، "اگر سیاسی تبدیلیاں واقع نہ ہوتیں، تو ظاہر ہے ہلکر کو بالکل مطیع کر لیتے، اور پھر ویلزلی "کسی فائدے سے دست کش ہوئے بغیر ایسا التزام کرتا کہ امن و سکون اگر مستقلاً نہیں تو کم از کم عرصہ دراز کے لئے حاصل ہو جاتے"۔
لیکن ویلزلی کی حکومت کے دن پورے ہو گئے تھے۔ ناظموں نے جب مانسن کی

معیت کا حال سنا، تو اُن کے ہوش و حواس جاتے رہے۔ انھوں نے فوراً ویلزلی کو واپس طلب کیا اور اسکا جانشین لارڈ کارنوالس ۳۰۔ جولائی ۱۸۰۵ء کو کلکتے میں وارد ہوگیا، ویلزلی جانتا تھا، کہ لارڈ کارنوالس کے تقرر کا منشا یہ ہے کہ اس کی پالسی کو بالکل تلپٹ کر دیا جائے۔ جنگ سے ایسے وقت میں ہاتھ اٹھایا گیا جب کامیابی بالکل قریب آگئی تھی ؛

ہلکر سے جنگ کو اغلباً کامیاب تصور کیا جاتا اگر ویلزلی کی پہلی فتوحات ہندوستانی جنگ کے متعلق انگریزی معیار توقعات کو بہت بڑھا چڑھا نہ دیتیں۔ ہلکر کی قوت اتنی ٹوٹ چکی تھی کہ بہت جلد اسکا چراغ گل ہونے والا تھا، اسکے اتحادی یا تو بالکل کمزور ہو گئے تھے، یا انھوں نے اسکا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ مرہٹوں کی کسی طاقت میں اتنا دم نہیں رہا تھا کہ انگریزوں کے مقابلے کی تاب لاسکے۔ لیکن اس عرصے میں جب ویلزلی کی پالیسی کو قطعی طور پر ترک کر دیا تمام پرانی دقتیں ازسرنو پیدا ہو گئیں، اور انھوں نے لارڈ ہیسٹنگز کے لیے ازسرنو اتنا ہی دشوار کام کھڑا کر دیا، جس پر ویلزلی نے اپنی طاقت خرچ کی تھی ؛

اس جلیل القدر گورنر جنرل کے فوجی کارناموں کے اختتام پر ناظرین کو یہ توقع ہوگی کہ اس کی ملکی فتوحات کی دانائی اور زیرکی پر بھی تبصرہ کیا جائے۔ اگر ایک اصول موضوعہ کو تسلیم کر لیا جائے تو پھر اس کی کارگزاری نری تحسین و آفریں سے ہی مملو نظر آئے گی۔ سوال یہ ہے کہ کیا برطانیۂ عظمےٰ کسی ہندوستانی قطعہ ملک کو فتح کرنے میں حق بجانب تھا ؟ اگر اس کا یہ جواب صحیح ہے کہ انگریزی سوداگروں اور سپاہیوں نے جو کچھ بیان کیا وہ ٹھیک کیا تو پھر ہم ویلزلی کو نہ صرف معاف کریں گے، بلکہ اسے خراج تحسین ادا کئے بغیر نہیں رہ سکینگے۔ جبکہ دوسروں نے محض کھو کھلے عہدنامے کئے تھے اور ملک بہت کم تسخیر کیا تھا، جن کے باعث ذمہ داری تو عائد ہو گئی تھی، لیکن ان ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لیے حق حکومت حاصل نہیں ہوا تھا) تو ایسی حالت میں صرف ویلزلی ہی وہ شخص تھا، جس نے پہلے پہل اس مسئلے کی وسعت پر جو اس کے ہموطنوں کے سامنے پیش تھا، نظر ڈالی۔ روپے پیسے کا یہ معاملہ نہ تھا، ذاتی حرص یا تغلب سے اسے کوئی غرض نہ تھی، نہ دوسروں کے ملک پر دست اندازی اسمیں مضمر تھی۔ بلکہ ہندوستان کو مستحکم حکومت کی، ظلم اور رشوت ستانی سے نجات کی، آزادی اور وسیع النظری کی سخت احتیاج تھی۔ اسلامی یا ہندوستان کوئی طاقت ایسی نہ تھی، جو ان احتیاجات کو پورا کرنے کی اہل ہو۔ برطانوی کمپنی بھی ایک ہندی طاقت شمار کی جانے لگی تھی، اور صرف ایک

یہی طاقت تھی، جس سے اتحاد اور نئی روح پیدا ہونے کی امید تھی۔ انگلستان میں ناظموں کو صرف تجارت کا خیال تھا، اور حکومتِ برطانیہ پالیسی پر مٹی ہوئی تھی، لیکن تنہا ویلزلی کو یہ نظر آرہا تھا کہ ہمارے سامنے وہ مواد ہے جس سے ایک سلطنت پیدا ہو سکتی ہے۔ اور اس کے ذریعے قومیت کا وہاں آغاز ہو سکتا ہے چنانچہ اس نے اُن دنوں میں جب مرہٹوں سے لڑائی کا اندیشہ تھا، کیسل رے کو ایک خط میں لکھا:۔

میرا خیال یہ نہیں ہے کہ ہندوستان میں ملکی مقبوضات کے کسی حصے کے متعلق کمپنی کی حالت ایک جاگیردار کی شخصیت سے مشابہ تصور کیجائے۔ ہندوستان میں مقبوضات ہونے کے اعتبار سے کمپنی کی حیثیت ایک فرماں روا کے مثل سمجھنی چاہیے۔ اگر اسکے علاوہ کسی دوسرے اصول کا اعتراف کیا جائے۔ اور کمپنی کو ہندوستان کی برائے نام فرماں روائی کی اجازت دیجائے۔ تو پھر اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ایک طویل اور لاطائل خلفشار پیدا ہو جائے گا اور ایسی حالت میں کوئی چیز اس ملک کو فتنہ و فساد سے نہیں بچا سکیگی، سوائے اسکے کہ پھر شاہ دولت برطانیہ عظمےٰ ہندوستان میں برطانوی مقبوضات کی براہِ راست علداری فوراً اپنے ہاتھ میں لے لے۔

یہی چیز اسکی عظمت اور بلند نظری پر دلالت کرتی ہے۔ کہ اس نے بے کم و کاست برطانوی ہندوستان کو وسعت دینے کی ذمہ داری اور احتیاج کا اعتراف کیا؛

چھٹی فصل

حکومت، تعلیم اور فوج

ویلزلی ان لوگوں میں سے نہیں تھا، جو کسی کل کو اس کے پرزے سمجھے بغیر استعمال کر بیٹھتے ہیں، بلکہ وہ اس کاریگر کے مثل تھا جو کل سے پورا فائدہ اٹھانے کے ساتھ یہ بھی دیکھ لیتا ہے کہ اس میں اصلاح کی کتنی گنجائش ہے اور اپنے تجربے کی روشنی میں اس کے نقائص کو رفع اور خوبیوں کو کامل کرنیکی فکر شروع کر دیتا ہے۔ اس موقع پر دو باتیں خاص طور پر قابل غور ہیں۔ اول تو ہندوستان کے متعلق وہ حالات جو ویلزلی نے اپنے زمانے میں

پائے اور قلمبند کیئے ہیں۔ دہم وہ منصوبے جو اسکی اصلاح کے متعلق اسکے دماغ میں تھے
۹۔ جولائی ۱۸۰۰ئ کی محررہ مفصل روئداد میں گورنر جنرل باجلاس کونسل نے اس زمانے کے نظام حکومت کو بیان کیا تھا۔ گورنر جنرل باجلاس کونسل کو اعلیٰ انتظامی اختیارات حاصل ہیں۔ اس کے علاوہ قانون بنانے کے بھی بلاشرکت غیرے پورے مجاز ہیں۔ "صدر دیوانی عدالت اور صدر نظامت عدالت میں گورنر جنرل باجلاس کونسل اختیارات عدل میں بہت بڑا دخل رکھتے ہیں"۔ اس نظام حکومت کے ترتیب دینے والوں کا اصل منشا یہ تھا، کہ اس کو برطانوی اساس حکومت کے اصول پر ترکیب دیں چنانچہ ضروری ترمیم کے ساتھ اسکو پایۂ تکمیل کو پہنچا دیا۔ بعض نہج سے یہ انتظام نہایت ہی اطمینان بخش ثابت ہوا۔ ویلزلی نے اپنی روئداد میں یہ بھی لکھا تھا، کہ "جن اسباب کے باعث انتظامی اور قانونی اختیارات کی باگ ڈور پوری طرح گورنر جنرل باجلاس کونسل کے زیر تصرف رہی، ان کی ظاہر اشان اور نوعیت مستقل معلوم ہوتی تھی" درانحالیکہ گورنر جنرل باجلاس کونسل کے یہ بات قابو سے باہر تھی کہ وہ دادگستری کے فرائض کماحقہ انجام دے سکیں، اور وہ دادگستری وقانون گری کے فرائض کا ایک ہی جماعت کے سپرد اشتراک "حکومت کے مسلمہ اصول" کے منافی تھا۔ ذاتی حقوق کی حفاظت ان لوگوں سے جو سیاسی عہدوں پر فائز تھے، قطعاً آزاد اور بے تعلق ہونی چاہیئے تھی۔ اور نہ ہی سرکاری حکام کو اختیار دینا چاہیئے تھا کہ وہ قوانین کو بدنظمی وابتری، بھول چوک یا تاخیر عمل ونظم کے باعث خارج از عمل اور بیکار کر دیں۔ اس بات سے بہت تکلیف پیدا ہوگئی تھی کہ ان عدالتہائے عالیہ کی کارروائیاں کمرہ بند کر کے خفیہ ہوتی تھیں اور انتہا یہ تھی کہ فریقین یا اُن کے وکلا، کو بھی وہاں ٹھیرنے نہیں دیا جاتا تھا۔ ان خرابیوں کے باعث گورنر جنرل باجلاس کونسل نے عزم بالجزم کر لیا تھا، کہ ان دونوں عدالتہائے عالیہ کو از سر نو ترتیب دیا جائے، اور ہر ایک کے لیئے علٰحدہ علٰحدہ جج مقرر کیئے جائیں اور ان کو وہ تمام اختیارات دے دیئے جائیں جو اسوقت گورنر جنرل اور ارکان کونسل کو حاصل تھے اور موخر الذکر کو دارالقضاء کے معاملات میں بے دخل کر دیا جائے ؂

اس کے بعد روئداد میں گورنر جنرل باجلاس کونسل کے انتظامی فرائض کی توضیح وتشریح تھی۔ اس میں تمام خارجی تعلقات، داخلی حکومت، بندوبست، اور ہندوستان کے محاصل ومخارج عامہ قواعد وضوابط فوج اور ہر قسم کے متفرقات کا انتظام شامل تھا۔ ان تمام باتوں اور

انتظام حکومت کے دوسرے فرائض کے علاوہ جن میں احاطۂ مدراس اور بمبئی کے متعلق فرائض سب سے زیادہ اہم تھے، گورنر جنرل کو کمپنی کے تجارتی معاملات کی بھی نگرانی کرنی پڑتی تھی۔ ان فرائض کے انجام دہی کے لیئے بڑے بڑے عہدہ داروں کی ایک جماعت کے ملازم رکھنے کی ضرورت تھی۔ اور سب سے زیادہ ضروری یہ تھا کہ یہ لوگ نہایت روشن دماغ اور اعلیٰ درجے کے قابل ہوں۔

گورنر جنرل کے فرائض اور اختیارات کے خاکے سے قدرۃً دو نتیجے مرتب ہوتے ہیں، اولاً یہ کہ چونکہ خاص طور پر گورنر جنرل کو دوسرے صوبوں پر کامل اختیار حاصل ہے اس لیئے ان اختیارات میں ترمیم یا انکی از سر نو ترتیب فائدہ مند ثابت ہوگی، ثانیاً یہ کمپنی کے افسروں کے انتخاب اور تربیت میں حد درجہ احتیاط برتنی ضروری ہے۔ جولائی ۱۸۰۰ء روئداد میں موخر الذکر امر پر ویلزلی نے بہت اصرار کیا تھا، اور آگے چل کر ہم اسی پر تفصیل سے بحث کرینگے۔ امر اوّل کے متعلق ہمارے پاس بہت کم مطبوعہ مسالہ ہے اس لیئے ہم اس بات میں اس جلیل القدر مدبّر کی آرا کی نسبت کوئی نتیجہ مستنبط نہیں کر سکتے۔ خوش قسمتی سے انڈیا آفس کے دفتر محافظ میں ایک مثل ایسی موجود ہے، جس میں ہندوستانی حکومت کی اصلاح کے متعلق بڑی دلچسپ تجویز ہے۔ ڈنڈاس کے ہاتھ کے اسپر کچھ حاشیے بھی چڑھے ہوئے ہیں، اور انھوں نے اسکی قدر و قیمت کو دوبالا کر دیا ہے اس روئداد میں ویلزلی نے یہ تجویز کیا ہے کہ بمبئی اور لنکا کی حکومتوں کو ضم کر کے اسکو صوبۂ مدراس کے تحت میں کر دیا جائے۔ تاکہ پھر ہندوستان کی تمام برطانوی مقبوضات میں ایک نائب صدر۔ گورنر جنرل اپنی جائے اقامت کو وقتاً فوقتاً تبدیل کرتا رہے اور دونوں احاطوں کے معاملات و مہمات کے ہر جزو پر اپنی نگرانی قائم رکھے گورنر جنرل کی غیبت میں نائب صدر کو پورا اختیار ہونا چاہیئے، مگر مربّی گری کے اختیارات مکمل طور پر گورنر جنرل کے ہی تحت میں رہنے چاہئیں۔ نائب صدر کا تقرر ہمیشہ انگلستان سے ہونا چاہیئے اور ان میں سے کسی کو کبھی سپہ سالار نہیں بنانا چاہیئے۔ گورنر جنرل کو براہ راست تاج برطانیہ سے فرمان تقرر ملنا چاہیئے۔ یہ بات اشد ضروری ہے، تاکہ وہ انقطاعی طور پر اپنے اختیارات کو بری اور بحری افواج پر استعمال کر سکے۔

گورنر جنرل کے قانون سازی کے متعلق اختیارات میں بھی نقص تھا، مثلاً اس کو کوئی حق نہیں تھا کہ وہ کلکتہ میں اشیاء کی درآمد پر کوئی ٹیکس لگائے۔ درآنحالیکہ یہ اسکے قانون سازی کے فرائض کا جزو ہونا چاہئے تھا۔ آخر میں ویلزلی نے ایک ایسے معاملے کی طرف اشارہ کیا ہے جس میں اسے ذاتی طور پر بے آرام رہنا پڑتا تھا۔ وہ یہ تھا کہ گورنر جنرل کو کونسل کے ہر اجلاس میں قانوناً موجود رہنا چاہیے۔ اس نے اس بات میں یہ ایما کیا کہ رکن اعلیٰ گورنر جنرل کی عدم موجودگی میں کرسی صدارت پر تو بیٹھے، لیکن کوئی کام گورنر جنرل کے دستخطوں کے بغیر جائز و مستحکم تصور نہیں کیا جائے۔ گورنر جنرل کے متعلق ویلزلی نے مخصوص طور پر یہ لکھا کہ اسے "ہمیشہ برطانیۂ عظمےٰ کا امیر ہونا چاہیے۔ ہندوستان میں اسکا وقار برقرار رکھنے کے لیئے یہ مطلقاً لازمی ہے کہ وہ اعلیٰ مرتبے کا شخص ہو۔ ہندوستان کے معاملات سے اگر وہ واقف ہو تو فبہا اور اگر یہ نہیں تو کم از کم امور عامہ پر اسے پوری دسترس ہونی چاہیئے۔"

ان تجاویز کی غرض و غایت میں اہمیت مضمر ہے، اور ڈنڈاس کی تنقید بھی کچھ کم مفید اور دلچسپ نہیں اس لیئے کہ ڈنڈاس کی تنقید سے ظاہر ہوتا ہے کہ ویلزلی کی تجاویز کو کیوں عام طور پر پیش نہیں کیا گیا۔ ڈنڈاس کا خیال تھا کہ مدراس اور بمبئی کے صوبوں کو ضم کرنیکے علاوہ اور کسی تبدیلی کی چنداں سخت ضرورت نہیں معلوم ہوتی اور نہ یہی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ گورنر جنرل کا تقرر شاہی فرمان کے ذریعے سے کیا جائے یا اسکو شاہی افواج پر اختیار دیا جائے۔ بحری فوج کے متعلق بھی علیٰ ہذا اس کا یہی خیال تھا۔ البتہ اس کا اس نے اعتراف کیا کہ قانون سازی کے متعلق نقائص کو رفع کر دیا جائے، کیونکہ یہ لابدی ہے کہ "اختیار قانون سازی کا عدرآمد موقع و محل قانون پر ہی ہونا چاہیئے" اور اس کی تفصیلات کو ہر نہج سے برطانوی پارلیمنٹ کے دائرۂ اقتدار سے باہر رکھا جائے۔" ڈنڈاس حقیقت میں اس معاملے میں کچھ سرگرم نہیں نظر آتا تھا۔ اسکی تنقید اور اظہار رائے کی ایسی نپی تلی تحریر تھی، جیسے کہ وہ لوگ اکثر کہا کرتے ہیں کہ "اس معاملے میں نہایت احتیاط اور غور سے توجہ کی جائے گی۔"

لیکن ان تجاویز پر اور تنقیدیں اور تنقیحیں بھی موجود ہیں۔ اور ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان پر پورا غور و خوض کیا گیا تھا۔ مسٹر بریگ نے ۱۲۔ اپریل سنہ۱۸۰۱ء کے مراسلے میں

ان تجاویز پر رائے دی ہے، علی الخصوص صوبوں کے ضم کرنے کے معاملے میں وہ لکھتا ہے یہ کام آسانی سے اس طرح ہو سکتا ہے کہ پارلیمنٹ میں ایک قانون پاس کیا جائے جس کی رو سے بمبئی کے احاطے کو توڑ دیا جائے اور اس کے متعلق تمام اختیارات احاطۂ مدراس کو تفویض کر دئے جائیں اور مصلحت یہ معلوم ہوتی ہے کہ دارالحکومت کو سرنگا پٹم میں منتقل کر دیا جائے"، اس عجیب تجویز سے ظاہر ہوتا ہے کہ ویلزلی کی حکمت عملی سے مرکز عمل کتنا بدل گیا تھا، یعنی مغرب سے جنوب میں چلا گیا تھا ؎

لیکن ان تجاویز میں سے کسی کا بھی اسوقت کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ انڈیا آفس میں اس روئداد کی نقل پر کوئی تاریخ درج نہیں ہے۔ لیکن اتنا ضرور ہے کہ سنہ ۱۸۰۰ع سے پہلے یہ بھیجی گئی تھی، اور اس لیئے یہ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ یہ ویلزلی کا تجربہ پختہ ہونے کے بعد لکھی گئی تھی۔ باینہمہ وہ نہایت صفائی سے ان آراء و خیالات کو ظاہر کرتی ہے جن کے متعدد اشارے اسکے مطبوعہ مراسلات میں ملتے ہیں۔ ان میں سے بعض یہ ہیں کہ قوانین میں گورنر جنرل کے اختیارات ناکافی طور پر بیان کیئے گئے ہیں اور وہ غیر اطمینان بخش طریقے پر برتے جاتے ہیں اور یہ کہ محکوم صوبوں پر اسکے تسلط کو پوری تقویت اور پوری وسعت دینی چاہیئے ویلزلی کے دل میں بلاشبہ یہ بات سمائی ہوئی تھی کہ اعلیٰ درجے کی ہندوستانی حکومت "شاہی موضوع" بننے کے بعد ہی عالم ظہور میں آسکتی ہے۔ کیونکہ ذمہ داری اتنی وسیع اغراض و مقاصد اتنے پھیلے ہوئے تھے، حکومت کا حشر ایسا غیر متیقن تھا، کہ منقسمہ حکومت ناقابل برداشت ہو گئی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ برطانوی ہندوستان کے حاکم پر کامل اعتماد کرنا چاہیئے۔ اور عملی طور پر وہ مطلق العنان ہونا چاہیئے ؎

وہ قوانین جو بطور اصول کار اسکے لیئے شروع سے ہی وضع کیئے گئے ہیں۔ اُن کی وہ خوشی سے پیروی کریگا، لیکن حکمت عملی خود اسکے ہاتھ میں چھوڑ دینی چاہیئے اور اس معاملے میں اس کو پورا اختیار ہونا چاہیئے کہ جیسا وقت اور موقع آکے پڑے گا، ویسا ہی وہ بلا روک ٹوک عمل کریگا۔ کمپنی کی تنگ نظری اور اوچھی اور تاجرانہ راؤں پر ویلزلی دانت پیستا تھا، اور اس نے مصمم ارادہ کر لیا تھا۔ اور اس ارادے میں وہ کامیاب بھی ہوا کہ سلطنت کی مکمل عمارت کا معمار وہ خود ہی ہوگا۔ لیکن یہ بات بھلائی نہیں جا سکتی کہ گو وہ ایک جلیل القدر آقا تھا۔ لیکن بحیثیت ملازم وہ حد درجہ خشم انگیز اور اپنے آقاؤں میں غصے کو مشتعل کرنیوالا بھی تھا

اسنے یہ تربیت ہی نہیں پائی تھی کہ وہ کسی کا محکوم ہوکر کام کرے۔ یار ہے۔ لیکن بہرحال اس نے خود کو خواہ کتنا ہی خود مختار کیوں نہ بنالیا ہو وہ گورنر جنرل کو کتنے ہی وسیع اختیارات دینے کا حامی کیوں نہ ہو، مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ اختیار واقتدار کا اتنا طالب نہیں تھا جتنی قابلیت اور لیاقت کا اپنی تمام تجاویز میں سب سے زیادہ اسی بات پر مٹا ہوا تھا کہ کمپنی کے ملازم لائق و فائق ہوں اور اس کیفیت کا اندازہ اس کی تمام مساعی سے جو اس نے اس ضمن میں کیں اچھی طرح کیا جاسکتا ہے۔ اور ایک یہی بات ہے جس نے اس کے مابعد نسلوں کی نگاہوں میں اسکو حریت پسند عاقبل اور دور اندیش قرار دیدیا۔ جہاں اس کا یہ خیال تھا کہ اس عہدے کی شان و شوکت کو بڑھادیا جائے وہاں یہ بھی چاہتا تھا، کہ عہدہ داروں کو تعلیم و تربیت بھی دیجائے ۹ جولائی ۱۸۰۰ء کو جو مراسلت اس نے بھیجی ہے، اسکے آخر میں اس نے شدومد سے التجا کی ہے کہ کمپنی کے ملازمین کی تعلیم مکمل اور معین کرنے کا پورا انتظام کردیا جائے۔ اس موضوع پر روئداد بر روئداد موجود ہیں اور انڈیا آفس اور برٹش میوزیم کے محافظ خانے اس خیال کی تکمیل اور توضیح کے لیئے مثلوں اور کاغذات سے بھرے پڑے ہیں۔

۲۴۔ اکتوبر ۱۷۹۹ء کے ایک مراسلہ[۱] بنام ڈنڈاس میں اسباب واغراض کو مجمل طور پر بیان کیا ہے۔ "عدالتوں میں عدل و انصاف کرنے، صوبوں میں محاصل جمع کرنے، کی انتظامی حالت ناقابلیت کی ایسی دردناک تصویر پیش کرتی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مخلوق کو خوش وخرم رکھنے کے لیئے بہتر سے بہتر مجموعۂ قوانین بالکل بے کار ہے، تاوقتیکہ اس بات کا انتظام نہ کیا جائے، کہ عدالتوں اور صوبوں کے دفتروں کے ہر شعبے اور صیغے میں ایسے قابل آدمیوں کی بہمرسانی کا سلسلہ جاری ہوجائے، جو ان قوانین کو عمدہ طور پر استعمال کرنے کے اہل ہوں۔" کمپنی کے محرر ہندوستان میں جاہل مطلق آتے تھے اور یہاں آنے کے بعد بالکل آزاد رہتے تھے۔ کوئی اُن کا نگران ونگہبان نہیں ہوتا تھا۔ تربیت اور تعلیم نام ونشان کو نہیں ہوتی تھی اس لیئے کمپنی کا فرض تھا کہ جس طرح گورنر جنرل کا عزم تھا، ان لوگوں کو تھوڑی بہت تعلیم و تربیت یہاں ہی دیدی جائے۔

مجھے تو اس میں بھی شک ہے کہ ان دنوں میں بھی جبکہ ترقی و تہذیب، مقابلے و مجادلے کا دور دورہ ہے، ہم نے کبھی اس بات کا احساس بھی کیا ہے کہ گذشتہ صدی کے ہندوستانی

[۱] مراسلات ویلزلی جلد دوم صفحہ ۱۳۱-۲۔

سول ملازمین کی حالت گیا تھی؟ اچند پھڑکتے ہوئے ناول، یا چند متین سوانح عمریاں ایسے لوگوں کی جو فرشتہ صفت ہوں، یا جنھوں نے بعض بڑے بڑے کام کیئے ہوں، کل ہماری کائنات ہے، جس پر ہم نے اپنے خیالات کی عمارت چُنی ہے۔ مگر ان میں صرف ایسے لوگوں کا ذکر ہے جو تم گمنامی سے نکلکر آسمان شہرت پر چمکے، جن کی عمریں محنت و مشقت میں گزریں، اور جن کی ہمتیں اتنی بلند تھیں کہ انھوں نے حوادث کے تھپیڑے کھا کھا کر نام پیدا کیا اور وہ ایسے لوگ تھے جو ہر حالت اور صورت میں شہرت حاصل کر لیتے۔ ان کتابوں میں اینگلو انڈین کی معاشرت کی جو تصویر دکھائی گئی ہے، گو اس میں کلکتہ یا بمبئی کے صاحب بہادروں کے متعلق تفنن طبع کا عجیب و غریب سامان ہے، لیکن ان میں ان سرکاری عمال کی زندگی پر سے پردہ نہیں اٹھایا گیا، جو دور دراز مقامات پر متعین تھے، جہاں وہ سن بلوغ کو پہونچتے ہی بھیجدیئے جاتے تھے جب ان کی رگوں میں گرم خون زور و شور سے رواں تھا، اور جب ان کو اپنے ذاتی امور پر بھی شمہ برابر قابو حاصل نہیں تھا۔ یہ لوگ مغربی تہذیب اور اس اقلیم کے نمایندے تھے جسکو فاتح اور آزاد قوم ہونے کا فخر حاصل تھا۔ قدیم کلکتے کی بعض ایسی ذلیل یادگاریں موجود ہیں، جن سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ ان مقامات کے رہنے والوں کی اخلاقی حالت جہاں انگریزی سوسائٹی کا نام و نشان نہ تھا، اور جہاں کوئی معاشرتی قانون خواہ وہ کیسا ہی ناقص حالت میں ہو موجود نہ تھا، کیسی ناگفتہ بہ حالت ہوگی ؟

بہت سے ذی عزت اور ایسے ذی قدر نام ہیں، جن سے کمپنی کے ملازمین کی فہرست کو افتخار حاصل ہوتا ہے، لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ بات صحیح نہیں ہے کہ اینگلو انڈین افسروں کے متعلق انگریزی دماغ میں یہ خیال بس گیا ہے کہ یہ لوگ ایک ایسی جماعت ہیں، جن کی عادات و خصایل مضحکہ خیز ہیں، اور جن کے عادات و اخلاق خراب ہو گئے ہیں۔ اس موجودہ صدی کے اوائل میں واپس شدہ انگریزی افسروں کا جو نقشہ انگلستان کے علم ادب میں کھینچا گیا ہے، اُس سے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ ان لوگوں کی تربیت آج کل کے سول ملازمین سے بالکل مختلف تھی۔ اور موجودہ زمانے کے لوگوں کو اپنے نفس پر قابو حاصل ہے۔ اپنے فرض کا بڑا احساس ہے، طبیعت میں سرگرمی اور فیاضی ہے۔ اسکا نام بھی گذشتہ صدی کے سول ملازمین میں نہ تھا؛

ویلزلی نے نہایت سیدھے سادے الفاظ میں بیان کیا ہے کہ "وہ لوگ جو نوجوانی کے

عالم میں اندرون ملک بھیجد یئے جاتے ہیں، وہ بہت جلد سستی و کاہلی، آرام طلبی اور ادنی درجے کی عیاشی اور درشت خوئی کا شکار بن جاتے ہیں۔ اور ان لوگوں کی زندگی اور عادات واطوار کی بنیاد ہی ان ہی ممالک کی برائیوں اور نفس پرستیوں پر پڑتی ہیں۔" پس یہ تھیں وہ برائیاں جو پیدا ہو جاتی تھیں۔" فورٹ ولیم میں ایک کالج کی بنا ڈالنے کے متعلق جو یادداشتیں ویلزلی نے لکھیں اُن میں اُس نے اُن تعلیمی نقائص کو جو اسے حد درجہ بیّن اور صاف نظر آتے تھے، تفصیلاً بیان کیا ہے۔ کمپنی کے ابتدائی زمانے میں اس کے ملازمین کے فرائض بالکلیہ تجارتی تھے، لیکن جوں جوں اس کی ملکی طاقت بڑھتی گئی، اسی قدر ان ملازمین کے لیے پیچیدہ عہدہ و معاہدے کا کام بڑھ گیا، محاصل و مالیہ کے مشکل نظاموں کا التزام ان کے تحت میں آگیا، اور کروڑہا مخلوقِ خدا کی دادگستری، جن کی زبانیں، عادات واطوار، مذاہب مختلف تھے اُن کے ذمے آپڑی۔ کمپنی کے سیول ملازمین کی حیثیت اب ایک تجارتی کمپنی کے سفیروں اور منیموں کی نہ رہی تھی، بلکہ وہ درحقیقت ایک طاقتور بادشاہ کے وزیر اور افسر ہوگئے تھے۔ سوداگری کی بجائے اب وہ مدبر ہوگئے تھے، اور تاجروں کی بجائے مجسٹریٹ، سفیر، صوبہ دار اور جج بن گئے تھے۔ ان فرائض کو بحسن و خوبی انجام دینے کے لئے نہایت مناسب اور موزوں معلوم ہوتا تھا، کہ اُن کی تربیت سخت اور اُن کی تعلیم سنجیدہ ہونی چاہیے اور اُنکی افتاد ایسی پڑنی چاہیے کہ ان کے دلوں میں محنت و مشقت، دانائی اور دور اندیشی، سچائی اور راستبازی، احساسِ مذہب اور انصاف ایسی مضبوطی سے جڑ پکڑ لیں، کہ پھر اُن تمام بری ترغیبوں اور بدعملیوں سے اپنے آپ کو محفوظ رکھ سکیں، جو ہندوستان کی آب و ہوا میں سرایت کیے ہوئے ہیں، اور جن میں ہندوستان کی مخلوق خاص طور پر ملوث ہے، اور جو انہیں ہر جگہ گھیرینگی اور ان پر حملہ آور ہونگی۔"

موجودہ نظام تعلیم غیر مکتفی اور ادھورا تھا، اور یہ ایک ایسا واقعہ تھا کہ جس کے لئے کسی ثبوت کی ضرورت نہ تھی۔ کمپنی کے محرر ہندوستان میں سولہ یا اٹھارہ سال کی عمر میں آتے تھے، اپنے فرائض کے علم سے مطلقاً بے بہرہ ہوتے تھے، تاریخ، علم قانون، علم اخلاق، اور ان لوگوں کی زبانوں سے جن پر وہ حکومت کرنے آتے تھے بالکل نابلد ہوتے تھے۔ وطن میں جو کچھ بھی تعلیم وہ حاصل کرتے تھے، وہ بلا کسی استثناء کے بہت کم اور تجارتی قسم کی ہوتی تھی، اور

ے مراسلات ویلزلی، ۱۰ جولائی ۱۸۰۰ء جلد دوم صفحہ ۳۲۵ الخ

جب وہ اس عمر کو پہنچتے تھے کہ ان کی تعلیم عمدگی سے نشوونما پائے اور کچھ پھل لائے تو انکا لکھنا پڑھنا یک لخت بند کردیا جاتا تھا۔ جب وہ ہندوستان آتے تھے، تو اُن کی ناقابلیت اکثر اوقات انہیں آرام طلبی کی طرف مائل کردیتی تھی، اور مطالعہ جاری رکھنے کے لیئے اُن کے حوصلے بڑھانے کی کوئی تدبیر نہیں کی جاتی تھی"۔

ان نقائص کا علاج بقول ویلزلی اعلیٰ قسم کی تعلیم میں تھا جسکی بنیاد عاقلانہ طور پر انگلستان میں رکھی جاتی، اور اوپر کی عمارت باضابطہ طور پر ہندوستان میں تکمیل پاتی۔ اسکے بعد یہ سوال پیدا ہوتا تھا کہ کتنا وقت تعلیم کے لیئے انگلستان میں صرف کیا جائے اور کتنا ہندوستان میں؟ اس بات میں ویلزلی ہی سب سے پہلا آدمی تھا جس کا سابقہ ان سے پڑا جن کے متعلق بمشکل یہ کہا جاسکتا ہے کہ سول سروس کے امتحانات میں تازہ ترین تبدیلیوں نے انکو حل کردیا ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ والدین اپنے بچوں کو انگلستان میں طول وطویل تعلیم دلاسکیں؟ کیا ضروری تعلیم کا انگلستان میں پورے طور پر انتظام کیا جاسکتا ہے؟ کیا سول ملازمین کے باہر بھیجنے کی مدت میں التواء اور تعویق بہت سے سول ملازمین میں ایسی عادات اور ایسے تعلقات پیدا نہ کردیں گے، جنہیں وہ ایک مدت گزر جانے کے بعد نہایت مشکل سے بادل ناخواستہ چھوڑیں گے؟ اگر وہ بڑی عمر ہونے کے بعد باہر بھیجے جائیں گے، تو پھر کیا اُن کو اتنا وقت اور اتنا موقع ملے گا کہ وہ اتنی دولت وہاں سے جمع کرکے انگلستان واپس آئیں، کہ آزادی اور خوشحالی سے بقیہ عمر گزار دیں؟۔

یہ تھے وہ مسائل جو ویلزلی کو حل کرنے تھے۔ ان میں سے بعض حل ہو چکے ہیں بعض کے متعلق ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ ان کے حل کرنے کی اس وقت ضرورت نہیں اور بعض مختلف صورتوں میں پیش آتے رہتے ہیں۔ ویلزلی کی تجویزوں میں سے ہر ایک کی کم سے کم علمی فکر اور بے لاگ غور و خوض کا نتیجہ تھی اس کی رائے تھی کہ ہندوستانی سول ملازمین کی قابل اطمینان تعلیم کے لیئے ہندوستان میں ایک کالج کا قیام ازحد ضروری ہے کیونکہ یہ بات عیاں تھی کہ انگلستان میں قانون، زبان اور رسم ورواج کے متعلق صرف نظری واقفیت حاصل ہوسکتی تھی۔ اسکی تائید میں سرولیم جونس کی تمسخر انگیز مثال موجود ہے۔ یہ تمام یورپ میں ایک جید مستشرق مشہور تھا لیکن جب وہ کلکتے آیا، تو مشرق کی خواہ وہ کسی زبان میں گفتگو کرتا وہ اہل زبان کے لیئے بالکل ناقابل فہم ہوتی۔

بدیں وجہ فورٹ ولیم میں ایک کالج کا سنگ بنیاد رکھنا ضروری ہوگیا تھا۔ اس کے ذریعے ہندوستان کے عالموں سے میل ملاقات اور تبادلۂ خیالات کے موقعے بھی نکلیں گے۔ اور ہندوستانی علمار کی حوصلہ افزائی بھی ہوگی۔ رہے مصارف، ویلزلی اسی کو اول دن سے سنگِ راہ سمجھتا تھا، لیکن اس نے اس کی نسبت یہ بیان کیا تھا کہ اگر اسکے لئے ایک رقم وقف کردی جائے تو فبہا اور پھر اگر کمپنی کو یہ منظور نہ ہو تو وہ مصارف کے کسی مزید بار کو نہ اٹھائے، کیونکہ اسکا خرچ ہندوستان کے سیول ملازمین کی تنخواہوں میں سے چھوٹے چھوٹے چندے حاصل کرکے چلالیا جائیگا۔ یہ ہے اس کے مشہور مراسلے کا لُبِ لباب۔ لیکن اسکے جواب میں جو اُس پر ڈانٹ پڑی، اسکا سے سان گمان بھی نہ تھا۔

اس اثنار میں اس نے کالج قایم کردیا اور خود اسکے قواعد منضبط کیے۔ نصاب تعلیم جو بنایا گیا تھا وہ لاجواب تھا۔ انتظام و انصرام، قیام و طعام، تعلیم و تربیت کے متعلق قواعد و ضوابط جہانتک امکان میں تھا، انگریزی یونیورسٹیوں کے نمونے پر وضع کیے گئے تھے۔ اس طرح کالج وجود میں آیا اور تعلیم شروع ہوگئی۔ خاص خاص موقعوں پر گورنر جنرل بنفس نفیس وہاں جاتا۔ انعامات تقسیم کرتا، اور اپنی جلیل الشان و فصیح و بلیغ تقریروں میں طلبا کو خطاب کرتا۔ اس کے امتحانات کے نتائج بڑے مفید اور اطمینان بخش ہوتے تھے اور شروع شروع کے بہت سے طلبہ جو امتیاز کے ساتھ کامیاب ہوئے کمپنی کی ملازمت میں بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہوکر انھوں نے شہرت حاصل کی۔ ویلزلی کو خیال ہوا ہوگا کہ کامیابی اور ضرورت دو نوں چیزیں کالج کے قیام کو جائز قرار دیدیں گی۔ مگر ناظموں کو مدنظر یہ نہیں تھا۔ نہایت جلدبازی کے ساتھ، اور ان لوگوں کا خیال کیے بغیر جو اس معاملے کو سمجھنے کے پورے اہل تھے، انھوں نے حکم بھیجدیا کہ کالج کو فوراً توڑ دیا جائے۔ ویلزلی کو اس کا سخت صدمہ ہوا اور اس نے اسے بہت محسوس کیا۔ لیکن اس نے پھر ناظموں کے اجلاس میں سنجیدہ طریقے پر عرض معروض کی، جس کی ان کی تمام کونسل نے یک بیان ہوکر تائید کی۔ اسی بنا پر اس نے ۳۱۔ دسمبر ۱۸۰۳ء تک کالج توڑنے کے حکم کو ملتوی رکھا۔

وہ لوگ جو ویلزلی کی تجویز کے حُسن و قبح کو جانچنے کے اہل تھے، ان کی موافق آرا کی کمی نہ تھی۔ ان میں سب سے زیادہ زوردار اور پختہ کار اور یقیناً زیادہ دلچسپ وارن ہیسٹنگز کی تائید تھی۔ انڈیا آفس کے محافظ خانے میں "فورٹ ولیم کالج کے متعلق لارڈ ویلزلی کی روئداد" پر

مسٹر ہیسٹنگز کے خیالات" کے عنوان سے ایک مثل[1] ہے، اس میں ویلزلی کی تجویز کی تائید کی گئی ہے۔ اس کے بعض فقرے ایسے دلچسپ ہیں کہ اس جگہ ان کی نقل ناموزوں نہ ہوگی۔ وہ کہتا ہے:-

تقریباً دو سو برس ہوئے جب میں نے اکسفورڈ یونیورسٹی میں فارسی زبان کی پروفیسری قائم کرنے کے لیئے تجویز پیش کی تھی، اور اسکی ایک ایک مطبوعہ نقل ان تمام حضرات کی خدمت میں بھیجی تھی، جن کو اس وقت کمپنی کے کاروبار سے تعلق تھا۔ اکسفورڈ کے امیر جامعہ نے اسے پسند کیا تھا اور مرحوم ڈاکٹر جانسن نے وعدہ کیا تھا کہ اگر اس تجویز کو منظور کرلیا، تو وہ اسکی کارگزاری کے متعلق قواعد وضوابط بنادیگا، لیکن وہ منظور نہ کی گئی اور بالکل قلم انداز کردی گئی اس واقعہ کا اشارہ کرنے سے میرا مدعا یہ ہے کہ جو کچھ بھی میں اس تجویز کے متعلق کہنے والا ہوں، اُسے یہ نہ سمجھا جائے کہ وہ بلا سوچے سمجھے معاً گھڑ دیا گیا ہے، بلکہ عرصۂ دراز تک جو میں نے اس موضوع پر غور وخوض کیا۔ یہ اس کا نتیجہ ہے۔ لارڈ ویلزلی کی تجویز کے مقاصد سے میرے اتفاق کلی کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ یہ تجویز عرصۂ دراز سے اصولاً خود میری تھی، گو ہم دونوں نے اس مقصد کی تکمیل کے لیئے جو راہیں تجویز کی ہیں، وہ مختلف ہیں۔ میں نے یہ سفارش کی تھی کہ کمپنی کے ملازمین کو پروانۂ تقرر ملنے کے بعد اجازت دی جائے کہ وہ ایک معقول مدت تک مغربی علوم وفنون کی تعلیم حاصل کریں اور اسکے ساتھ اکسفورڈ یونیورسٹی میں زبان فارسی سیکھیں لارڈ ویلزلی نے بھی اُسی طریق تعلیم کو بڑے پیمانے پر تجویز کیا ہے، اور بنگال کو اسکا مرکز قرار دیا ہے یہ تجویز یقیناً زیادہ اچھی ہے، کیونکہ طلبا کو اس سے یہ نفع ہو گا کہ وہ ہندوستان ایسی عمر میں پہنچ جائینگے جب ان کے دل افسران کار کی قیود، آب وہوا کی ضروریات اور سوسائٹی کے طور وطریق کے مطابق آسانی سے عمل کرنے کے قابل ہوں گے۔ زبانیں علی الخصوص جن سے روزمرہ کام پڑنے والا ہے، ابتدائی جوانی میں جلد حاصل ہو جائینگی، اور یہی وہ زمانہ ہوتا ہے جب کہ قوائے ذہنی میں یہ استعداد ہوتی ہے کہ غیر زبانوں کے تلفظ اور غیر ملک کے خیالات پر آسانی سے احاطہ اور قدرت حاصل کر لیتے ہیں۔"

ہندوستانی نظم ونسق کے نیسٹر کی رائے اپنا زور دکھائے بغیر نہیں رہ سکتی تھی۔ کمپنی کے ناظموں نے بہت بددلی سے اس زبردست عرضداشت کو تسلیم کیا، جو کمپنی کے عہدہ داروں اور وزارت نے پیش کی تھی۔ اور صرف بنگال کے محرروں کے فائدے اور

[1] فستر پیپرز صفحہ ۱۷۔

محض مشرقی زبانوں میں ان کی تعلیم کے لیئے کالج کے قیام کی ایک ترمیم شدہ صورت میں اجازت دی اور اس طرح ویلزلی کی اعلیٰ تعلیم کی تجویز کو خاک میں ملا دیا۔ لیکن اس سے یہ فائدہ ہوا کہ تعلیم کی سخت ضرورت اور ناظموں کے ملامت انگیز رویّے پر ارباب کی توجہ منعطف ہوگئی۔ چند سال بعد ہملی بری میں ایسٹ انڈین کالج کی بنا پڑنے کے اس نے سامان پیدا کر دیئے۔ اس کالج نے کچھ عرصے تک نہایت مفید اور قابل تعریف کام کیا۔ اور گو اس کو پورے طور پر چلنے کا موقع ہی نہیں ملا بایںہمہ یہ اسکے بانی کی وسیع النظری اور دانائی کی عظیم الشان یادگار ہے، اور ایک ایسے اعلیٰ پیشے کی سچی تربیت کی بنیاد ہے جو ہر برطانوی رعایا کے لیئے باعثِ افتخار ہے۔

سول ملازمین کی تربیت کے متعلق ویلزلی کی متعدد مراسلات پڑھنے کے بعد ناممکن ہے کہ اس مسئلے کے مذہبی اور ذہنی پہلوؤں سے جن پر اس نے بہت زور دیا ہے، انسان متاثر نہو۔ دین عیسوی کے فرائض سے تغافل، دین عیسوی کی تعلیم سے ناواقفیت[1] کا بار بار ذکر کیا گیا ہے، اور بتایا گیا ہے کہ ملازمین کمپنی کی اخلاقی خرابیوں کا اصل اصول یہی چیزیں ہیں۔ فورٹ ولیم کالج جب معرض وجود میں آیا، تو اُس نے پرادوسٹ یا ناظم مذہبی کی ایک جگہ نکالی اور اس درس گاہ کے متعلق قوانین میں حکم دیا کہ "ناظم مذہبی ہمیشہ کلیسائے انگلستان کا پادری[2] ہوگا" اور "ناظم کے فرائض اوّلین یہ ہوں گے کہ تازہ ترین سول ملازمین کے فورٹ ولیم میں پہنچتے ہی، ان کے اخلاق اور رویّے کو باقاعدہ کرے، اور اُن کی نگرانی رکھے۔ نصیحت و فہمائش سے ان کو مدد دے اور کلیسائے انگلستان کی رسوم، تربیت و عقائد کے مطابق مذہب عیسوی کے اصول میں ان کو پکا کر دے۔

جس معقول اور جچی ہوئی پالیسی پر وہ عامل تھا، اس کی یہ ایک معمولی مثال ہے۔ عیسوی عقائد کی عدم تعمیل اور غفلت سے جو بدنما داغ انگریزی نام پر لگ گیا تھا، اس کا اسے بہت رنج تھا اور اس نے اب تہیہ کر لیا تھا کہ وہ ہر ممکن طریق پر اس الزام کو دور کر دیگا۔ چنانچہ اس نے تسخیر میسور کی خوشی میں ایک دن شکر گزاری کا مقرر کیا۔ ۶۔ فروری سنہ ۱۸۰۰ء کو گورنر جنرل، صدر رکن عدالت عالیہ، سپہ سالار اعظم (سر ایلیورڈ کلارک)، اراکین مجلس، اراکین عدالت عالیہ اور ملکی و فوجی عہدہ دار کلکتہ کے نیو چرچ پاپیادہ گئے۔ سڑک پر دو طرفہ فوج کھڑی تھی۔ جلوس کی روانگی

---

[1] مراسلات ویلزلی جلد چہارم صفحہ ۳۴۶

[2] مراسلات ویلزلی جلد چہارم صفحہ ۳۵۷

حمد و ثنائے باری تعالےٰ کے دوران میں شاہی سلامی کی توپیں سر کی گئیں - مذہب کے قومی اعتراف
کا یہ پہلا موقع تھا، اور گورنر جنرل نے اسے ہر طرح ذی شان اور پرشوکت بنایا۔ حقیقت یہ ہے
کہ لارڈ ویلزلی۔ ہندوستان کا سب سے پہلا حاکم ہے، جو ایک عیسائی کی مذہبی حیثیت سے
ہمارے سامنے آتا ہے "

ان معاملات میں اس کا ذوق رسمی نہ تھا۔ اس نے دریائے گنگا میں بچوں کی قربانی پر
حکم امتناعی صادر کیا اور تحقیق و تفتیش کر کے لارڈ ولیم بنٹنگ کے رسم ستی کو منسوخ
کرنے کا راستہ صاف کر دیا۔ اس نے عیسویت کی اشاعت کے لیئے خاص کوششیں کیں،
اور انجیل کا بنگالی، مرہٹی، اردو، فارسی، تامل، چینی اور ملائی زبانوں میں ترجمہ کرایا۔ اس
نے نہایت سخت جد و جہد کی کہ کمپنی کے مذہبی محکمے کو ایسا بنا دے جس سے کہ اس کے
ملازمین کی ضروریات پوری ہو سکیں اور بشپ کے تقرر کی، جو نہایت شرمناک طور پر ایک
طویل مدت سے معرض التوا میں پڑی ہوئی تھی، حمایت کی۔ معہذا اس سے زیادہ اسبات
کو اور کوئی ناپسند نہ کرتا تھا کہ کسی شخص کو زبردستی بلا شرکت مذہبی مقتدا کے عیسائی
کیا جائے ۶ اپریل ۱۸۰۲ء کے ایک زوردار مراسلے میں جو اس نے گورنر سیلون کے نام لکھا
تھا، نہایت دانائی سے وہ طریق بتایا۔ جس پر برطانوی حکومت کو عمل کرنا اور اس سرزمین کے
تمام مذاہب کو کامل رواداری سے دیکھنا چاہیئے - یہ پہلا ہی موقع تھا کہ انگریزوں اور
ہندوستانیوں کو ویلزلی یکساں ایک ایسا حاکم نظر آتا تھا جو اپنی پبلک پالیسی میں اپنے
مذہب کو بھلا نہیں بیٹھا تھا۔ اس نے اپنے طرز عمل سے برک کے اس طنزیہ کلام
کو کہ ہر انگریز جو ہندوستان جاتا ہے، اصطباغی کیفیت کو سمندر ہی میں جھاڑ دیتا ہے باطل
کر دیا تھا۔ ۱۸۱۳ء میں جب مذہبی محکمے کے عملے میں اضافہ کے متعلق تجاویز پارلیمنٹ میں
پیش ہوئیں، تو اس نے اپنے رویئے کو فخر و مباہات کے ساتھ بیان کیا۔ اور یہ "خیال
ظاہر کیا کہ ایک عیسائی گورنر کو ہرگز اس سے کم نہیں کرنا چاہیئے - اور کہا میں یہ بھی جانتا ہوں
کہ ایک برطانوی گورنر کو اس سے زیادہ بھی مذہب میں حصہ نہ لینا چاہیئے "

جس طرح کہ لارڈ ویلزلی سب سے پہلا برطانوی حاکم تھا جس نے تعلیم اور مذہب کے مسائل
پر کامل غور کیا، علیٰ ہذا اس سلطنت کی حفاظت کے لیئے جس پر کمپنی کو اب باقاعدہ حکومت حاصل
ہو گئی تھی، نظام فوج اور اسکی حفاظت کا خاکہ بھی اس ہی نے معین طور پر کھینچا۔ اس بات میں

اس نے جو تجاویز قلمبند کیں وہ قدرتاً دو حصّوں میں تقسیم ہوتی ہیں۔ ایک تو وہ جو خارجی حکمت عملی سے متعلق ہیں، اور دوسری وہ جن کا اندرونی انتظام سے علاقہ ہے ؛
ہندوستان کی تمام دیگر طاقتوں کے مثل برطانوی طاقت پر بھی معنوی طور پر اور کسی قدر سچائی کے ساتھ شہنشاہی نام کی عزت کرنی اسکا فرض تھا گو وہ اُس کی مطیع نہو۔ گو شاہ عالم تاجدار مغلیہ ایک عرصے سے سندھیا کے بندے بنے ہوئے تھے جو مرہٹوں میں سب سے زیادہ طاقتور اور بوالہوس سردار تھا۔ لیکن اس کمزوری کے باوجود شاہِ عالم ہی ہندوستان کے واحد فرماں روا کے جانشین تصور کیے جاتے تھے۔ ہر راجہ اور مہاراجہ اور فرماں روا ان کی اطاعت کا اظہار کرتا تھا، اور تمام عزت و منزلت اُنہی کے ہاتھ سے دی جاتی تھی۔ ملک کے بڑے بڑے فرماں روا جن سے انگریز لڑے، اور جن کو انھوں نے آزاد فرماں روا تصور کیا، دراصل شاہِ عالم کے معمولی افسروں میں سے تھے۔ اس دور تنزل و انحطاط میں بھی رسم اور خیال نے اس زمانے کی تمام سیاسی تحریکوں میں ان کو قابل قدر قوت دے رکھی تھی۔ تمام باتیں اُن کے نام سے ہوتی تھیں۔ انکی منظوری دوسروں کو وہ طاقت، وہ اختیارات بخشتی تھی جو انہیں خود حاصل نہ تھے ؛
مرہٹوں سے جنگ کے دوران میں ویلزلی کے اس بدقسمت بادشاہ سے قریبی تعلقات قائم ہو گئے جو اس وقت زندہ تھے، مگر اندھے اور بڈھے، اور مرہٹوں کے زیر اثر دہلی میں پیرن اور بورکیں کی فوج سے گھرے ہوئے رہتے تھے۔ جولائی ۱۸۰۳ء میں گورنر جنرل نے جنرل لیک کو یہ ہدایات بھیجیں کہ دہلی کے حالات کی پوری خبر رکھے اور جب دورانِ جنگ میں یہ شہر برطانوی افواج کے قبضے میں آجائے تو معمر بادشاہ کی پوری دلجمعی اور عزت اور حرمت کرے تاکہ انہیں کمپنی کی طرف سے پورا اطمینان اور اسکی مدد اور دستگیری پر کامل بھروسا ہو جائے ایک سال بعد راز دار مجلس کو ایک مراسلے میں فرانسیسیوں کے دعاوی کے سائے میں دوبارہ پیچھے جانے کے خطرے پر اس نے بہت زور دیا۔ اس وقت گمان تھا کہ ان کا یہی منشا ہے، اور شاہِ عالم کو فوراً برطانوی سیادت میں لے لینے کی اہمیت کی سخت تاکید کی۔ بورکین نے جب ہزیمت اٹھا کر ہتھیار ڈال دیئے، اور دہلی کا شہر جنرل لیک کے قبضے میں آگیا، تو مغلیہ بادشاہ کے ساتھ التفات آمیز سلوک کیا گیا، اور اس التزام کی رو سے

جسکی اطلاع ۲۔ جون ۱۸۰۰ء کو کمپنی کو کی گئی، انہیں، ان کی عظمت و بزرگی، آرام و آسایش کے پورے انتظام کے ساتھ، برطانوی سیادت میں لے لیا گیا۔ مغلیہ نام کی عظمت کا اعتراف، گو بعد از وقت ہوا، لیکن اسے کمپنی کی تمام اقلیم کی حفاظت کی ایک تدبیر سمجھنی چاہیے جو اُس نے ہندوستان کی اس یگانہ طاقت سے ارتباط و اتحاد کرنے اور اپنی سیادت میں لینے سے قائم کی، جس کے آگے تمام ہندوستان سر تسلیم خم کرتا تھا۔

ہماری ہندوستانی سلطنت کے تحفظ کے متعلق ہر تجویز مشرق کی تمام بڑی طاقتوں سے عمدہ تعلقات کا قیام ضروری جزو ہونا چاہیے تھا۔ چنانچہ ویلزلی نے اودھ میں اپنی اسی پالیسی پر عمل درآمد کیا اور زماں شاہ کے مقابل اپنی طاقت قوی رکھنے کے لیئے ایران سے اتحاد کیا۔ فروری ۱۷۹۹ء کو اس نے یہ خیالات گورنر بمبئی پر ظاہر کیئے اور چھ ماہ بعد کپتان ملکم کو جسکی قابلیت اور علم کا وہ پہلے سے معترف تھا، سفیر خاص بنا کے طہران بھیجا۔ اس کی سفارت کو پوری کامیابی حاصل ہوئی۔ دونوں سلطنتوں کے درمیان ایک سیاسی اتحاد قائم ہو گیا۔ اس سے صرف یہی فائدہ نہیں ہوا کہ زماں شاہ کے ملک پر دولت ایران نے حملہ کر کے اسکا رخ ہندوستان سے پھیر دیا بلکہ انگلستان کے ہاتھ فرانس اور روس کے خلاف ایک ایسا اتحاد لگ گیا جس نے ہندوستان پر روسی حملے کی حالت میں جو پال اوّل زار روس نے سوچ رکھا تھا، اور اس کا علم ہو چکا تھا، ہر طرح انگلستان کو مدد دینے کا وعدہ کیا۔

اسی کے ساتھ ایک تجارتی معاہدہ ہوا، جسکے ذریعے تمام ایرانی بندرگاہیں برطانوی سوداگروں کی تجارت اور آبادی کے لیئے کھول دی گئیں، اس معاہدے کی قدر و قیمت محتاج بیان نہیں ویلزلی نے اس امر کے متعلق ناظموں کو لکھا کہ "برطانوی حکومت اور ایک ایسی سلطنت کے درمیان مضبوط اور گہرا تعلق قائم ہو گیا ہے جسکے ذرائع اور وسائل اتنے وسیع ہیں کہ وہ نہایت اچھی طرح برطانوی قوم اور ہمارے مشرقی مقبوضات کے دشمنوں کو ہمارے برخلاف مدد دے سکتی ہے[1]" یہ تعلقات جنکی اسطرح ابتدا ہوئی تھی ویلزلی کے انگلستان واپس آنے کے بعد وزارت خارجیہ کے زمانے تک جاری رہے۔ اس نے ۱۸۱۱ء میں سر گور آوسلی کو بھی ایران بھیجا تھا۔

[1] مراسلات ویلزلی جلد دوم ص ۵۸۴

ہندوستان پر حملے کا خطرہ صرف شمال کی ہی طرف سے نہ تھا، ویلزلی کے عہد حکومت کے ابتدائی زمانے میں اس بات کے باور کرنے کے لیے دلائل موجود تھے کہ فرانسیسی اگر مصر میں شاد کام ہوئے تو جنوبی ہندوستان میں پھر قدم جمانے کی کوشش کرینگے۔ ویلزلی نے اس خطرے کا مقابلہ نہ صرف ٹیپو سے جنگ اور جنوب ہند کے راجہ نوابوں سے معاہدہ کرکے کیا، بلکہ اس نے مہم مصر میں عملی مداخلت کی۔ فروری ۱۸۰۱ئہ میں اس نے جنرل بیرڈ کی زیر کمان بحراحمر میں ایک مہم بھیجی، اور شریف مکہ، امام صنعا، سلطان عدن کو خطوط لکھے اور درخواست کی کہ وہ فرانسیسیوں کو مشرق سے نکالنے میں انگریزوں کے شریک ہوں۔ یہ مہم اپنے نتایج کے لحاظ سے تو کچھ ایسی دلچسپ نہیں ہے، اس لیے کہ وہ بالکل معمولی تھے، لیکن اس سے ویلزلی کی تجاویز کی وسعت اور اس مدبر کی جری طبیعت کا حال معلوم ہوتا ہے، جو باوجودیکہ مشرق میں مشکلات سے گھرا ہوا تھا۔ لیکن اس نے مدافعانہ تدابیر پر ہی اکتفا نہیں کیا، (جس پر شائد وہ خزانے کے خالی ہونے کی وجہ سے مجبور رہا ہو) عظیم جزیرہ نما پر جس پر وہ چھایا ہوا تھا حکمت عملی سے کام لیتا، بلکہ اس نے جارحانہ کارروائی کی اور اُس جنگ میں شریک ہوا جو حقیقتہً یوروپین جنگ تھی، اور اپنی مدد میں معاون مشرق کو مغرب کے اُس توازن قوت کے قائم رکھنے کے لیے مدعو کیا، جس کے ٹوٹنے کا اندیشہ پیدا ہو گیا تھا۔

یہ نقل و حرکت درحقیقت ایک بہت وسیع حکمت عملی کا جزو تھی۔ ویلزلی کے منصوبوں میں راس امید کا علاقہ جزائر بوربون، مارشس، فلپائن، اور سیلون شامل تھے۔ راس امید کے متعلق تو اس کا یہ خیال تھا کہ وہ "ہندوستان کی چوکی" ہے، اور اسکی اسے صرف مدافعت کے لیے نہیں بلکہ مقابلے کے لیے ضرورت تھی۔ فرانسیسی جزیروں کی بحری طاقت نے برطانوی تجارت کو علی التواتر نقصان پہنچایا تھا۔ فروری ۱۸۰۰ئہ میں ویلزلی نے بیان کیا کہ جب سے جنگ شروع ہوئی ہے ۲۰ لاکھ پونڈ سے اُوپر مالیت کا اسباب تجارت فرانسیسی چھین کر بندرگاہ سینٹ لوئی میں لے گئے ہیں۔ چنانچہ اسنے مارشس پر قبضہ کرنے کی تدبیر کی۔ اور اگر اسکا بس چلتا تو وہ اس جزیرے کو براہ راست ہندوستان کی حفاظت کے کام میں لاتا۔ یہاں ہر بات کا دار و مدار عمل کی سرعت پر تھا۔ امیرالبحر رینیر نے جو بڑی نمود کا خود سر افسر تھا اور جو ایک بار پہلے ویلزلی کے بے حکم ایسی حرکت کر بیٹھا تھا کہ ویلزلی کی تمام تجاویز میں خلفشار پیدا ہو جائے۔ اب صاف انکار کر دیا کہ بادشاہ انگلستان

کے باضابطہ حکم موصول ہوئے بغیر وہ اپنے ہاتھ پاؤں نہ ہلائے گا۔ ویلزلی نے اسکے جواب میں جو خط لکھا ہے، وہ غصے اور طنز کا استادانہ کلام ہے، اُسکا تھوڑا سا حصّہ مثال کے طور پر پیش کیا جاتا ہے :۔

نہ صرف حکومت ہندوستان بلکہ ملک معظم کی بحری و بری افواج کے سپہ سالاروں کے نام معمولی سرکاری دفاتر کی وساطت سے احکام آئے بغیر اگر غنیم کے ہندوستانی مقبوضات کی عارضی یا اتفاقی کمزوری سے فائدہ نہیں اٹھایا جائیگا تو ظاہر ہے کہ غنیم کی طاقت اور ذرائع کو تسخیر کرنے کے مواقع ہاتھ سے نکل جائیں گے اور پھر کبھی ان پر قبضہ کرنے کی توقع نہیں رہیگی، اور ہم باضابطہ شاہی احکام حاصل کرنے کے متعلق خط وکتابت ہی کرتے رہ جائینگے۔ اس وقت خوش قسمتی سے ایک غیر متوقعہ واقعے نے یہ راز مجھ پر طشت از بام کر دیا ہے، کہ اس حصّۂ زمین میں فرانس کے بعض نہایت قیمتی مقبوضات نہایت کمزور بلکہ غیر محفوظ حالت میں پڑے ہوئے ہیں۔ میرا فیصلہ تو یہ ہے کہ میں اپنے ملک اور ملکِ معظم کے فرائض کی انجام دہی میں بالکل قاصر رہتا اگر میں اس فوج کے ذریعے سے جو میرے تحت میں دیگئی ہے افرانسیسیوں کے اغراض و فوائد کی ابتر حالت سے فائدہ اٹھانے سے پہلے محض ملک معظم کے صاف وصریح احکام کا انتظار کرتا کہ وہ ان سرکاری ذرائع سے مجھے وصول ہوں، جو پارلیمنٹ نے حکومت ہندوستان کے لیئے قائم کیئے ہیں اُن وسیع اختیارات کے ذریعے سے جو مجھے پارلیمنٹ نے دیئے ہیں، ہندوستانی معاملات میں اپنی رائے کو برطانوی سلطنت کی شاہی سند کے صاف حکموں کی بجائے سمجھتا ہوں، جو اپنے اختصار کے باعث ناگزیر نقص سے مملو ہوتے ہیں اور دیر میں پہنچتے ہیں۔

اس ذاتی شعور اور تمیز کے استعمال میں گو مجھ پر بہت بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے، لیکن جب کبھی میں دیکھتا ہوں کہ یہ میرا فرض ہے کہ غنیم عام کے خلاف اپنی مساعی کو بروئے کار لانے کے لیئے ملک معظم کی بحری طاقت کی مدد ضروری ہے، تو میں اُسے فوراً اپنی اعانت کیلیئے مانگ لیتا ہوں۔ موجودہ صورت میں میں محسوس کرتا ہوں کہ ملک معظم کے امیر البحر پر نہ صرف میری درخواست کی تعمیل جائز ہے بلکہ اسے میری مدد کرنیکی کمال ضرورت ہے؛ البتہ اگر اس کے جہازوں کی ایسی حالت ہو، کہ وہ میرے شریک کار ہونے سے معذور ہو، یا اس کا ضمیر یہ فیصلہ کرے کہ میری تجویز ناممکن العمل یا خدمت عامہ کے لیئے باعثِ خطر ہے، تو دوسری بات ہے۔ ملک معظم کے صریح احکام نہ ہونے کے عذر کو نہ تو ملکِ معظم ہی سنیں گے اور نہ پبلک ہی مانے گی

کہ اس باعث ایک پبلک افسر نے غنیم کے خلاف حملے میں مدد دینے سے انکار کر دیا جب کہ وہ حملہ ممکن العمل تھا اور اس میں ملک اور سلطنت کے لیے بہت بڑے فائدے مضمر تھے ۔"

اس کے ساتھ ہی اس نے یہ چبھتا ہوا فقرہ لکھ دیا "جو اصول کہ آپ نے اس معاملے میں اختیار کیا ہے، اگر میں بھی اسی پر عامل ہوتا، تو آج کے دن تسخیر میسور خواب و خیال ہی ہوتی"

اس کام سے مایوس ہونے کے بعد جس میں کہ امید اور کامیابی کی جھلک نظر آتی تھی وہ اس بات پر سخت مصر تھا کہ جس طرح بن پڑے لنکا کو حاصل کر لیا جائے ۔ اس کے متعلق اسکا خیال تھا کہ یہ جزیرہ ہندوستان کی فصیل کے مانند ہے ۔ لیکن اختیارات کی تقسیم نے اس کو بے دست و پا کر رکھا تھا، اور تمام وسائل کے پورے استعمال کی راہ میں جو روڑے اٹک جاتے تھے، ان پر وہ دانت پیس پیس کے رہ جاتا تھا ۔ یہ بات ناقابل برداشت ہو گئی تھی کہ یہاں بھی ملک معظم اور کمپنی، گورنر اور گورنر جنرل میں تفرقہ اور اختلاف واقع ہوتا ہے مسٹر فریڈرک نارتھ سیلون کا گورنر تھا ۔ (جسکا نام ہی اس کے تقرر کی کیفیت کو اچھی طرح سمجھا دیتا ہے) یہ کچھ بہت سمجھدار آدمی نہ تھا ۔ اپنی ۱۸۰۱ء کو ویلزلی نے ایک سخت اور زور دار لب و لہجہ میں ڈنڈاس کے نام خط بھیجا، اور نہایت شد و مد کے ساتھ جزیرۂ سیلون کو تاج کے مقبوضات میں شامل کرنے اور کلکتے کی مرکزی قوت کے تحت میں بالکلیہ دیدینے کی تحریک کی ۔ اسی مراسلے میں انھوں نے بیان کیا کہ ہماری ہندوستانی حکومت کو اعلیٰ پیمانے پر چلانے کے لیئے دو اصولوں کے مدنظر رکھنے کی سخت ضرورت ہے ۔ اول تو یہ کہ ہمارے مقبوضات کے ہر حصّے کو خواہ وہ کسی برّاعظم میں واقع ہو یا کسی جزیرے میں، ایک غیر منقسم حکومت کے تحت میں ہونا چاہیئے' دوم یہ کہ ہر حصۂ ملک کا قانون اساس یکساں ہونا چاہیئے اور ایسی حکومت کے زیر اقتدار ہونا چاہیے جسکو تاج کی طرف سے اختیارات حاصل ہوں لیکن اس معاملے میں بھی اسکی خواہشوں کا خون کیا گیا ۔ یکم جنوری ۱۸۰۲ء کو کمپنی کے تحت سے سیلون کو بالکل نکال لیا گیا مشکلات علی الخصوص ایسے موقع پر جبکہ جزیرے کے اندر اور باہر جنگ چھڑی ہوئی تھی، اس کارروائی سے بجائے کم ہونے کے اور بڑھ گیئں چنانچہ لارڈ ہابرٹ کے نام ایک مراسلے میں ۳۰ نومبر ۱۸۰۳ء کو لکھا گیا تھا، ویلزلی نے واقعات کو اس نئے مطالبے کے ساتھ درج کیا کہ اب بھی جزیرۂ مذکورہ کو گورنر جنرل کے تحت میں دیدینا چاہیئے ۔"

خوش قسمتی سے ویلزلی کے ساتھ ہمیشہ ایسی مزاحمت نہیں کی جاتی تھی جیسی کہ ان آخری چند معاملات میں کی گئی تھی جن کا ہم ذکر کر آئے ہیں۔ خارجی پالیسی کے معاملات میں بھی وہ کبھی کبھی مردانگی سے دفعتہً کام لے لیا کرتا تھا۔ عہد نامۂ ایمیان میں یہ طے پایا تھا کہ ہندوستان کے فرانسیسی مقبوضات فرانس کو واپس کر دیئے جائیں چنانچہ فرانس کا ایک بیڑہ قبضہ حاصل کرنے اور ان کی فوجی قوت از سر نو قائم کرنے کے لیئے روانہ ہوا۔ ایسے وقت میں جبکہ ایک عظیم فرانسیسی جمعیت موسیو پیرون کے زیر کمان شمالی ہندوستان میں موجود تھی، اور جبکہ سالہا سال سے فرانسیسی اثر کو ہندوستان سے بالکل زائل کرنے کی سخت جدوجہد کی جا رہی تھی، ویلزلی اس بات کو ہرگز گوارا نہیں کر سکتا تھا کہ فرانسیسیوں کا پھر قانوناً قبضہ قائم ہو جائے۔ اس نے نہایت بہادری سے فرانسیوں کو ملک واپس نہ دینے کے متعلق فیصلہ کر لیا، اور لارڈ کلائیو گورنر مدراس کو ہدایت بھیجی کہ وہ مزید ہدایات موصول ہونے تک پونڈیچری اور دوسرے قلعوں کی حوالگی سے صاف انکار کر دے۔ فرانسیسی جنرل کی اتنی ہمت بھی کہ حملہ کر بیٹھتا۔ بیڑا اپنا سا مُنہ لیکر ماریشس واپس چلا گیا، اور چھ ماہ کے اندر اندر فرانسیسیوں سے دوبارہ لڑائی ٹھن جانے نے گورنر جنرل کی دور اندیشی اور پیش بینی کو چار چاند لگا دیئے۔ پرتگالی اور ڈچ بستیوں، گوآ اور سرامپور، پر جس عجلت سے اسنے قبضہ کیا ہے، وہ خارجی عمل سے ملکی حفاظت کی پالیسی کے متعلق ایک مختص واقعہ ہے

ویلزلی نے اپنے بھائی آرتھر اور دوسرے بڑے بڑے افسروں کی مدد سے ہندوستان کی جنگی حفاظت کے متعلق جو دعادی کیئے جاتے تھے، وہ درحقیقت اسکی فوجی قوت سے بہت زیادہ بڑھے ہوئے تھے۔ بار بار دشمنوں کے اتحاد سے تباہی اور غارت کا اندیشہ رہتا تھا، لیکن قسمت حاکم کی خود سری اور دلیری کے ساتھ تھی۔ وہ خود اپنی کمزوری سے بے خبر نہ تھا اور برابر انگلستان سے مطالبہ کرتا رہتا تھا، کہ آدمی بھیجو، افسر بھیجو، آلات حرب وضرب بھیجو۔

جنوری ۱۸۰۰ء میں جنرل اسٹیورٹ نے، جس سے زیادہ کوئی شخص آزمودہ کار نہ تھا، ہندوستان کی حفاظت کے متعلق ایک روئداد تیار کی، اور ۱۸۰۱ء میں جب وہ انگلستان واپس گیا تو اس نے ڈنڈاس کے سامنے اُسے پیش کیا۔

سب سے پہلے تو اس نے اس بات پر بہت زور دیا کہ ہندوستان کے ساحل کو

حاصل کر کے محفوظ کر لیا جائے۔ تجارت نے ہمیں اُس سرزمین میں پہنچایا ہے اور تجارت ہی صرف ایک ایسی حقیقی وجہ ہے جو ہمیں اُس ملک میں رکھے گی۔ فتوحات نے ہمیں ایسا بھٹایا کہ ہم ملک کے اندر بڑھتے چلے گئے لیکن دانائی اور عقلمندی نے ہر نئے قدم پر ہمارا ساتھ نہ دیا۔ سمندر کے قریب ہمارے استحکامات اور کوٹھیاں مضبوط تھیں، ہمارا زر و مال مامون، ہماری فوج کو ہر طرح کی آسائش حاصل ہے۔ ملک کے اندر خطرہ کچھ زیادہ نہ تھا۔ "علم و حکمت، دلیری اور ہمت میں جو ہمیں اقوام ہندوستان پر عظیم فوقیت اور برتری حاصل ہے، وہ ہمارے خطرات کو قریب الوقوع نہیں ہونے دیگی"۔ لیکن شمالی ہند سے جو حملے کا خطرہ تھا، اسکا سدِ باب تو کر دیا گیا تھا، مگر اسکا خاتمہ نہیں ہوا تھا۔ سکندر اعظم کا راستہ ابھی تک کھلا ہوا تھا صرف اتنی کسر تھی کہ کوئی بہادر اٹھے اور شمال کی وحشی اقوام کو لیکر ہندوستان کے میدانوں میں آنازل ہو۔ فرانس کا اس سے بھی زیادہ خطرہ تھا۔ ہندوستان میں فرانسیسی ہمیشہ اور اب بھی ہم سے زیادہ ہر دلعزیز ہیں۔ دیسی نواب راجاؤں کے درباروں میں ان کی ہم سے زیادہ عزت اور خاطر و مدارات کی جاتی تھی۔ شاہ دکن کا دربار اسکا شاہد ہے کہ اُنھوں نے کتنی آسانی سے وہاں قوت و اقتدار حاصل کر لیا تھا۔ ہم نے ان کے دلوں میں خوف پیدا کر کے زور اور قوت کے ذریعے انھیں حیدرآباد سے نکالا لیکن وہاں یا کہیں اور انھیں ذرا بھی پنجے ٹیکنے کو موقع ملا تو وہ فوراً جا جمیں گے۔ صورتِ حالات کی یہ ایک عام تصویر کھینچنے کے بعد، جسکا اصل منشا یہ تھا ہمیں کسی اندرونی دشمن سے اتنا خدشہ نہیں ہے، جتنا بیرونی سے، جنرل اسٹیورٹ نے برطانوی اقالیم کے مورچوں اور استحکامات پر تفصیلی نظر ڈالی، اس نے کہا کہ لنکا کو ہمیں حاصل کر لینا چاہیئے اور وہاں نہایت مستحکم قلعے بنانے چاہئیں۔ بنگال، خوفناک دریا اور مضبوط قلعے کے باعث ہر طرف سے محفوظ ہے، صرف اسکی شمالی سمت کمزور ہے سرحدوں پر قلعوں کی تعمیر ضروری ہے اس لیئے کہ شمالی اقوام فنِ محاصرہ سے نابلد ہیں۔ مدراس کی ایک زبردست جمعیت سے حفاظت کرنی چاہیئے۔ اب رہا مغرب، یہ ایک ایسی سمت ہے، جسکی طرف کے خطرے سے بہت ڈرنا چاہیئے۔ مغربی ساحل زیادہ تر مرہٹوں کے ہاتھ میں ہے۔ اور وہیں ہماری تجارت ہے۔ اگر فرانسیسی آجکے دن سورت میں اُتر آئیں، تو ہماری تجارت کو سخت صدمہ پہنچیگا۔ اور اگر مرہٹوں سے ملکر

گجرات میں آجائیں، تو پھر وہ بنگال سے بھی زیادہ خوفناک ثابت ہوں گے۔ ان تمام کوائف کو بیان کرنے کے بعد جنرل اسٹیورٹ نے جو نتیجہ پیش کیا، وہ یہ تھا کہ ہمیں ہر ممکن طریقے سے گجرات پر قبضہ حاصل کرنا چاہیئے۔ "گجرات ہمارے شمال اور مغرب دونوں کے لیئے یکساں محافظ اور ضامن ثابت ہوگا۔ اور یہاں ہماری تجارت کے لیئے ایک نیا مرکز قائم ہو جائیگا، اور یہ ملک بھی ایسا ہے کہ جسکی آسانی سے حفاظت بھی کیجا سکتی ہے۔ اسی سلسلے میں یہ کہدینا چاہیئے کہ خوش قسمتی سے ۱۸۰۲ء میں میجر واکر کی مضبوطی اور تدبیر سے گائیکوار سے ایک عہدنامے کے ذریعے گجرات کمپنی کے قبضہ و تصرف میں آچکا تھا۔"

ویلزلی کو شمال مغربی سرحد کی بہت پہلے فکر تھی۔ اکتوبر ۱۷۹۸ء میں سر جیمس کریگ نے جو مختلف سیاسی اور فوجی سفارتوں میں کام انجام دے چکا تھا، شمال سے حملے کو مدِنظر رکھکر ایک مکمل رپورٹ اُس ضلع کی حالت پر بھیجی۔ اس نے اودھ کے متعلق بیان کیا کہ وہ بالکل غیر مصئون ہے۔ "الہ آباد کے علاوہ، اور اسکو بھی پورے طور پر قلعہ نہیں کہا جاسکتا، اودھ میں اور کوئی قلعہ یا مستحکم مقام نہیں ہے۔" جب صورتِ حالات یہ تھی، تو حفاظتِ ملک کے لیئے بے حد ضروری تھا کہ مرہٹوں سے اتحاد کیا جائے، "تاکہ ان کی امداد و اعانت سے شمالی حدود کو آگے بڑھا دیا جائے؛ اور باہمی حفاظت اسکی سلامتی کی ضامن ہو۔ لیکن اسکے باوجود الہ آباد کے توپ خانے کے علاوہ بیس ہزار آدمیوں کی اور ضرورت تھی۔ تاکہ مرہٹوں کے ذریعے سکھوں اور راجپوتوں سے اتحاد پیدا کرکے اپنی طاقت کو زیادہ زبردست اور اپنی حفاظت کو زیادہ مصئون کر لیا جائے۔"

جب ہم ان تجاویز سے قطع نظر کرکے ہندوستان میں اس وقت کی برطانوی افواج پر نظر ڈالتے ہیں، تو تعجب اور حیرت میں غرق ہو جاتے ہیں۔ بلاشبہ اس وقت کے بڑے بڑے افسروں میں سے بھی صرف دو چار ہی کو اس بات کی خبر ہوگی کہ ہماری جنگی قوت کسقدر ابتر اور ناکافی تھی وہ ہماری خوبیِ قسمت تھی کہ ہمارے دشمن اس بات سے بالکل ہی بے خبر تھے۔ گورنر جنرل کے لیئے جو وقتاً فوقتاً رپورٹیں تیار ہوئیں، اُن سے یقینی طور پر معلوم ہوا ہے، کہ کسی وقت میں ہر قسم کی فوج ملانے کے بعد چودہ ہزار سے

یوروپین سپاہ زیادہ نہ ہوئی - ہندوستانی اور برطانوی سپاہ کے سامانِ رسد اور آلاتِ حرب وضرب کی تفصیل سر جیمس کریگ نے ایک دوسرے خط میں دی ہے، وہ دراصل ہے تو ایک ضلع کی تفصیل، مگر اسے بلا تامل وسیع رقبے پر عائد کیا جاسکتا ہے - وہ کہتا ہے کہ "ہمارے ذخائر اس درجہ ناکافی ہیں کہ ہم آگے بڑھنے کی ہمت نہیں کر سکتے کہ ہم ان کے ذریعے مرہٹوں کا اتحاد مول نہیں لے سکتے، ہمارے پاس بندوقوں کے کل فی کس ۱۲۰ کر بیٹیاں ہیں، اور ہمارے رسالے کی چھوٹی چھوٹی بندوقوں کے لیئے تو کل چالیس ہی چالیس ہیں - اسقدر کم گولی بارود کے ساتھ میرا دل تو اوٹھتا نہیں کہ میں دریائے گنگا سے ایک قدم آگے بڑھاؤں - اور میں سخت کشمکش و پیچ میں ہوں، کہ جتنے عرصے میں ہمیں مزید گولی بارود کی ضرورت ہوگی، اتنی مدت میں کس طرح وہ آسکے گا ہمارے توپ خانے کے لیئے کل ۳۰۰ پیٹیاں گولے بارود کی موجود ہیں، لیکن ہماری ضروریات سے یہ بھی کسی قدر کم ہیں" خاص کر اس حالت میں کہ ہمارا یہ گودام الہ آباد یا چنار کی نسبت آسانی سے ممکن الحصول ہے - یہاں سے بہ مقابلہ ان دونوں جگہوں کے ہم زیادہ آسانی سے گولہ بارود حاصل کر سکتے ہیں - الہ آباد تو ہمارا بڑا ذخیرہ گاہ ہونا چاہیئے جس میں ہر قسم کے آلات حرب وضرب ہر نوع کی ضرورت کے لیئے موجود رہنے چاہئیں، تاکہ وقت پر آڑے آسکیں، لیکن ہمارے ساتھ ایک ذخیرہ الگ رہنا چاہیئے، جس میں الہ آباد سے علی التواتر آلاتِ حرب و گولہ بارود فراہم ہوتا رہے، تاکہ یہ ذخیرہ ہمارے ساتھ منزل بہ منزل چلتا اور آگے بڑھتا رہے، اور ہماری کمیوں کو پورا کرتا رہے" آخر میں اس نے کہا کہ "آپ کی خدمت میں میں اگر یہ عرض کروں تو آپ اسے میرے وہم وگمان پر محمول نہ کریں کہ مجھکو انتظام کی اس سے کہیں زیادہ ضرورت معلوم ہوتی ہے جتنا کہ لوگ ضروری سمجھے بیٹھے ہوے ہیں - یہ بات بالکل آسان ہے کہ ہم اپنی قسمت کے فیصلے کو صرف اسی جنگ پر منحصر کر رہے ہیں اور بدقسمتی سے یہ ایک ایسا طریقہ ہے کہ بغیر زیادہ تکلیف اٹھائے اسپر عمل کیا جا سکتا ہے"

اگر اس تفصیل کو جو بالکل درست ہے، نمونہ قرار دیا جائے، تو پھر جو کچھ ویلزلی نے ۱۳- جولائی ۱۸۰۰ء کو ڈنڈاس کو برطانوی آبادی کی ضروریات کے متعلق لکھا تھا،

مبالغہ آمیز تصور نہیں کیا جائے گا۔ یہ اس خط کے بہت ہی احتیاط سے لکھے بیانات میں سے ہے، بالکل صاف ہے، بالکل واضح ہے اور عملاً بالکل درست ہے، اور اس دل و دماغ سے باحسن وجوہ مختص ہے، جس نے اتنی محنت اور تحقیق کے ساتھ اُن طریقوں اور ذریعوں کو صفحۂ قرطاس پر رقم کیا تھا، صرف جن سے رفیع الشان کامیابیاں حاصل ہو سکتی ہیں۔ اس نے صاف طور پر اس بات کو بتایا کہ فتح و نصرت کی ضروریات کے لیئے فوجی طاقت میں اضافہ لابدی ہے۔ اگرچہ بعض اضلاع سے خطرے کا خدشہ گھٹ بھی جائے، تاہم ہمارا وہ ملک جس کی حفاظت کی ہمکو ضرورت ہے، بہت بڑھ جائے گا۔ برطانوی افواج کی تعداد ہمیشہ دیسی افواج سپاہیوں اور بے قاعدہ رسالے کے متناسب ہونی چاہیئے۔ ہندوستانی فوج میں اضافے کی ضرورت ناگزیر ہو گئی تھی، مگر اس کے برخلاف برطانوی افواج میں بہت کم آدمی داخل کئے گئے، اتنے کم کہ بیماری اور جنگ کے باعث اسکی صفیں جو چھدری ہو گئی تھیں، وہ بھی نہیں پوری بھری گئیں تھیں۔ مدراس کی رجمنٹوں (شاہی فوج) میں بجائے بارہ سو کے کل پانسو آدمی کام کے لائق رہ گئے تھے۔ معلوم ہوتا تھا شاہی پیادہ فوج کی کل تعداد گیارہ ہزار رہ گئی تھی، یعنے اس میں آٹھ ہزار سے زیادہ آدمی کم ہو گئے تھے۔ کمپنی کی فوج ملا کر اسکی کل تعداد ممکن ہے کہ چودہ ہزار ہو جاتی لیکن ان میں بھی بیماروں کا اوسط بہت بڑھا ہوا تھا، اور یوروپینوں کی ایسی کل تعداد جو میدانِ جنگ میں جانے کے قابل تھی، ساڑھے دس ہزار رہ گئی تھی، اس بات کے ثبوت کی ضرورت نہیں کہ اس وقت یہ فوج کمپنی کے تمام ملک کی حفاظت کے لیئے قطعاً ناکافی تھی، اور ویلزلی نے جو یہ بیان کیا تھا کہ صرف ملک کی حفاظت کے لیئے تیس ہزار آدمی درکار ہیں، اس میں کوئی مبالغہ نہ تھا۔ ویلزلی نے اس بات پر زور دیا تھا کہ یہ تمام پیادہ فوج شاہی ہونی چاہیئے۔ مزید برآں ہم اس مسئلے کی اہمیت کو بیان کر چکے ہیں کہ تاج کے اختیارات منقسم نہیں ہونے چاہییں۔ کمپنی کی افواج کے متعلق اسکا خیال تھا کہ جہاں تک ممکن ہو، انھیں توپ خانے میں منتقل کر دیا جائے، تاکہ یہاں کی خالی شدہ صفوں کو پُر کر دیا جائے۔

ڈنڈاس کا جواب جو چھ ماہ بعد لکھا گیا تھا، اِن مشکلات کو نہایت بیّن طور پر

ظاہر کرتا ہے، جن کا سامنا ہندوستان کے برطانوی حاکموں کو کرنا پڑتا تھا۔ روپے کی کمی سب سے بڑی بات تھی جو عام طور پر ہر کام کے کرنیکے لیئے بیان کردیجاتی تھی۔ اور ایسے مراسلات میں ٹیپ کے بند کا کام دیتی تھی۔ روپیہ ہی نہیں تھا، جو فوج کو دیا جاتا، یا قرضے ادا کیئے جاتے۔ اس پر طرہ یہ کہ ڈنڈاس ویلزلی کے بیانات کو صحیح نہیں سمجھتا تھا اور نہ توسیع شدہ سلطنت کی ضروریات کا اعتراف کرتا تھا۔ غنیم کی طاقت نہ کہ ہماری مقبوضات کی وسعت کی نسبت ہماری فوجی قوت کا اندازہ لگانا چاہیئے۔ اس کے علاوہ اسی میں اور بہت سے دلائل پیش کیئے گئے تھے جو بہر حال ایک سول افسر اور ساہوکار کے نقطۂ نظر سے نہایت معقول اور پرمغز نظر آتے تھے۔ لیکن بایںہمہ ڈنڈاس کا خیال یہ تھا کہ:۔

ہندوستان کے متعلق سردست میرا اعتقاد اس پر ہے کہ کوئی نیا کام، کوئی نئی کوشش نہ کی جائے تا وقتیکہ یہ اچھی طرح نہ جانچ لیا جائے کہ ہر روپیہ جو اُس پر صرف ہوگا، اسکا فائدہ کیا ہوگا!

گویا اس کے معنے یہ تھے کہ بڑی بڑی اقوام پر حکومت کرنے کی تمام مساعی پینوں کے لیئے نفع و نقصان مبنی کردیئے جائیں۔ ومبلڈن یا وھائٹ ہال کے کمروں میں بیٹھکر یہ لکھدینا تو بڑا آسان کام تھا کہ کسی معاملے میں پیش قدمی کرنے کی اجازت نہ دی جائے۔ لیکن نوخیز ہندوستانی سلطنت (کیونکہ اب یہ سلطنت کا ہی رتبہ حاصل کرچکی تھی) کا دارومدار اسکی نشوونما ہی پر موقوف تھا۔ اور اس حقیقت نفس الامری کو تمام گورنر جنرلوں کو جلد یا بدیر مجبوراً تسلیم کرنا پڑا تھا۔ توسیع مملکت کو اب کوئی نہیں روک سکتا تھا، اور کمپنی کے ہاتھوں میں ایک علاقے کے بعد دوسرا علاقہ اسطرح آرہا تھا، جیسے کہ ذرا تیز ہوا چلنے سے پیڑ میں سے پکے پکے پھل یکے بعد دیگرے گرتے ہیں۔ لطف یہ ہے کہ اسکے ذرائع اتنے ناکافی تھے، کہ ہنسی آتی تھی، اور گلبن آرزو پر پھول اتنے لگتے تھے، کہ جنکا سان گمان بھی نہ ہوتا تھا۔ یہ تو اول سے ہی مشکل تھا کہ توسیع مملکت کا ساتھ دیا جاتا، اور ترقی کا قدم پہلو بہ پہلو اٹھتا، مگر اس سے پیچھے رہ جانا (اگر وہ ممکن ہو) قطعی طور پر مہلک ثابت ہوتا۔

لیکن قطعاء فوجی ضروریات کی طرف سے اندھے ہورہے تھے۔ کمال یہ ہوا کہ انھوں نے حکم ناطق بھیجدیا کہ ۱۸۰۱ئہ کے اختتام پر ہندوستان کی تمام برطانوی فوجوں میں تخفیف کردی جائے۔ یہ کارروائی گورنر جنرل کے طرز عمل کی ایسی

بین توہین تھی، کہ اُس نے نہایت ملال کے ساتھ ایڈنگٹن کو ایک تفصیلی خط لکھا، اور اس میں اپنے مستعفی ہونے کی خبر دی۔ اس حکم کی تعمیل تمام فتوحات کو خطرے میں ڈالے بغیر ناممکن تھی، علیٰ ہذا یہ بھی ناممکن تھا کہ مرہٹوں سے اتنی ناکافی فوج کے ساتھ جنگ چھیڑ دی جاتی۔ ویلزلی نے لہذا ناظموں کے حکم کو ساقط رکھا، اور بعد میں واقعات کی رفتار نے اسکی تعمیل کو ہمیشہ کے لیئے بالکل ناممکن کر دیا۔ اس حکم کے خلاف اپنی حقارت اور نفرت کو بڑے تلخ الفاظ میں ظاہر کیا:-

میں نے کامل غور و خوض کرنے اور ہندوستان کے تمام آزمودہ کار افسروں سے مشورہ لینے کے بعد اپنے خاص حکم سے فوج میں اضافہ کرایا تھا، لیکن ناظموں نے فوج کی توسیع کے اصول کو یکسر خارج کر دیا۔ اور بیان کیا کہ فوج میں اضافہ غیر ضروری ہے۔ اور قابل اعتراض طریقے پر کیا گیا ہے، اور جس تخفیف کا حکم دیا ہے اس میں میرے اختیار ذاتی کی کوئی گنجائش نہیں رکھی۔ اس حکم کے اور کوئی معنے نہیں ہو سکتے بجز اسکے کہ ناظموں کی مجلس نے میرے طرز عمل کے متعلق یہ فیصلہ کیا ہے کہ جزیرہ نمائے ہندوستان میں جو سلطنت ۱۷۹۹ء میں قائم ہوگئی ہے، اسکے استحکام کے لیئے جتنی فوج کی ضرورت ہے، اس سے میں بے خبر اور ناآشنا ہوں، یا یہ کہ میں نے بغیر کافی ضرورت کے غفلت شعاری یا شرارت سے بمبئی اور مدراس میں فوج بڑھا دی ہے[1]۔

یہ بات زور سے کہی جا سکتی ہے کہ ویلزلی نے ہمارے محافظ ملک عملے کے متعلق جو ضرورت بیان کی ہے اس میں مبالغہ غلو کے درجے تک پہنچ گیا تھا۔ لیکن اس معاملے میں اس کی تیز نظر اور اعتدال پسند بھائی کی رائے اور رضا اس کی رائے کے ساتھ شامل تھی۔ آرتھر کا اندازہ ایسا جچا تلا ہوا تھا کہ کسی دوسرے جنرل کو کبھی یہ بات حاصل نہ تھی وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ ایک چھوٹی سی فوج سے کیا امکانات اور توقعات ہو سکتے ہیں۔ آرتھر ویلزلی نے اس موضوع پر علی التواتر مراسلات بھیجے اور ہندوستان سے چلے جانیکے ایک عرصے بعد بھی اسی بات پر زور دیا۔ مثلاً اس نے مارچ ۱۸۱۲ء میں ایلواز سے ایک خط ٹونڈاس (جواب لارڈ میلول ہو گیا تھا) کے نام لکھا اور من و عن وہی رائے دی جو اس نے دس سال پیشتر اسکے بھائی ویلزلی نے دی تھی۔ اس خط میں تمام سفارشوں کا لب لباب

[1] مراسلات ویلزلی جلد سوم ص ۴۔

یہ تھا کہ مشرق میں یوروپین فوج شاہی ہونی چاہیئے! اور دیسی فوج کمپنی کی، اور موخرالذکر صرف اسوقت تک جبتک کہ کمپنی ہندوستان میں فرمان روا رہے۔ تاج برطانیہ گورنر اور کمانڈر انچیف دونوں کو نامزد کردے کیونکہ اسطرح دونوں کے درمیان نزاع کے مواقع کم پیدا ہوں۔ اور "تمام ملکی اور فوجی اختیارات قانوناً گورنر با جلاس کونسل کی تفویض میں دیدیئے جائیں۔ قانون حکومت میں اور کسی حاکم کے اختیارات کا اعتراف نہ کرے"۔ انھوں نے اس بات کو نمایاں طور پر ظاہر کیا کہ "ناظموں کو دخل درمعقولات دینے یا فوجی تربیت میں مخل ہونیسے روک دیا جائے اور یہ معاملہ بڑا سنگین ہے کہ انڈیا ہاوس کو اجازت دی جائے کہ وہ ہندوستان کے حاکموں کے موقع بے موقع کچوکے لگاتے رہیں"۔

ویلزلی کا اصرار جو ضد کی حد تک پہنچ گیا تھا، انجام کار بے نتیجہ نہیں رہا۔ آخرش انگریزوں کو فوج میں معتدبہ اضافے کی ضرورت نظر آنے لگی کیسل ریگ نے ۱۸۰۳ء میں لکھا کہ وہ ہمیشہ سے متردد رہا ہے کہ کسی طور سے فوج، علی الخصوص یوروپین فوج میں اضافہ کردیا جائے[1] آخرکار فوج کو بڑھایا گیا، لیکن گوروں کی فوج کو نہیں۔ ویلزلی کے ہی عہد حکومت میں بنگالی پیادہ فوج کی ۲۸ پلٹنوں کو بڑھا کے (۵۰) پلٹنیں کردی گئیں بمبئی میں ۱۲ پلٹنوں کی ۱۸ کردی گئیں۔ مدراس میں ۳۰ تھیں، ان کو بڑھا کر ۵۰ کردی گئیں اور اسی تناسب سے کمپنی کے رسالے اور توپ خانے کو بڑھا دیا گیا۔ پھر گوروں کی فوج میں اضافے کی باری آئی۔ اور اگرچہ ان کی تعداد کو ہندوستان میں بڑھا دیا گیا۔ لیکن اسکے ساتھ ہی یہ کیا گیا، کہ کمپنی کی انگریزی فوج کو منتشر کردیا گیا۔ اور صرف ہر صوبے میں ایک رجمنٹ رہنے دی گئی۔

اسطرح ویلزلی کے دو بڑے مقصد پورے کردیئے گئے اول تو فوج کو بڑھایا گیا اور دوم اس کو ایک حاکم کے تحت میں کردیا گیا۔ لیکن اسوقت اس عظیم خطرے کا خیال نہیں کیا گیا کہ دیسی سپاہیوں کی تعداد انگریزی فوج سے باللحاظ تناسب بہت زیادہ کردی گئی ہے یہاں تک کہ اس سے پچاس سال بعد غدر کے خوفناک موقع پر ویلزلی کی تنبیہ بروئے کار آئی، اور اس کا انسداد کیا گیا۔

[1] انڈیا آفس کے قلمی نسخوں میں کیسل ریگ کے خطوط کی ایک جلد ہے جس میں یوروپین فوج کی حالت سے بحث کی گئی ہے۔ یہ خطوط ۱۸۰۳ء سے ۱۸۰۵ء تک محررہ ہیں (قلمی نسخوں کے مثل ۲ اور ۱۴۶ جلد ۱۲۰ دیں ملاحظہ ہو)

ساتویں فصل

مالیہ، تجارت اور ناظموں سے مناقشے

کسی تجارتی کمپنی کے سب سے بڑے نوکر کے لیئے اگرچہ وہ اسکے لیئے کوئی خاص دلچسپ چیز نہ بھی ہو تب بھی بظاہر اس کا فرضِ اولین مالیہ کا انتظام اور نگرانی ہوا کرتا ہے۔ ویلزلی گو ایک عاقل و فرزانہ کارگزار آدمی تھا۔ لیکن ایک فطری طور سے مدبّر مال نہ تھا اس میں اچھے عامل انتخاب کرنے، اچھا کام تاڑنے کسی نظام کے نقائص کا کھوج لگانے کی قابلیت تھی اور یہی اوصاف ہیں جو بڑے آدمیوں میں ہوا کرتے ہیں، اور انہی کے ذریعے وہ زیرکی اور دانائی سے ایسے معاملات، جن میں وہ کچھ جدّت نہ دکھا سکیں، اہتمام و نگرانی کر لیا کرتے ہیں۔ ویلزلی پہلے مدبّر، پھر سپاہی، پھر سیاست داں، اور سب سے اخیر مدبّر مال تھا۔ مگر ان تمام شعبوں میں وہ اپنے زمانے میں یکتا تھا۔ اور کوئی اس کے سامنے نہیں ٹھہر سکتا تھا۔ انگلستان میں کمپنی اپنے کو اب تک یہی سمجھتی، کہ وہ ایک بڑی تجارتی کوٹھی ہے۔ گو ویلزلی کے دورانِ حکومت میں اس کی مجلس کو آہستہ آہستہ یہ محسوس ہونے لگا تھا کہ سیاسی اغراض و مقاصد اور تدبیر حکومت کا دائرہ وسیع ہوتا جاتا ہے، اور مملکت بڑھتی جاتی ہے لیکن ان کی نگاہ ہر وقت اس پر لگی رہتی تھی کہ منافعِ حصص کتنا وصول ہوگا۔ وہ دن گزر چکے تھے، جب پندرہ لاکھ پونڈ کی آمدنی تھی، اور تیس لاکھ پونڈ سے اوپر قرضہ تھا، اور کمپنی پھر بھی ۱۰½ فی صدی منافع تقسیم کیا کرتی تھی اور اسے قائم رکھنے کے لیئے پارلیمنٹ سے درخواست کرنے کو تیار رہتی تھی، حکومت کی نگرانی اور منشور خسروی کی تجدید نے سنہ ۱۷۸۴ء اور ۱۷۹۳ء کے درمیان یہ فرق پیدا کر دیا تھا، لیکن حصہ داروں کی اب تک یہ خواہش تھی کہ وہ تاجر ہی رہیں، اور فرماں روا نہ بنیں۔ ناظموں اور مالکوں کی نگاہیں اب بھی اس بات پر لگی ہوئی تھیں، کہ ان کی آمدنی میں کوئی فرق نہ آئے، اور اُن کے بیٹوں اور رشتہ داروں کے لئے معقول آسامیاں موجود رہیں اُن کی رائے میں بہترین گورنر وہ تھا جسکے زمانے میں معقول منافع تقسیم ہو، اور موٹے موٹے حصے داروں کے عزیز و اقارب کو اچھی اچھی نوکریاں

مل جائیں لیکن وہ شخص جو آلات حرب وضرب کو بڑھائے، ملک کو تہ وبالا کرے، اور کمپنی کے عمال کے عزل ونصب میں اپنی مرضی سے کام لے گئے کمپنی کی مجلس کی برہمی کے لیئے پورے سامان پیدا کر دیتا تھا۔

ویلزلی نے ہندوستان آنے کے چند روز بعد ہی تینوں احاطہ جات کی مالی حالت کے متعلق صاف صاف معلومات حاصل کرنے کی جستجو کی۔ ۱۲ جون ۱۷۹۸ء کی روئداد میں اس نے بیان کیا کہ میرا مصمم ارادہ ہے کہ میں تمام پبلک دفاتر کی نظر ثانی کروں، اور اس کام میں ایک کمیٹی سے مدد لوں، جسکا سکریٹری مسٹر ایچ سینٹ جارج ٹکر کو جو صوبۂ بنگال میں ایک نوعمر سویلین ہے، بناؤں۔ معاملات کی حالت کو سر آرتھر ویلزلی نے اسطرح اجمالاً بیان کیا ہے کہ:۔

جسوقت ویلزلی ہندوستان آیا ہے، تو کمپنی کی سالانہ آمدنی (۸٫۰۵۹٫۸۸۰) پونڈ تھی۔ قرض کی رقم (۱۰٫۸۶۶٫۵۸۸) پونڈ تھی۔ جو ۱۷۹۳ء کے بعد بڑھ گئی تھی۔ اسکا سالانہ سود (۷۶۴٫۹۳۳) پونڈ تھا، سود بھی ۱۷۹۳ء کے بعد بڑھ گیا تھا حکومتِ ہند کے اخراجات کی کل رقم جس میں قرض کا سود بھی شامل تھا، (۸٫۱۷۸٫۶۲۶) پونڈ تھی۔ خرچ کے مقابل میں آمدنی میں کمی، ایسے زمانے میں جبکہ ہندوستان میں ہر سمت میں امن وسکون تھا، (۳۲۲٫۵۳۰) پونڈ تھی۔ معہذا کمپنی کی ساکھ حد درجہ گری ہوئی تھی۔ بنگال میں ۱۲ فی صدی شرح سود پر بھی روپیہ قرض نہیں ملتا تھا، کمپنی کے تمسکات اور کفالتوں کی اس شرح پر بنگال میں شہرت دیگئی، علی ہذا بمبئی اور مدراس کے احاطوں میں بھی اسی قدر نقصان کے ساتھ اعلان کیا گیا، لیکن ہر جگہ اسکا بازار کاسد تھا، اور تینوں صوبوں میں کسی نے انھیں نہیں پوچھا۔ مرہٹوں سے جنگِ عظیم کا خدشہ تھا۔ کمپنی کے عمال مالیہ سخت حیران تھے، کہ صلح وامن کے زمانے میں بھی حکومت کے معمولی کاروبار چلانے کے لئے ذرایع نظر نہیں آتے، تو آگے چل کر کیا ہوگا۔[1]

لیکن نئے گورنر جنرل نے صرف نے میں کسی نہ کسی طرح بالکل ایک نئی روح پھونک دی۔ بقول مسٹر ٹارنس "ساہوکار اور سوداگروں کو جب نظام مملکت کے ہر شعبے میں حد درجہ سرگرمی اور ترقی نظر آئی، تو ان کی ہمتیں بندھ گئیں اور انھوں نے سرکار کو بڑی بڑی رقمیں دینی شروع کر دیں۔ حالانکہ چند ماہ پیشتر ان کی یہ کیفیت تھی کہ وہ خزانے کے تمسکوں پر بڑا سخت سود لیئے بغیر وہ

[1] انتخاب مراسلات ویلزلی مولفہ آون ص ۷۰ ، ۷۱۔

روپیہ ادا نہیں کرتے تھے۔" صرافے میں جس ساکھ کی ابتدا اسطرح ہوئی تھی، وہ ویلزلی کے تمام عہدِ حکومت میں برابر جاری رہی، باوجودیکہ اس دوران میں سلطنت کے ذرائع پر بڑی لے دے مچی رہی، اور حد درجہ روپیہ صرف ہوا۔ گورنر جنرل باجلاس کونسل ۲۸ جنوری ۱۸۰۰ء کی رپورٹ میں اس بات کا اعلان کرنے کے قابل ہوگیا تھا کہ گزشتہ تین سال کے مقابلے میں اس سال سرکار کی ساکھ کہیں زیادہ بڑھی رہی۔ "آج کے دن آٹھ فیصدی پر پانچ فیصدی بٹہ تھا اور چھ فی صدی پر تقریباً ۱۳½ فی صدی۔" ناظموں نے سونے اور چاندی کی ایک بہت بڑی مقدار ہندوستان بھیجدی تھی، اس سے مالی بار ایک بڑی حد تک ہلکا ہوگیا تھا، اور لوگوں کی پورے طور پر دلجمعی ہوگئی تھی۔ کیونکہ اطمینانِ خاطر ہی ایک ایسی چیز ہے، جو تجارتی کاروبار کو حُسن اسلوب سے چلانے کے لیئے ازبس ضروری ہوتا ہے۔ اسی سال ماہ مارچ میں ویلزلی نے صورتِ حالات میں ترقی کا اعلان کیا، اور اس میں ترقی پذیر سود و بہبود دکھائی۔ قرضہ ایسا ہوگیا تھا کہ اس پر قابو کیا جا سکے اور سود کی شرح گھٹتی جاتی تھی۔ گورنمنٹ کے مزید قرضے خوشی خوشی قبول کیئے گئے تھے، اور شرایط بھی اچھی تھیں۔ صیغۂ مال کا انتظام مسٹر ٹکر کے تحت میں کردیا گیا تھا، اس نے اس خوبی سے اس کا اہتمام کیا کہ نظام مالیہ میں بے حد ترقی ہوئی، اور قرض کے متعلق تمام خوف زائل ہوتے گئے۔
جولائی ۱۸۰۳ء میں ویلزلی نے کیسل رے کو ایک خط لکھا تھا، جبکہ قرض کے متعلق بڑے اندیشے ظاہر کیئے جارہے تھے:-

ہمارے ہندوستانی قرض کو جو اب ہمارے سالانہ محاصل سے تناسب ہے ۱۷۹۸ء سے سرکاری قرضوں کی شرح سود میں جو تخفیف عمل میں آرہی ہے، قرض اتارنے کے متعلق ہندوستان میں قائم کردہ متفرق فنڈ کی رقم اور عمل سرکاری کفالتوں کی بازار میں اعلیٰ ساکھ، اور ہمارے ذرائع محاصل کے تمام شعبوں کی ترقی پذیر اور عمدہ حالت آپ کو مطمئن کردے گی کہ ہندوستان کے قرض کے بار اور وسعت کے متعلق مبالغہ آمیز خوف وخطر کی اشاعت کی جارہی ہے، اور فرانس کے ساتھ جنگ کی حالت میں اسکا وجود ہندوستان کے لیئے کوئی خاص خطرہ تصور نہیں کیا جاسکتا۔

اس کے بعد پھر جولائی ۱۸۰۴ء میں اس نے لکھا کہ "سرکاری ساکھ روز افزوں ترقی پر ہے"، "شرح سود میں تخفیف ہورہی ہے اور قرض اتارا جارہا ہے"۔
مسٹر ٹکر نے اپنے عہدے سے ۱۸۰۴ء میں استعفا دیدیا، لیکن مستعفی ہونے سے

پہلے اس نے کلکتے میں ایک بڑا بنک قائم کرنے کی مفصل تجویز قلمبند کر دی تھی۔ ایک خط میں جسکی نقل دفتر ہند کے فشر پیپرز[1] میں موجود ہے انھوں نے اسکے مستقل قیام سے قبل عارضی انتظام کا نقشہ کھینچا ہے اور وہ تجویز پیش کی ہے جس پر اسے چلانا چاہئے اس کے بڑے فائدوں میں اس نے یہ بیان کیا ہے کہ اوسط درجہ سود پر اُن سوداگروں کو سکۂ رائج میں قرض دیا جائے گا جنھیں کہیں اور قرض نہیں ملتا اور اگر ملتا ہے تو بہت زیادہ اور جابرانہ شرح سود پر۔ نیز اس کے ذریعے خزانے کے تمسکات کے مقابلے میں چھوٹے چھوٹے نوٹ[2] جاری کیئے جائینگے۔

مالیے کے مسئلے سے وابستہ خانگی تجارت[3] کا مسئلہ تھا۔ وہ اجارہ جسکی کمپنی نے اتنی بدگمانی اور سختی سے حفاظت کی تھی ۱۷۹۳ء میں تجدید منشور خسروی کے موقع پر محدود کر دیا گیا تھا۔ خانگی تجارت کرنے والوں کو اجازت دیدی گئی تھی کہ وہ تین ہزار ٹن مال ہندوستان سے منگا سکتے ہیں۔ لیکن یہ بات عیاں تھی کہ تجارت کی عظیم وسعت کے لحاظ سے یہ مقدار بالکل ناکافی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ ۹۸-۱۷۹۷ء میں بنگال سے چھ ہزار ٹن سے اوپر مال آچکا تھا اور ۱۸۰۰-۱۷۹۹ء میں سات ہزار ٹن سے بھی کچھ بڑھ گیا تھا۔ کمپنی نے ہر صورت سے خانگی تجارت کی سخت مخالفت جاری رکھی لیکن حکومت نے ترمیم شدہ صورت میں اسکو بڑھانے کی کوشش کی۔ ڈنڈاس نے ۱۷۹۳ء میں لندن کے جہاز سازوں کو آگاہ کیا کہ کمپنی کے علاوہ دوسرے ذرائع سے ہندوستانی مال انگلستان بہت کچھ آجاتا ہے، اور برطانیہ عظمے کی بندرگاہوں کے علاوہ دوسری بندرگاہوں میں جاتا ہے لہذا اگر ہندوستان کے مصنوعہ جہازوں کی ہمت افزائی کیجائے تو وہ برطانوی فوائد کے خلاف پڑنے کی بجائے موافق پڑینگے ان لوگوں کی غلطی

---

[1] فشر پیپرز ص ۲۰۵

[2] بنک آف بنگال کی بنا پڑنے کے متعلق نہایت دلچسپ کیفیت مسٹر ٹکر نے ۱۸۳۶ء میں لکھی تھی جو "میموائرز آف انڈین گورنمنٹ" میں موجود ہے اس میں اسے نقل کر کے شائع کیا گیا ہے۔ ص ۱۰۱ ببعد

[3] اس موضوع پر اصل کاغذات مراسلات ویلزلی کی جلد پنجم کے خاص ضمیمے میں طبع ہوئے ہیں۔ انڈیا آفس میں متفرق کاغذات کی مثلوں میں دستاویزوں، پٹ کے حاشیوں، یادداشتوں اور ڈنڈاس کے نام اور انکی جانب سے خطوں کا ایک انبار موجود ہے۔ دیکھو جلد ۲۹۔

کے متعلق جو ہندوستان کے بنے ہوئے جہازوں کو انگلستان آنے سے روکتے تھے اسنے لکھا :
ان کا خیال ہے کہ ہندوستان کے بنے ہوئے جہازوں کو برطانیہ عظمےٰ آنے سے روکنے میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے جہازوں کے لیئے اسی نسبت سے جگہ نکل آیگی۔ لیکن ان کا یہ خیال غلط ہے۔ بلکہ اس کا اثر یہ پیدا ہوگا، جو ہمیشہ سے ہوتا چلا آیا ہے، کہ یہ جہاز اپنا اسباب تجارت غیر ملکی بندرگاہوں میں مجبوراً لے جائینگے۔ اور اسکا نتیجہ یہ نکلے گا کہ وہ ممالک غیر میں برطانوی راس المال سے ایشیائی تجارت قائم کردیں گے۔ اور اسکے برخلاف عمل کرنے سے نتیجہ یہ پیدا ہوگا کہ دریائے ٹیمز میں اسکا مرکز قائم ہو جائیگا اور پھر وہاں سے اِس مال کو دوبارہ پھر کہ یوروپین اقوام کو بہم پہنچایا جائے گا۔ اس کے علاوہ وہ ایک اور ضروری نکتے سے بھی آگاہ نہیں ہیں وہ یہ ہے کہ اس قسم کی روک تھام سے ایسٹ انڈیا کمپنی کی خود باقاعدہ تجارت کو بہت جلد نقصان پہنچے گا، کیونکہ وہ تجارت، تو جسکا میں نے آخر میں ذکر کیا ہے، برابر جاری رہے گی یعنے غیر ملکی اقوام کو ہندوستان کی ساختہ مختلف قسم کی اشیا براہ راست پہنچتی رہیں گی، اور لیڈن ہال اسٹریٹ کا توسط اوٹھ جائیگا۔ اور پھر جس نسبت سے اِس بلا توسط تجارت میں ترقی ہوگی، اسی نسبت سے ایسٹ انڈیا کمپنی کی باقاعدہ تجارت اور اس کے جہازوں کی آمدورفت میں کمی ہوتی جائے گی۔ اور پھر اسکا نتیجہ صرف یہ ہی نہیں ہوگا کہ برطانوی جہازوں کی آمدورفت کم ہوجائیگی بلکہ غیر ملکوں کی مختلف قسم کی ضروریات کی فراہمی میں برطانوی توسط اور اسکے ذریعے جو کمیشن حاصل ہوتا ہے وہ ہاتھ سے جاتا رہیگا۔ اور اس تجارت میں سے قومی سرمایہ نکل جائیگا۔

یہ کہنے کے وجوہ موجود ہیں کہ ویلزلی نے ایڈم اسمتھ کی تصانیف کا غور سے مطالعہ کیا تھا۔ اس لیئے کہ جو پالسی اس کے پیش نظر تھی، وہ آزاد تجارت کی سمت مائل تھی۔ اور وہ اسے ایسٹ انڈیا کمپنی کے فرائض کے محدود خطوط میں رکھ کر بروئے کار لانا چاہتا تھا کسی میں اتنی ہمت نہ تھی کہ اجارے کو منسوخ و فسخ کرنے کی تجویز پیش کرتا۔ آرتھر ویلزلی اس سے قبل ہی اس موضوع پر بحث مباحثہ کرچکا تھا اس نے بھی اس عجیب قول کو تسلیم کرلیا تھا، جسے اس عصر کے مصنفین ظاہرا ایک مسلمہ اصول مان چکے تھے، کہ یہ سخت نادانی کی بات ہے کہ انگریزوں کو ہندوستان میں ترک وطن کرکے جانے کی اجازت دی جائے، کیونکہ انکا خیال تھا کہ اسطرح نسل بگڑ جائے گی، اور ہندوستانیوں کے ساتھ "بے روک ٹوک میل ملاقات" سے برطانوی نام اور سیرت کی عزت ان کے دلوں سے اٹھ جائے گی۔ اسکے ساتھ

اس نے یہ بھی صاف بیان کیا کہ کمپنی اسباب تجارت پر جو محصول بار برداری لیتی ہے، وہ برطانوی جہازوں کے نہایت قیمتی ہونے کے باعث اتنا زیادہ ہے کہ اس سے تجارت گھٹتی چلی جارہی ہے، اور کمپنی اپنی تجارت نقصان کے ساتھ کررہی ہے۔ اصول اجارہ کی پابندی کو وہ لازمی سمجھتا تھا اور اسکا خیال تھا کہ ہندوستانی شکر پر کثیر محصول چنگی کو برقرار رکھا جائے تاکہ "مغربی انڈین جزائر" فنا نہ ہوجائیں۔ اسکے بعد اسی نے لکھا کہ "اخیر میں میں اس بات پر زور دونگا کہ یہ بالکل نامناسب ہے کہ تجارت پر سے تمام قیود اٹھادی جائیں اور اسے بالکل آزاد کردیا جائے۔ لیکن کمپنی کو یہ چاہیئے کہ خانگی تجارت والوں کو اتنے ٹن اسباب تجارت بہم پہنچادے جسکی انھیں ضرورت ہو، اور کرائے کی شرح اتنی کم کردے جتنی کم وہ کرسکے۔ اور بنگالی مصنوعات خانگی تجارت کرنے والوں کے محاصل اور قیود وغیرہ سے اتنی آزاد کردے، جتنی کمپنی کے لیئے ہیں۔ علیٰ ہذا برطانوی مصنوعات کے لیئے بھی یہی مراعات کردے۔ صرف فوجی ذخائر اس سے بالکل بری رہیں"۔

مگر اپریل ۱۸۰۰ء میں ڈونڈاس نے ناظموں کو یہ بتلایا کہ اصول اجارہ "دو اہم وجوہ کے باعث معرض عمل میں آیا اول، برآمد کے قابل ہندوستانی مصنوعات ایسٹ انڈیا کمپنی کے سرمائے سے اتنی بڑھ گئی تھیں کہ وہ ان سب پر محیط نہیں ہوسکتا تھا۔ دوم، ایسٹ انڈیا کمپنی کا اجارہ ان اصول پر مبنی نہیں تھا، جن کے ذریعے نوآبادیوں کو علیٰحدہ کردیا گیا ہے۔ بلکہ درآمد و برآمد مصنوعات کے لیئے ہندوستان کا دروازہ برطانیۂ عظمےٰ کے ساتھ دوسرے ممالک کے لیئے بھی کھلا ہوا ہے"۔ لہذا سوال یہ ہے کہ آیا ہندوستانی تجارت کا بقیہ حصہ جسے کمپنی اپنے ہاتھ میں نہ لے سکتی ان کے ہاتھ میں جانا اچھا ہے یا برطانوی رعایا کے؟ سیاسی اور تجارتی دونوں اعتبارات سے یہ ظاہر ہے کہ موخرالذکر کو فوقیت دینی چاہیئے۔ معہذا یہ بھی ظاہر ہے کہ اسکی ترسیل کے لیئے ہندوستانی جہاز انسب ہیں۔ ۱۷۹۳ء کے قانون کی وہ دفعہ جس نے خانگی تجارت کو تین ہزار ٹن تک محدود کردیا تھا، منسوخ ہونی چاہیئے۔ اور برطانوی رعایا مقیم ہندوستان کو پوری آزادی دیدینی چاہیئے کہ وہ جمع پونجی ہندوستانی جہازوں کے ذریعے انگلستان لائیں۔ انگریز جو کچھ بھی مال و متاع، اور سرمایہ ہندوستان میں پیدا کریں، انھیں اسطرح انگلستان بھیجنا چاہیئے جو ان کے مالکوں اور قوم کے لیئے زیادہ سودمند ہو، بجائے اس کے کہ وہ غیر ملکیوں کے

ذریعے ترسیل کیا جائے اور اسطرح ان کی دولت، سرمایہ اور جہازرانی کیلئے مُمِد بہبودی ہو"
اِن آراء کو ویلزلی نے تہ دل سے منظور کیا۔ مسٹر آنڈمی نے جو بنگال کی کونسل کا ایک ممتاز رُکن تھا ایک خط میں جو غالباً گورنر جنرل کی ایما سے اسی کے نام لکھا گیا تھا ان دلائل کو پیش کیا کہ برطانوی رعایا کی تجارتی آزادی میں توسیع کا کیوں بہت مسرت کے ساتھ خیر مقدم کیا جائیگا۔ اس لیے کہ اہل امریکہ کی تجارتی سرگرمی میں کامیابی اور سرعت بڑھتی جاتی تھی۔

تجارت کے موجودہ نظام سے اہل امریکہ کو اس بات کی امید بندھ گئی ہے کہ ہمارا کاروبار یورپ کی شکر کی منڈیوں سے منتقل ہو جائے گا اور بات بھی یہ ہے کہ موجودہ صورتِ حالات میں انگریزی سوداگر اپنے مستعد حریفوں سے کامیابی کے ساتھ مقابلہ نہیں کر سکتے۔ برطانوی افراد کے نفع اور برطانوی قوم کے فائدے کے متعلق غور و فکر کرنے کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کی تجارت کے متعلق اصلاحی تدبیر فوراً عمل میں آئی، اور اس سال تو انگریزی جہازوں کی یہاں کمیابی اس مسئلے کی طرف خصوصیت سے متوجہ کرتی ہے۔

ہر چند "آزاد تجارت" کی طرف مائل معلوم ہوتی تھی لیکن یہ میلان بہت سست تھا، اور نظام ابتک اس رعایت کے مخالفت پر تلے ہوئے تھے۔ انھوں نے قانونی اجارے کی بنا پر جسکی بیس سال کے لیے ۱۷۹۳ء میں تجدید ہوئی تھی اشارہ کیا اور ان میں سے ایک نے تو اس دلیل کے پیش کرنے میں بھی کسر نہ کی کہ ہندوستان کو "آزاد تجارت" کی مراعات عطا کرنے سے برطانیہ عظمےٰ آدمیوں سے بالکل خالی ہو جائیگا۔ یہ شخص مسٹر گرانٹ تھا، اس نے لکھا کہ "میری دوسری دلیل جسپر میں بہت زور دیتا ہوں" یہ ہے کہ ہندوستان اور برطانیہ عظمےٰ کے درمیان برطانوی اور امریکن نوآبادیوں کے مثل غیر محدود ربط و ضبط بڑھانے کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ برطانیہ کی آبادی کم ہو جائیگی، اور ہمارے مشرقی مقبوضات میں انگریز بلکہ یورپ کے ہر گوشے سے ایسے جانباز جا بسیں گے، جو کمزور دیسیوں کو ناک چنے چبوا دینگے اور انھیں ہر طرح آزار پہنچائینگے اور اُنپر ظلم و ستم توڑینگے حتیٰ کہ ہماری مشرقی اقالیم اگرچہ تہ و بالا تو نہ ہونگی لیکن معرض خطر میں ضرور پڑ جائینگی"۔ کمپنی نے یہ شور و غل مچایا کہ "آزاد تجارت" نہیں دی جاسکتی۔ اس کا لازمی نتیجہ عام طور پر میل ملاقات، ربط و اتحاد ہوگا، اور اس سے مشرق میں ہماری قوت ضعف میں پڑ جائیگی۔

اس کے کہنے کی ضرورت نہیں کہ اس قسم کے بیہودہ خوف دخطر ویلزلی کے

دماغ میں داخل نہیں ہوتے تھے۔ اسکی پالیسی کی پوری توضیح و تشریح اُسکے مراسلے مورخہ ۳۰ ستمبر ۱۸۰۰ء میں، جو ناظموں کی مجلس کو لکھا گیا تھا، پائی جاتی ہے۔ ہندوستانی ساخت کے جہازوں کا استعمال اب صرف مصلحت آمیز ہی نہ رہا تھا بلکہ اسکی ضرورت پیش آگئی تھی تاکہ خود کمپنی کا اسباب تجارت انکے ذریعے سے یورپ پہنچایا جا سکے۔ چنانچہ اب اس نے یہ تدبیر اختیار کی کہ کمپنی کی طرف سے خود جہاز کرائے پر لے لیتا تھا، اور پھر ان کو انکے مالکوں کے ہاتھ میں کام کے لیئے دیدیتا تھا۔ اور پھر مالکوں اور سوداگروں کو اذن عام ہوتا تھا کہ وہ آپس میں کرائے کی شرح چکا لیں اس کو اس بات میں مطلق شبہ نہ تھا کہ اگر ہندوستان میں برطانوی سوداگروں کو اجازت دیدیجائے گی، کہ وہ اپنی ضرورت کے موافق جہازوں کا انتظام کریں، تو پھر وہ ہندوستان سے یورپ جانے والے مال پر بالکل حاوی ہو جائیں گے، اور لندن کو تمام ایشیائی مصنوعات کی دنیا کے لیئے منڈی بنا دینگے۔ خانگی تجارت کی توسیع ہندوستان اور انگلستان دونوں کے لیئے نفع بخش ثابت ہوگی۔ صرف فاضل مال، جو کمپنی کے سرمائے سے بچ جائیگا، اس طرح جذب ہو جایا کریگا۔ جن اسباب تجارت، پر کمپنی نے روپیہ لگا رکھا ہے، یعنی سوتی کپڑے اور کچا ریشم، اور تمام دیگر اشیاء، ان میں اس کی عظمت ہمیشہ برقرار رہے گی۔ کیونکہ ہندوستان میں اسکی عرصۂ دراز کی قائم شدہ حیثیت، اور وہ خاص حقوق جو اسکو مختلف ریاستوں سے حاصل ہیں، علاوہ لائسنس کے ذریعے جو تمام تجارتوں پر حدود و قیود عائد کر رکھی تھیں، یہ تمام باتیں اس کی ضروری تجارت میں کوئی فرق پیدا نہ ہونے دینگی۔ ویلزلی کی ان آراء کی ڈنڈاس اور کیسل رے نے تائید کی، اور انگلستان میں تمام تجارت پیشہ لوگ اسکے طرفدار تھے۔ لیکن کمپنی اور انگلستان کے جہاز سازوں کی مخالفت کی تلخی میں کسی قسم کی کمی واقع نہ ہوئی تھی۔ اس طرح اس مقابلے میں بھی جس کو وہ نہایت اہم سمجھتا تھا، ناظموں اور گورنر جنرل میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ یہ جھگڑا کسی بڑے معاملے کے متعلق نہ تھا، نہ اسکا تعلق شاہی پالیسی یا تجارتی آزادی سے تھا، بلکہ اسمیں مربی گری اور بخل کے ذلیل اغراض معرض بحث میں آگئے تھے۔

گورنر جنرل کی مربی گری ایک ایسا مسئلہ تھا، جسے ویلزلی سا شخص فطرتی طور پر اپنے منصب اور اقتدار کا لازمی جزو تصور کرتا تھا۔ وہ مغرور اور متحمل و بردبار تھا، اور ذمہ داری اُٹھانے

سے بڑا خوش ہوتا تھا۔ وہ نہایت تیز نظر تھا اور آدمی کو خوب پرکھتا تھا، حد درجہ بات کا پکا اور قول کا پورا تھا کسی کے ساتھ ذرا بھی بیجا رعایت کا روادار نہ تھا، اور نہ کسی کے رسوخ واثر کو مطلق مانتا تھا۔ اِن دونوں باتوں سے اسے سخت نفرت تھی۔ اس کے خطوط میں بہت سی عبارتیں ایسی ہیں جن سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ہر قسم کی مربّی گری کو بالکل اپنے زیرِ اقتدار سمجھتا تھا، لیکن اس میں اشد درجہ محتاط تھا اور اسکو ایک نہایت مقدس اور اہم نتائج سے مملو امانت تصور کرتا تھا۔ جسطرح کوئی شخص ایک تھپڑ یا مکّا کھا کے آگ بگولا ہو جاتا ہے اسی طرح وہ اس بالادستی کو دیکھکر جسکا نظارہ وقتاً فوقتاً اظہار کرتے رہتے تھے، اپنے آپے سے باہر ہو جاتا تھا۔ علی الخصوص ایسے موقعوں پر جہاں بے جا رعایت یا مربّی گری کا معاملہ آپڑتا تھا، تو وہ اپنے اور اُن کے فرائض کی انجام دہی اور آپسکے تعلقات کے متعلق اختلافِ خیالات کو بہت محسوس کرتا تھا کبھی یہ نہیں ہوا کہ ذاتی فائدے نے اس کے فیصلے کو ایک بال برابر بھی اِدھر سے اُدھر ہونے دیا ہو۔ لیکن اُن لوگوں کے نزدیک جو انگلستان میں بیٹھے ہوتے تھے، اور جن کو ذاتی طور پر مشرق کی ذمہ داریوں کے خطروں سے سابقہ نہیں پڑا تھا، یہ بالکل صریح اور بیّن تھا کہ ذاتی اور خاندانی حقوق کا پلہ ہمیشہ بھاری رہے۔

چونکہ مربّی گری گورنر جنرل کے ہاتھ میں تھی، اس لئے اس کے پاس عجیب و غریب قسم کے سبق آموز خطوط آیا کرتے تھے۔ جنکا معلوم ہوتا ہے کہ ویلزلی نے اس تجربی نیت سے محفوظ رکھ چھوڑا تھا کہ کبھی موقع لگے تو ان کو شائع کر دیا جائے۔ ڈنڈاس جس نے حد درجہ اس بات کی کوشش کی تھی کہ ہندوستان میں اسکاٹ لینڈ کے لوگوں کو لا کے آباد کر دے اُپنی اس خواہش سے گورنر جنرل کو آگاہ کرنے میں زیادہ تامل نہ کیا۔ کوئی شخص مسٹر گریم نامی تھا جس کا باپ سرایچ ملڈمے کا دوست ہے، اور ونچسٹر کی کارپوریشن کا رکن، اور سرایچ کا ارادہ تھا کہ آئندہ اجلاس پارلیمنٹ میں اس مقام کی نیابت کی کوشش کرے۔ ایک دوسرا شخص مسٹر جارج سٹی تھا، جو "میرے خاندان کے کئی ایک آدمیوں کا رشتہ دار ہے اور جس کا باپ سر جارج سٹی عرصۂ دراز تک پارلیمنٹ میں میرا نہایت پائدار سیاسی دوست رہا" مسٹر ڈنڈاس نے ان دو شخصوں کی مدد کرنے کے لئے لکھا تھا۔ علیٰ ہٰذا کیسل رے نے بہت سے آدمیوں کے متعلق لکھا اور خود ویلزلی کے ذاتی دوستوں نے الگ سفارشیں کیں۔ لیکن ان تمام سفارشوں کا صرف ایک جواب اس کے پاس تھا۔ اور پھر

آخر کار عام طور پر معلوم ہو گیا، کہ "استعداد اور کام کرنے کی قابلیت" صرف یہ چیزیں ہیں جن پر ویلزلی توجہ کرتا ہے جیسا کہ سر جان میکفرسن نے جو ایک زمانے میں گورنر جنرل رہ چکا تھا، لکھا "فرسٹ جنٹلمین ان یورپ[1]" کو بھی جس نے ایماندار کارنوالس سے عنایت کے طالب ہونے میں کوئی شرم نہیں کی تھی، ویلزلی سے کوئی درخواست کرنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ گورنر جنرل کی دانائی اور زیرکی اسی قدر بڑی تھی جتنی کہ اسکی غیر جانب داری۔ یہانتک کہ سٹریل بھی اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ کوئی شخص ایسا نہیں گزرا، جسکا کام کرنے والوں کا انتخاب کرنے میں اسپر گوے سبقت لے گیا ہو۔

ویلزلی پر جب اس کے تقررات کے متعلق ناظموں کا شبہ آشکار ہوا، جو پہلے تو اشارۃً کیا جاتا تھا اور جسکا بعد میں اس طرح اظہار ہونے لگا کہ اسکے تقررات مورد الزام بننے اور منسوخ ہونے لگے، اور انگلستان سے ناقابل اور نااہل لوگ مقرر ہونے لگے، تو وہ سخت بیزار ہو گیا۔ اس پر طرہ یہ ہوا کہ آرتھر ویلزلی کے میسور کی افواج کے کمان کرنے کے زمانے کا الاؤنس اُنھوں نے کاٹ چھانٹ دیا۔ اس فعل کو گورنر جنرل نے "نہایت صاف نمایاں اور انتہا درجے قابل نفرت وذلت" تصور کیا۔ ازاں بعد انھوں نے کرنل کرک پٹرک کی بحیثیت سیاسی معتمد تقرر کو ایسی وجوہ کی بنا پر رد کر دیا جو خود ان کے گزشتہ عمل کے بالکل ضد تھیں۔ پھر ایک دوسرے شخص کے متعلق جو پیرانہ سالی کے باعث ایک دوسری خدمت سے برطرف کر دیا گیا تھا، اور فرائض کے انجام دہی کے لیئے بالکل ناقابل تھا، حکم دیا کہ مجلس تجارت کا منصفانہ طور پر صدر مقرر کیا جائے۔ اور اسطرح سے نہ صرف ان لوگوں کی حق تلفی کی گئی، جو اس کے افسر تھے، بلکہ اُن کی بھی جن کی خدمات اُن سے زیادہ عرصے کی تھیں۔ ان سب پر مستزاد، نہایت فاحش غلطی انھوں نے یہ کی مسٹر ویب مدراس کے نہایت قابل ہولبن اور لارڈ کلائیو کے معتمد اعلیٰ کو، جسکے علم و دانش، راستبازی اور اصابت رائے کی تمام برطانوی ہندوستان میں دھوم مچی ہوئی تھی علیحدہ کر دیا۔ ویلزلی نے نہایت ترش لب و لہجے میں مسٹر ویب کے متعلق لکھا کہ "یہ شخص قابلیت، علم محنت یا راستبازی کی کمی یا اختیارات کی زیادتی کے باعث نہیں علیحدہ کیا گیا، بلکہ اسکی علیحدگی کی وجہ صرف یہ معلوم ہوتی ہے کہ اسے فورٹ سینٹ جارج کے گورنر کا پورا اعتماد حاصل رہا ہے، اور اس جرم کے ساتھ وہ

[1] یہ اشارہ جارج دی کی طرف ہے۔

اس بات کا بھی ملزم ہے کہ گورنر جنرل بھی اس پر یکساں اعتماد رکھتا ہے، اور گورنر جنرل کی نگاہ میں اسکی بڑی توقیر وعزت ہے" ؛

اس طرح کے اختلافات کے مقابلے میں اور تمام چھوٹی چھوٹی باتیں ماند پڑ جاتی ہیں، لیکن جب لارڈ ویلزلی کو معلوم ہوا، کہ اسکے ذاتی اخراجات کی بھی بڑی سختی سے چھان بین کی جاتی ہے تو اسے حدِ اطاعت سے قدم باہر نکالنا پڑا کلکتے میں جو نیا گورنمنٹ ہاؤس اسنے بنوایا تھا، وہ اس کے نزدیک اس عظیم طاقت کی عظمت اور وقار کا ضروری مظاہرہ تھا جو اب مشرق میں قائم ہو چکی تھی۔ لیکن نظماء اسے فضول خرچی اور بدنامی کا باعث تصور کرتے تھے۔ انھوں نے اس کی لاگت کے متعلق نہایت چھان بین کی اور تمام اعداد کو ایک بخیل کی نظر سے دیکھا۔ ارکان مجلس نے اس پر بڑے بڑے بیانات اور شکایت کی کہ "مجلس کو اسکے متعلق کوئی اطلاع براہ راست نہیں موصول ہوئی" ؛

حقیقت یہ ہے کہ مجلس تذبذب کی حالت میں رہتی تھی اس کی یہ خواہش تھی کہ ایسے نافرمان حاکم کو واپس بلا لیا جائے، مگر ان کو اس بات کا بھی احساس تھا کہ اس جیسا طباع اور فطان ملنا ناممکن ہے، معاملات اودھ، ہنری ویلزلی کا تقرر، فورٹ ولیم میں کالج کی بنا، عہد نامہ بسین، مرہٹوں سے جنگ، ذاتی یا خانگی تجارت کا مسئلہ، حکومت کے اخراجات، یہ چیزیں اُن کو ہمیشہ اُکسایا کرتی تھیں، کہ وہ کسی نہ کسی طرح اپنے قوی اور طاقتور ملازم سے سبکدوش ہو جائیں۔ دفتر ہند کے انبار کاغذات میں ہزاروں مثلیں ایسی ہیں، جن میں ویلزلی کے خلاف ہر قسم کے الزامات کا طومار ہے اسکی صرف ایک مثال پر ہم اکتفا کریں گے۔ ۲۳ صفحوں کی ایک مثل ہے، جسکی پیشانی پر یہ عبارت درج ہے :-

"مارکوئس ویلزلی نے جن امور میں مجلس کے احکام یا کمپنی کی ملازمت کے قواعدِ عام کے مطابق عمل نہیں کیا ہے، اُنکی مثالیں"[۱] ؛

اس مثل میں جن معاملات سے خاص طور پر بحث کی گئی ہے، وہ وہ ہیں جنھیں ویلزلی نے مجلس سے خط وکتابت کیے بغیر اپنی مرضی سے کام کیا، جن میں مجلس کے احکام

[۱] دفتر ہند کے کاغذات (قلمی)، جلد ۳۰۲ میں فشر پیپرز دیکھیے صفحہ ۲۱۸ ؛

[۲] فشر پیپرز جلد ۳۰۳ صفحہ ۲۱۸ ؛

کی تعمیل نہیں کی، جن میں ملکی اور سیاسی عہدوں پر فوجی افسروں کو مقرر کیا، جن میں ایسے اشخاص کا عہدوں پر تقرر بھی ہے، جو کمپنی کی ملازمت میں نہ تھے، اور جنھیں لوگوں کو بڑی بڑی تنخواہیں اور وظیفوں کا عطیہ ہے۔ علاوہ بریں کالج کے قیام اور ہنری ولزلی کے تقرر کے معاملے کا بھی اس میں ذکر ہے۔ اس کے ساتھ میں کاغذات محررہ اپریل سنہ ۱۸۰۱ء اور لگا دیئے گئے ہیں، جو سنہ ۱۸۰۱ء کے نامہ و پیام بمقام پونہ سے متعلق ہیں۔ اور جنکی نسبت کہا گیا ہے کہ مجلس سے امتزاج کیئے بغیر بھیجے گئے تھے۔" مزید براں لارڈ ولزلی کے اُن فعلوں کا نہایت وضوح سے ذکر کیا گیا ہے جو اُس نے اپنے زمانۂ حکومت میں کیئے۔ ان کو حسب ذیل عنوانات میں تقسیم کیا ہے:لہ (۱) کونسل کے اساسی اقتدار اور حقوق کی خلاف ورزی (۲) حکومت انگلستان کی منظوری حاصل کیئے بغیر بعض بڑے بڑے معاملات میں خود ہاتھ ڈالنا، جبکہ ایسی منظوری کا انتظار کیا جا سکتا تھا۔ (۳) خلاف قانون اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لینا (۴) مرکزی حکومت کے اختیارات بڑھا کے احاطوں کو اپنے قابو میں لے آنا اور اُنکی حکومت کی ذرا ذرا تفصیل پر چھا جانا، (۵) قانون کے خلاف ورزی تقررات اور قانون سے گریز۔ یہ الزامات ہیں جنکی ایک ایسے گورنر کے خلاف جو اپنی ذمہ داریوں سے آشنا اور اپنے منصب کی عظمت سے واقف ہو، بجا توقع کی جا سکتی ہے۔ لیکن یقیناً یہ بات ثابت نہ ہو سکی کہ ولزلی نے کوئی حرکت خلاف قانون یا خلاف اساس کی تھی، اور اسکی سیرت کی روشنی میں اگر اسکو دیکھا جائے تو ایسی بات بالکل ناممکن سی نظر آتی ہے۔

جنرل ولزلی اور جنرل اسٹورٹ کو اختیارات عطا کرنے کے کاغذات کونسل کے سامنے بغرض رائے پیش کیئے گئے تھے اور یہ صحیح ہے کہ مسٹر رائکرفٹ اور مسٹر ایڈم نے انھیں خلاف قانون قرار دیا تھا۔ لیکن انھوں نے بھی مسئلے کی سیاسی نوعیت پر رائے دینے میں بودے پن کا اظہار کیا تھا، اور آج تو شاید ہی کوئی قانون داں ایسا نکلے جو ان کے فیصلے کو برقرار رکھے۔ لیکن اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ولزلی نے بعض اشد ضروری امور میں حد درجہ آزادی سے کام لیا

لہ فنشل پیپرز جلد ۳۰ ص ۲۱۰۳ اُن کی تفصیل دلچسپ ہے لیکن یہ مثل اتنی طویل ہے کہ اس کا چربہ اس مقام پر ناممکن ہے۔

اور اگر وہ زندہ ہوتا تو ضرور یہی کہتا کہ اسکی بزرگی و عظمت کی بنا اسی چیز نے ڈالی اور یہی اُسکی ضروری شرط تھی - یہ اس کی بدقسمتی تھی کہ گو خدا نے اسے حکومت کے لیے نہایت موزوں دل و دماغ دے کر پیدا کیا تھا، لیکن لیڈن ہال اسٹریٹ کی بزدلی اور دقیانوسی خیالات نے اُسے بے دست و پا کر رکھا تھا۔ اگر وہ کوئی مشرقی مستبد اور خود مختار حکمراں ہوتا تو وہ ضرور ایک برّاعظم کے برابر ملک تسخیر کر لیتا اور آئندہ نسلوں میں اُسکا نام نادرشاہ اور پیٹر اعظم کے ساتھ لیا جاتا - لیکن ایک تجارتی کمپنی کے ملازم ہونے کی حیثیت سے اسے پھونک پھونک کر قدم رکھنا پڑتا تھا، اور جی ہی جی میں کڑھتا تھا کہ کاش وہ ایسی حالت میں کیوں نہ پیدا ہوا کہ دل کے ارمان نکال لیتا؟

یکم جنوری سنہ ۱۸۰۲ء کو اس نے ایک مراسلہ بھیجا اور اسکے ساتھ اپنا استعفا منسلک کر دیا - ایک خط اس نے اپنے دوست اڈنگٹن کو لکھا (جسکا کچھ حصہ نقل کیا جا چکا ہے) جو اسوقت وزیر اعظم انگلستان تھا، اور اسمیں اس کارروائی کے متعلق پورے دلائل پیش کیے - لارڈ کلائیو پہلے ہی مجبوراً کنارہ کش ہو چکا تھا، ویلزلی نے دیکھا کہ ایسی حالت تھا اسکے نزدیک "حد درجہ ذلت انگیز اور اسکی فکر طبع کے لیے سخت نفرت خیز تھی" اسکے لیے ناممکن ہو گیا تھا کہ وہ "ذاتی عزت یا رفاہ عام کی کسی امید کے ساتھ" اپنے عہدہ پر قائم رہے - اس نے اپنے عہدے سے دست بردار ہونیکی درخواست کو ایک دوسرے خط میں جو ۱۳ - مارچ کو لکھا گیا تھا، دُہرایا - اب تو ناظموں کے ہوش و حواس خطا ہو گئے بہت سا کام پھیل چکا تھا، جسے صرف ویلزلی ہی ختم کر سکتا تھا، چنانچہ اُنھوں نے خواہش ظاہر کی کہ وہ جنوری سنہ ۱۸۰۴ء تک اپنے عہدے پر رہے، اور نہایت شد و مد سے اپنے اس اعتقاد کا اظہار کیا کہ کمپنی کے اغراض و فوائد اس کے ایک سال اور ہندوستان رہنے سے "عملی طور پر بڑھ سکتے ہیں" اور اپنے مراسلے کو اس جملے پر جو تپاک لیکن باضابطہ تپاک سے لبریز تھا، اور جو اب تک امیر جامعہ آکسفورڈ کے سرکاری خطوط میں زندہ پایا جاتا ہے، ختم کیا، یعنی "ہم ہیں آپ کے پیارے دوست جان رابرٹس، بوسنکے وغیرہ وغیرہ"

ویلزلی نے اڈنگٹن سے کہدیا تھا کہ اگر وزارت اس کو اس بات کا اطمینان دلائے کہ اسے اس پر پورا اعتماد ہے، نیز اس نے عزم کر لیا ہے کہ وہ اسکی ہر طرح حفاظت اور

مدد کریگی. تو وہ جنوری سنہ ۱۸۰۳ء تک ہندوستان میں رہ سکتا ہے[۱] گو وزیراعظم نے اسکا جوش مسّرت سے جواب دیا اور اس نے ہندوستان میں رہنا منظور کرلیا - لیکن ابتک اس پر نکتہ چینی برابر جاری تھی اور اسکی اب اسے تاب نہیں رہی تھی - چنانچہ سنہ ۱۸۰۳ء میں پھر اس نے واپس جانے کی خواہش ظاہر کی، اور اس کو پھر روک دیا گیا - لیکن مرہٹوں سے جنگ کی ابتدائی درخشاں کامیابیوں پر مجلس نے جو اسے مبارکباد کا رزولیوشن بھیجا اس میں ایک بات یہ بھی لکھدی کہ مجلس نے "سردست اس جنگ کی مصلحت یا اصل بنا پر" غور نہیں کیا ہے۔ ویلزلی اتنی بات کو کہاں سہار سکتا تھا، شاہی مزاج مدارالمہام کی نگاہ میں ان کی تمام شکرگزاری پر بالکل پانی پھر گیا - چنانچہ اُس نے مجلس کو ایک خط لکھا، جسکا کچھ حصّہ درج ذیل کیا جاتا ہے۔

سرکاری فرض کی انجام دہی میں اتنی عظیم یا اتنی تکلیف دہ قربانی مجھسے کبھی طلب نہیں کی گئی جتنی کہ مجھے آپ کے عطیۂ اعزاز و اکرام کے ہندوستان میں شائع کرنے کے مسرت و امتنان کو خیرباد کہنے میں ہوئی . . . . لیکن مجھے یہ عرض کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ میں اپنے اعلیٰ درجے کے ذاتی اعزاز و امتیاز سے جو آپ کی مبارکباد اعلان کرنے سے حاصل ہوتی امن عامۂ کمپنی اور برطانوی قوم کے فوائد کو زیادہ اہم اور مقدم تصور کرتا ہوں . . . . . .

مرہٹوں سے جنگ کے جواز پر آپ نے جو اپنے سرکاری اور باضابطہ فیصلے کو محفوظ رکھ چھوڑا ہے - اس میں اس قسم کا امکان پایا جاتا ہے کہ اب جس میں برطانوی فوج مشغول ہے، زمانۂ مستقبل میں ملامت کا فتوے صادر کرینگے! اور یہ تو فرض بھی نہیں کیا جاسکتا کہ آپ کی معزز مجلس یا مالکوں کی مجلس جنگ کی اصلی وجہ کو ہماری فوجی کامیابی پر منحصر رکھے گی - اس لیئے کہ جنگ کے نفع بخش نتائج بھی اسکے جواز کے متعلق شبہات کو زائل نہیں کرسکتے تھے! یہ خیال آپکے اس ریزولیوشن کے اظہار سے پیدا ہوتا ہے جس میں آپ نے اپنی رائے کو محفوظ کرلیا ہے - اس ریزولیوشن کے اعلان سے تمام دیسی ریاستیں بھی بلاپس و پیش یہ نتیجہ نکالتیں کہ مالکوں کی مجلس جنگ کے متعلق تمام کارروائی پر الزام دھرے گی اور آپ کی انصاف پسندی اور رسیر چشمی اس قسم کے توہر خیالات کو بالائے طاق رکھدیتی ہے کہ آپ ہمارے عذر جنگ کو موردِ الزام قرار دینے کے بعد ہماری کامیابی کے ثمر کو رکھنا پسند کریں گے یا آپ امن کی برکات سے مسرور رہوں گے

---

[۱] پیلیو کی لائف آف لارڈ سڈمتھ جلد دوم صہ ۱۷۰ دیکھیئے!

جبکہ آپ جنگ کی ضرورت اور مصلحت کو مسترد کر چکے ہوں۔ آپ کی معزز مجلس کی دانائی اور دوراندیشی اس بات کو سمجھے گی کہ اگر آپ کا صاف حکم آئے بغیر یہ حکومت اپنے اختیارات سرکاری سے صلح کی پائیداری کے متعلق شبہات ظاہر کر دیتی تو دیسی ریاستوں میں کیا خلفشار اور کیسی بدامنی پھیل جاتی اور صلح بھی کیسی، ایسی جو ایک خوفناک جنگ کے بعد حد درجہ احتیاط اور متانت سے کی گئی ہو، جس میں ہندوستان کی تمام بڑی بڑی ریاستوں کے اغراض و فوائد کو مد نظر رکھا گیا ہو، اور جس نے ہندوستان کے ہر ضلع اور صوبے اور دکن میں ایک جامع و مانع نظام اتحاد اور سیاسی ارتباط کو قائم کر دیا ہو، اگر جنگ کی اصل اور مصلحت آخر کار مورد الزام قرار دی جائیگی، اور اگر صلح، تقسیم ملک، بدیۂ حفظ امن اور اتحاد کے متعلق عہد نامے آخر میں آپ کی معزز مجلس کے احکام کے ذریعے فسخ کر دیئے جائیں گے تو پھر آپ کے جدید احکامات ایسے الفاظ میں لکھے جائیں گے، اور ایسے انتظام کے ساتھ پیش کیئے جائیں گے، کہ انکی تعمیل امن عامہ کے لیئے ایک مزید قلعے کے مثل ہوگی اور اطمینان عامہ کے لیئے ایک جدید کفالت کی حیثیت رکھیگی! - آپ کی معزز مجلس کا جس وقت جی چاہے، اس فیصلے کو معطل کر دے، لیکن اتنا ضرور ہے کہ آنریبل کمپنی کے لیئے نہ تو یہ بات ہندوستان میں اور نہ آپ ہی کی اعلیٰ شان کے اقتدار کے لیئے زیبا ہوگی کہ آپ کا ایک ملازم اپنے ذاتی نام و نمود کے خاطر آپ کے اعزاز و اکرام کی دھوم دھام سے نمائش کرے اور ایسا طریقہ اختیار کرے جو آپ کی دانائی اور انصاف کے آزاد اور صاف عمل کو اس معاملے میں قضیئے میں ڈالدے جو قومی فوائد اور عزت کے لیئے ازبس اہم ہے یا وہی ملازم اپنی خدمات کے متعلق مجلس کے مشرف قبولیت کو شائع کر کے ان خدمات کی اصل غرض و غایت کو اور اسکے ساتھ ہی ایک عظیم سیاسی نظام کی قریبی صیانت کو معرض خطر میں ڈالدے، جسے ممکن ہے آپ آگے چل کر خوشی خوشی منظور فرمالیں۔

مجھے یقین ہے کہ آپکی محترم مجلس میرے اس سچے شکریہ کو جو آپکے اعزاز و اکرام بخشی کے سلسلے میں بار بار ادا کیا جا چکا ہے قبول فرمائے گی، وعلیٰ ہذا میرے اس دلی افسوس کو بھی منظور فرمائیگی، کہ آپ کی آزادانہ فیاضانہ اور رعایا پروری آرا کو جن کا آپ نے اپنے ہندوستان کے سب سے بڑے نوکر پر اعلیٰ امتیازات نچھاور کر کے اظہار فرمایا ہے، آپ کے ملازم نے اس احساس فرض کے باعث جو قوم، کمپنی اور آپ کی نسبت اس کے ضمیر میں متمکن ہے، جامۂ عمل پہنانے سے معطل کر دیا ہے۔

اس عبارت میں ویلزلی کی طنزیہ سخن گستری کی ایسی مخصص اور عجیب چاشنی موجود ہے،

کہ ہمیں اُمید ہے کہ ہمارے قارئین اس طویل اقتباس کو معاف کریں گے، اس جابک کی چوٹ محترم مجلس کو محسوس تو ضرور ہوئی ہوگی۔ اور ہمیں اس بات پر مطلق تعجب نہیں کرنا چاہیئے کہ ویلزلی نے کیسل رے کے خط میں "ڈائرکٹروں کی رائے کے متعلق انتہا درجہ نفرت" کا اظہار کیا ہو، اور اُن کے "کینہ توز شہد پن" کو بھی اسی نظر سے دیکھا ہو، کیونکہ وہ لکھتا ہے کہ :-

آپ کو اس بات کا اطمینان دلاتا ہوں کہ چونکہ محترم مجلس نے میری تازہ کامیابیوں کے بعد بھی اپنی غلطیوں کے متعلق شرم و انفعال کا شائبہ تک ظاہر نہیں کیا، اس لیئے میرے نہایت لائق و فائق قابل و فاضل ولی نعمتوں کے وقار و اعتبار کے متعلق میری موجودہ رائے میں بہت بڑا انقلاب پیدا ہوگا، اور میں سرکاری ضرورتوں و اغراض کی رو براہی سے ایک گھنٹہ بھی زیادہ ہندوستان میں قیام کو پسند نہیں کرونگا، اسلیئے انڈیا ہاؤس کی نہایت نفرت انگیز کوٹھڑی سے اگر کوئی مزید اہانت و ملامت کا تیر میری طرف نہ چلایا جائے تو اس سبب سے ایسی حالت میں میری روانگی معجلت نہیں ہوسکتی جبکہ ایسے سخت موقع پر امن عامہ کے برقرار رکھنے کے لیئے میری مدد کی یہاں ضرورت ہو۔

لیکن مجلس کسی عنوان سب و شتم سے باز نہیں آئی۔ ۱۸۰۵ء کے آغاز میں اُنھوں نے پھر اسپر عدول حکم تقررات، اور مصارف کی زیادتی کا الزام لگایا، اور بورڈ آف کنٹرول نے اُسپر یہ حاشیہ چڑھایا کہ وہ اپنی کونسل کے اجلاس سے اتنا کیوں غیر حاضر رہتا ہے؛ غرض جبکہ گورنمنٹ نے لیک کو اسکے کارناموں کے اعتراف میں امیر بنایا، اور آرتھر ویلزلی کو آرڈر آف دی باتھ کا خطاب عطا فرمایا، گورنر جنرل تعریف اور تضحیک کے درمیان ہوا میں معلق لٹکا ہوا تھا؛

وہ چاہتا تھا کہ کسی طرح چلا جائے، اور جب مانسن کی ہزیمت و تباہی پر کارنوالس فوراً اس کا جانشین مقرر کیا گیا، تو اغلب ہے کہ اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی ہوگی اور اسکو خیال ہوا ہوگا کہ اب اسکی دلی آرزو پوری ہوگئی۔ کہتے ہیں کہ کارنوالس کے دوبارہ تقرر کی خبر اسکو مسٹر ٹکر سے ایک گفتگو کے دوران میں معلوم ہوگئی تھی، ۲۵ مئی کو کیسل رے کا خط اسکے پاس پہنچا جس میں اس امر کا اعلان تھا۔ ۳۰ جولائی کو کارنوالس کلکتہ پہنچ گیا، حلف اٹھایا اور ۱۵ اگست کو ویلزلی انگلستان روانہ ہوگیا۔ وہ جانتا تھا کہ

اس کی پالیسی اب تلپٹ کردی جائیگی لیکن اس کے ساتھ ہی اس میں بھی شبہ نہیں کہ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ زمانہ اسکا بدلہ لے گا، اور پھر وہی اصول ساری وطاری ہو جائیں گے جن کے ذریعے سے اس نے ہندوستان میں برطانوی سلطنت اور اسپر حکومت کی تھی۔ جب کلکتے کی انگریز آبادی کو اس نے باضابطہ اور سرکاری وداع کہنے کی تیاری کی، تو انھوں نے ویلزلی کی خدمت میں ایڈرس پیش کیا، جس کے الفاظ خلوص اور سچائی سے لبریز ہیں۔ مشتے نمونہ از خروارے:۔

گزشتہ سات سال کے واقعات نے آپ کے زمانۂ حکومت کو یوروپین طاقت کی تاریخ ہند میں اہمیت اور افادے کے اعتبار سے نہایت ممتاز کردیا ہے۔ زمانے اور ملک کی ضروریات کو جہاں آپ کام کرنیکے لیئے بلائے گئے تھے، آپ کی بالغ نظری نے جس طرح جانچا، کام کے مواقع کو جس عجلت اور عزم کے ساتھ اپنے قبضے میں کیا، ہماری اصل قوت کا صحیح اندازا، اسکا استادانہ استعمال جس خوبی سے آپ نے کیا، ان چیزوں کے ساتھ ہماری فوج کا جوش وخروش، اسکی تربیت، اور اُسکی ہمت نے مل ملاکر اُن سلسلہ واقعات کا ہمارے حق میں جو فیصلہ کیا، اور اس مملکت کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک برطانوی اقلیم اور برطانوی نام کا ڈنکا جس شان وشوکت سے بجادیا، حق تو یہ ہے، وہ سب آپ ہی کا حصہ ہے۔

آٹھویں فصل

بعد کی زندگی

ویلزلی یورپ اس امید کے ساتھ واپس ہوا کہ اس کی شہرت کے شایاں اس کا استقبال کیا جائیگا۔ اس کے بھائی ولیم کو بڑی کامیابی ہوئی تھی اور سیاسی دنیا میں اس کی بہت عزت کی جاتی تھی۔ اس کا بھائی آرتھر ایک سال سے انگلستان میں تھا اور اس نے ویلزلی کو اطلاع دی تھی، کہ وزارت اس پر کتنی مہربان ہے۔ پٹ ابھی تک اُن کا بہت بڑا دوست تھا، اور اُسے ویلزلی سے اتنی محبت تھی کہ جب پارلیمنٹ میں ویلزلی پر حملہ کرنیکا مسئلہ چھڑا، تو اس نے لارڈ گرینول سے صلاح لی کہ کس طرح دارالامرا اور دارالعوام میں اسکی مدافعت کی جائے۔ حالانکہ لارڈ گرینول وہ شخص تھا، کہ جس سے اس زمانے میں

پِٹ کا سیاست میں کوئی تعلق نہ تھا۔

اس کے برعکس معلوم ہوتا تھا کہ فریق ہگ کی یہ تمنا تھی کہ ہم کسی طرح ایسے بیش بہا اتحادی (ویلزلی) کو اپنے رخ پر لے چلیں۔ آرتھر ویلزلی نے اسٹو سے ملاقات کے بعد "جس نے دو روز تک بہت زچ کیا" ویلزلی کو لکھا کہ "ٹمی کو اس بات کی بڑی فکر ہے کہ تم کسی فریق مخالف کی حکومت میں شامل ہو جاؤ۔" لیکن عام رائے اُس وقت جیسی کہ اب بھی ہے "بہت سست تھی" اور ہندوستانی مسائل کے متعلق اُسے بہت کم اور ناقص معلومات حاصل تھیں۔ مرہٹوں سے جنگ کے متعلق انگلستان میں حکومت طاری تھا اور عہدنامہ اودھ کے متعلق غلط فہمی پھیلی ہوئی تھی۔ یہ معلوم ہو چکا تھا کہ واپس آنے والے گورنر جنرل پر حملہ ہوگا۔ آرتھر ویلزلی کی صلاح یہ تھی کہ دارالامرا میں تو مارکوئیس خود گفتگو کرے، اور پٹ جو "معلومات سے پوری طرح باخبر ہے" دارالعوام میں مقابلہ پر آئے۔ بہرکیف منظر صاف طور پر ویلزلی کے موافق نظر آتا تھا، اور ویلزلی کو تو یہ توقع تھی کہ اُس کے انگلستان پہنچتے ہی نقشہ بدل جائیگا اور اُسے فتح ہوگی۔

انگلستان آنے کے بعد اُسے معلوم ہوا کہ اُن کے ابنائے وطن کے دلوں میں اُسکے کارناموں کی کتنی وقعت ہے! پورٹسمتھ پر اُس کا استقبال دلی جوش اور خلوص کے ساتھ ہوا، لیکن گنتی کے چند دوست تھے اور تھوڑے سے بحری و بری افسر۔ کتنا بڑا فرق تھا اس استقبال میں اور اُن عظیم الشان نمائشوں اور جلوسوں میں جو وہ مشرق میں دیکھ چکا تھا۔ مسٹر ٹارنس کہتا ہے گو یہ نہ معلوم ہوا کہ اسکی سند کیا ہے۔ کہ یہ دیکھ کر اُس کے دل میں ایسی نفرت اور بے چینی پیدا ہوئی اور اپنے غصے اور خجالت کو ضبط نہ کر سکا۔ لیکن خیال غالب یہ ہے کہ غیظ و غضب پر اسکا ضبط غالب تھا۔

ممکن ہے اُسے امید ہو کہ اُس کے اہل و عیال، عزیز و اقارب نہایت تپاک اور محبت سے اُس کا استقبال کرینگے۔ لیکن یہاں بھی صاف ظاہر ہے کہ اُسے مایوس ہونے میں کچھ دیر نہ لگی۔ ویلزلی کے متعلق جو کچھ ہمیں معلوم ہے، اُس سے تو یہی پتہ چلتا ہے کہ خانگی زندگی میں اُسکا بہت کم حصہ ہے۔ وہ صد درجے سخت مزاج اور خوددار تھا اور تمام عمر خلوت میں بھی اُس کے مزاج پر جلوت کا ایسا رنگ چڑھا رہا کہ ہم تو یہی بھول گئے تھے کہ اُس کی شادی بھی ہوئی یا نہیں۔ بات یہ ہے کہ عنفوان شباب میں اُس کا

ایک نہایت حسین وجمیل، فہیم وعقیل فرانسیسی عورت سے تعلق ہوگیا تھا جس نے اُس سے بعد میں شادی کرلی تھی۔ اُس سے جو اولاد ہوئی وہ حلالی نہ تھی۔ لیکن اُس زمانے میں تعلقات زناشوئی کے متعلق سوسائٹی کے خیالات نہایت نرم اور ڈھیلے تھے۔ اس لئے سوسائٹی نہ تو اس عورت کو تیوری پر بل ڈال کر دیکھتی اور نہ اُس کے بچوں کی ناقدری کرتی تھی۔ لیڈی مارننگٹن اپنے خاوند کے ساتھ ہندوستان نہیں آئی تھی۔ ویلزلی کے دوستوں علی الخصوص لارڈ آکلنڈ کے خطوط سے پایا جاتا ہے کہ ویلزلی اپنی بیوی کی ہرطرح خبرگیری کرتا تھا اور اُسکو اُس سے محبت بھی بہت تھی۔ لیکن ایک ایسے تعلق میں جسکی اس طرح ابتدا ہوئی تھی، اتنی اخلاقی قوت نہ تھی، کہ برابر جاری رہتا، چنانچہ اس بے میل جوڑے میں مارکوئیس کے انگلستان واپس آنے کے بعد بہت جلد تفرق و علحدگی ہوگئی۔ لیڈی ویلزلی کا ۱۸۱۶ء میں انتقال ہوا۔ اُسکی بیٹی نے لارڈ ہیتھرٹن اول سے شادی کی۔ اُس کے بیٹوں میں سے بڑے بیٹے رچرڈ نے بحیثیت سیاست داں بڑا نام پیدا کیا، اور حکومتِ انگلستان کے تحت مختلف اوقات میں عہدوں پر مامور رہا۔ ہنری جو اُس سے چھوٹا تھا آکسفورڈ یونیورسٹی میں معلم تھا، علم الٰہیات کا ڈاکٹر تھا۔ اور ذوفنون تھا۔ اس نے حد درجہ قابلیت کا اظہار کیا۔ وہ ایک اعلیٰ درجے کا ادیب اور بڑا شائستہ اور خوش اخلاق تھا۔ اُس کو اپنے باپ کا علمی ذوق ترکے میں ملا تھا، اور اُسکے پاس ایک بیش بہا کتب خانہ تھا، جس میں خصوصیت سے اطالوی کتابوں کا ذخیرہ بہت زیادہ تھا۔ نیو ان ہال کے پرنسپل کی حیثیت سے وہ زیادہ مشہور ہے، اور آکسفورڈ میں اب تک اس کی یاد باقی ہے۔ یونیورسٹی نے اُسکی منقش و مطلا کتابوں کے بیش بہا ذخیرے کے بڑے حصے کو حاصل کرلیا ہو

ویلزلی اُن لوگوں میں سے ہے جنکی خانگی زندگی کسی طرح تاریخ سے کوئی علاقہ نہیں رکھتی۔ انگلستان پہنچتے ہی سب سے پہلے اُس نے اپنے دوست ایڈنگٹن سے جو اب لارڈ سڈ متھ کے خطاب سے موسوم تھا ملاقات کی۔ اور تقریباً سب سے پہلا خط جو اُس نے لکھا وہ پٹ کے نام تھا۔ اسوقت یہ مدبر اعظم اگرچہ اُسے اسکا علم نہ تھا مرض الموت میں مبتلا تھا اور اُسکے ایک پوشیدہ

دوست کے نام جو خط لکھا گیا تھا، وہ اُس کے آخری خطوط میں سے تھا جو ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔[1]

میرے پیارے ویلزلی۔ کل شب یہاں (بتھ) پہنچنے کے بعد تمہارا پیارا پیارا عنایت نامہ وصول ہوا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ مجھے آپکے وصول ہونے پر کتنی مسرت ہوئی۔ اگر مجھ کو، جبتک کہ خداقوت نہ آجائے۔ لندن سے باہر رہنے کی زور کے ساتھ ممانعت نہ کی گئی ہوتی، تو میں فوراً تم سے ملنے آتا۔ لیکن موجودہ صورت حالات میں میں معذور ہوں اور مجھے تمہارے لطف وکرم پر بھروسہ ہے کہ تم یہاں آکر مجھ سے ملوگے اور میرے دل کو خوش کردگے۔ جسقدر جلد تم آسکو آؤ۔ اگر تم کو اس میں تکلیف نہو، اور تم دوپہر کو (انگریزی تہذیب میں جو دو اور چار کے درمیان ہوتی ہے) یہاں آسکو تو میرے لیے یہ گھڑی اور اوقات سے زیادہ آسائش کا باعث ہوگی، اور یوں تو میرے لئے کوئی وقت بھی تکلیف کا باعث نہیں ہے۔ مجھے معدے کی شکایتیں لاحق ہوگئی تھیں، اسکے بعد ہی نقرس کے سخت دورے ہوئے۔ ان امراض میں اب آہستہ آہستہ افاقہ ہورہا ہے، لیکن مجھے یقین ہے کہ طبیعت کی اصلاح صحیح راستے پر آپڑی ہے۔

ہمیشہ سے تمہارا صادق اور محبت کیش

ڈبلیو پیٹ

۱۳ جنوری کو دونوں میں ملاقات ہوئی۔ پیٹ بہت ہی مسرور نظر آتا تھا، لیکن ویلزلی نے تاڑ لیا تھا کہ موت اپنا کام کررہی ہے۔ دو بڑے بڑے انگریزوں کی یہ عجیب غمناک ملاقات تھی۔ دونوں بظاہر اپنی شہرت کے نصف النہار پر تھے۔ ایک وسیع اقلیم پیدا کرکے اور اُس پر حکومت کرکے واپس آیا تھا، اور متمنی تھا کہ اپنے ملک میں رہبری کرے، اور حکومت کرے؛ دوسرے کے ہاتھ سے سلطنت کی باگ ڈوریں کھسکی چلی جارہی تھیں؛ یہ دونوں نہایت وفاشعار دوست تھے، جنکو سمندر نے جدا کردیا تھا، اور دونوں اس حسرت ناک دعوت کے سبب دوبارہ مل گئے تھے، جس میں ایک کی زندگی کے کارناموں کی جانچ پرتال اور تفتیش کی جانے والی تھی۔ یہ ویلزلی ہی تھا جس نے دوست دشمن سے کہا، کہ پیٹ موت کے چنگل میں ہے، اور وہ کچھ دنوں کا مہمان ہے۔ اور یہ ویلزلی ہی تھا، جسکی تقریر نے گرینویل کی آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا بہادیا، اور اُس نے فوراً مرنے والے مدبر کے خلاف تمام مخالفت، تمام نکتہ چینی کو یکسر موقوف کردیا۔ اور اس کے کہنے کی تو حاجت نہیں کہ ویلزلی

[1] یہ خط مسٹر پیرس نے اپنی تالیف کی جلد دوم صفحہ ۲۹۶ پر اور مسٹر ٹارنس نے صفحہ ۲۰۲ پر نقل کیا ہے۔

پٹ کا اتنا مداح تھا، اور اُس سے اتنی محبت کرتا تھا، کہ دنیا میں کسی دوسرے شخص سے اتنی محبت نہ تھی"۔

پٹ کی وفات نے اس گورنر جنرل کو ایک زبردست حامی کی حمایت سے محروم کر دیا۔ بجائے اُس کے کہ حکومت میں کوئی عہدہ اُسکی نذر کیا جاتا، اُسے دارالعوام کی باز پرس پر گفتگو کرنی پڑی۔ ایک شخص جسکا نام پال تھا اور جو وس پیج کے ایک بزاز کا بیٹا تھا لکھنؤ میں تجارت کرتا تھا، جب ویلزلی نے یوروپینوں کو وہاں سے نکالنا شروع کیا تھا اور اسامی بازوں کی طرح اس پر بھی یہ حقیقت منکشف ہو گئی تھی، کہ سونے کی چڑیاں اب ہاتھ نہیں آئیں گی۔ گو ویلزلی نے ذاتی طور پر اُسکے ساتھ شفقت کا برتاؤ کیا تھا لیکن وہ اسکے اس طرز عمل کو ہرگز دل سے نہیں بھلا سکا۔ سنہ ۱۸۰۴ء میں وہ ہندوستان سے رخصت ہوا، اور انگلستان پہنچتے ہی اُس نے پارلیمنٹ میں ایک نشست خرید لی اور کابیٹ اور پرنس آف ویلز سے لائق موئدین کی ہمت افزائی سے اُس نے کوشش کی کہ گورنر جنرل کو نشانۂ ملامت بنا کے شہرت حاصل کرے۔ ۲۷۔ جنوری کو پال نے تحریک کی کہ اودھ کے متعلق کاغذات پیش کیے جائیں۔ اسنے لارڈ فوکسٹون کی امداد بھی حاصل کر لی اور کچھ عرصے تک ویلزلی پر منہ آتا رہا۔ ایک بار تو اُس نے اتنی ہمت کی کہ پارلیمنٹ کی میز پر ایک کاغذ رکھا، جس میں ویلزلی کی بداعمالیوں کی فہرست تھی اور اُس پر بڑے بڑے جرم لگائے تھے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ویلزلی کو عہدہ تو پیش کیا گیا تھا لیکن اُس نے اس بنا پر کہ تاوقتیکہ الزامات جو اُسکے خلاف لگائے گئے ہیں، ان کی صفائی نہ ہو جائے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ لیکن اس قول کی تصدیق میں کہ جبتک تمام الزامات رفع نہیں ہو گئے اور دارالشوریٰ میں ایک ریزولیوشن کثرت رائے سے اس امر کا پاس نہ ہو گیا کہ اس کی پالیسی قابل تحسین رہی تھی؟

اُس کا پہلے سے ارادہ تھا کہ وہ اُمور خارجیہ کی روبراہی میں اپنا وقت صرف کریگا، چنانچہ واپسی کے بعد سرکاری خدمت کا پہلا موقع جو اُسے ملا، تو اُس کے کام کرنیکا یہی موضوع تھا۔ یہ موقع وہ تھا جبکہ حکومت انگلشیہ نے ڈنمارک کے بیڑے کو بے رحمی اور سنگدلی سے گرفتار کر لیا تھا اور اراکین حکومت سے دارالامراء میں

اس رویئے کا جواب طلب کیا گیا تھا۔ ویلزلی نے حکومت کے اس طرزِ عمل کی مدافعت کی اور کہا کہ یہ ایک ایسی مردانگی کا کام تھا، جس نے مملکت کو بڑی خونریزی سے بچا لیا اور نیپولین کی کامیابیوں کی زنجیر میں اُس نے رخنہ ڈال دیا ہے۔ اُس وقت تک تمام یورپ نیپولین کے قدموں پر سر رکھے ہوئے تھا۔ ویلزلی نے کہا کہ ڈیلفی کے مندر میں غیب کی باتیں مقدونوی بولی میں بتائی جاتی ہیں، جسے صرف خاص خاص اہل نظر ہی سمجھ سکتے ہیں۔ ڈنمارک کے بیڑے کی گرفتاری ایک نادرِ روزگار کارنامہ ہے، جس نے نیپولین کے منصوبوں میں سے ایک منصوبے کو خاک میں ملا دیا، اور خواہ تھوڑے ہی زمانے کے لئے سہی، لیکن اُس نے اس کی کامیابی کی گاڑی کی چول میں روڑا اٹکا دیا۔ یہ تقریر اس کے قدیم اندازِ بیان میں ہوئی تھی، بہ درآنحالیکہ نپی تلی تھی، لیکن جوش سے لبریز تھی۔ عام طور پر خیال کیا جاتا تھا کہ وزارت کی طرف سے یہ بہترین مدافعت تھی۔ ۸ر فروری سنہ ۱۸۰۸ء کو یہ تقریر ہوئی اور مقرر کے لئے وزارت سے گہرے تعلق کی اُس نے بنیاد رکھ دی جس کو کیننگ کے ساتھ روز افزوں ہمدردی نے زیادہ پختہ اور مستحکم کر دیا۔

ویلزلی کو اب فرقوں اور آدمیوں کے سمجھنے اور جانچنے کا موقع ملا۔ یہ تو ظاہر ہے کہ وہ معمولی اتحادوں سے الگ رہنے کو ترجیح دیتا تھا، لیکن وزیر خارجیہ کے ساتھ اشتراکِ عمل کو دل سے پسند کرتا تھا۔ دونوں نیپولین کے مخالف پالیسی میں ایک ہی قسم کے خیالات رکھتے تھے، دونوں عوام الناس کے جوش و خروش کو بڑی خیر سمجھتے تھے اور دونوں اس امر کے کوشاں تھے کہ اُسے ترقی دی جائے۔ ویلزلی نے اپنے بھائی آرتھر کے مثل مضحکہ خیز ویلشیرن مہم کو ایک لغو و بیہودہ حرکت بتایا تھا، اور نہایت شدومد سے اس بات پر زور دیا کہ ہسپانوی جنگ میں قطعی مداخلت کرنی چاہیئے، کرونا اور سر آرتھر کی عارضی برطرفی کے بعد یہ طے پایا کہ ہسپانیہ میں عملی کارروائی کی ضرورت ہے۔ چنانچہ سپاہی (آرتھر) کو تو سپہ سالارِ افواج کر کے جزیرہ نمائے ہسپانیہ میں بھیج دیا گیا، اور مدبر (ویلزلی) شاہ ہسپانیہ کے دربار میں سفیر غیر معمولی کے طور پر مبعوث کیا۔ لیکن جب مارکوئیس کو یہ معلوم ہوا کہ اصل فوج کو ایک بیوقوفی کے کام کے لئے والشیرن بھیجا جا رہا ہے، تو اُس نے استعفا دیدیا، لیکن یہ پھر آمادہ کیا گیا کہ اسے قبول کرلے، چنانچہ کچھ تاخیر کے بعد وہ پھر ہسپانیہ روانہ ہوا اور ۳۱ر جولائی سنہ ۱۸۰۹ء کو بمقام کیڈز جہاز سے خشکی پر اترا۔

اُسکا استقبال نہایت عظیم الشان ہوا۔ جہاز سے اُترتے ہی آپکے اعزاز میں ہر قسم کا مظاہرہ کیا گیا، اور جب وہ شہر سیویل[1] میں داخل ہوا، تو تمام شہر اُسکو خوش آمدید کہنے اور اظہار مسرت کرنے کے لئے جمع ہو گیا تھا۔ اُس کا کام یہ تھا کہ اپنے بھائی کی فوج کے لیئے کافی کمک بہم پہنچائے۔ جنرل نے اُسکو لکھا تھا کہ فوج صرف نصف پیٹ بھر گزارہ کر رہی ہے اور رسالے کو گھانس دانہ صرف جنگل میں میسر آتا ہے۔ انتظار میں مہینوں گزر گئے اس عرصے میں فوج بھوکی مرتی رہی، اور انکا کمانڈر تعطل اور تاخیر پر دانت پیس رہا تھا اور خون کے گھونٹ پی رہا تھا۔ ادھر سفیر اپنی گورنمنٹ کو انگلستان اور ہسپانوی دربار کو خط پر خط لکھ رہا تھا اور ہر خط خطِ ماسبق سے زیادہ موکد ہوتا تھا۔ اُس نے دربار اسپین کے سامنے حکومت اور فوجی نظام کی از سر نو ترتیب کے متعلق تجاویز پیش کیں، اُس نے تاکید و تقاضا کیا، منت سماجت کی اور حکم و احکام بھیجے، لیکن تمام بے سود ثابت ہوئے۔ یہ بات بالکل ظاہر ہو گئی تھی کہ ہسپانوی حکومت سے کسی قسم کی اعانت کی امید فضول تھی۔ سر آرتھر ویلزلی نے (جو اب وائیکاؤنٹ ویلنگٹن ہو گیا تھا) مجبوراً پرتگال کی طرف گریز کی[2]۔

کیننگ بھی اس بات کو جان گیا تھا کہ انگلستان میں پر زور اصلاح کا روائی کی ضرورت ہے۔ تاکہ جوش و خروش پیدا کر کے نیپولین کی قومی مخالفت کی تائید کریں۔ کیسل ریے اس پالیسی کو معرض عمل میں لانے کا اہل نہ تھا، اس لیئے کیننگ نے کوشش کی کہ

---

[1] مسٹر ٹارنس نے اس ذیل میں بیان کیا ہے کہ ہسپانیوں کی تہنیت میں ویلزلی نے اپنی ٹوپی میں شوخ رنگ کے سبز پروں کا طرہ لگا لیا تھا۔ ڈی جینوئل گو میز اِمار اور ڈی رفائیل التامرا کی عنایت کی بدولت میں بوثوق کہہ سکتا ہوں کہ اسکی کوئی شہادت نہیں ملتی اور یہ بات ناممکن سی نظر آتی ہے۔ ان ہسپانوی عالموں کی مدد سے مجھے اپنے دوست ایچ بٹلر کلارک کے توسط سے حاصل ہوئی۔

[2] مسٹر ٹارنس نے ایک تمسخر انگیز واقعہ بیان کیا ہے، جو یقیناً مسٹر جیکب سے پوشیدہ نہیں رہ سکتا تھا، جو اسوقت موجود تھا (پیرس کی سوانح ویلزلی جلد سوم ص۲۳ میں انکی کتاب کا حوالہ دیا گیا ہے) واقعہ یہ ہے کہ سارا گوسہ کی ایک اُمنگی خاتون نے معزز سفیر کو پکڑ لیا اور ٹاؤن ہال کی بے شمار سیڑھیوں پر سے اُسے اُٹھا کے اوپر لے گئی اور سب سے اوپر کے کمرے میں بٹھا کے ایک ایسا بوسہ لیا، جسکی آواز سے چھت گونج اُٹھی۔

اُسکی جگہ مارکوئیس آف ویلزلی بحیثیت وزیر خارجہ مقرر کر دیا جائے ۔

اس کے بعد وزارت میں مناقشہ ہوا۔ اور یہ مناقشہ اس قسم کا بیہودہ مناقشہ تھا، جسکا تتبع ڈیوک آف ویلنگٹن نے خود تھوڑے عرصے کے بعد کیا۔ مناقشے کا نتیجہ یہ نکلا کہ وزارت کی از سرِ نو ترتیب ہوئی، ۲۷ دسمبر کو ویلزلی بکمال عجلت اسپین سے واپس طلب کیا گیا۔ وہ آیا اور اُس نے حلف کیا، اور وزیر خارجہ کی حیثیت سے بادشاہ کے ہاتھوں کو بوسہ دیا۔ اُس کے بڑے بیٹے رچرڈ کو پارلیمنٹ میں ایک جگہ دی گئی، اور چند ہفتے بعد خود اُسکو گارٹر کا خطاب و تمغہ ملا۔ ۱۰ مارچ ۱۸۱۰ء کو اس اعزاز و اکرام کی رسم پوری ہوئی۔ اسکے تھوڑے دن بعد ہنری ویلزلی کو اُسکی جگہ سفیر بنا دیا گیا۔ اور اب تو یہ بات عیاں ہو گئی، کہ جزیرہ نمائے اسپین کی فوج کی دستگیری و مدد کے لیے سخت جد و جہد کی جائیگی۔ لیکن وزیر خارجہ کے سامنے کام بڑا اور سخت بے ڈھب تھا۔ احساسِ عام مہم ہسپانیہ کے سخت خلاف تھا۔ لندن کی مجلس عام، کامن کونسل نے جو بہت سی دوسری جماعتوں کی نمائندہ تھی، فوج کو واپس بلانے کے متعلق عرضداشت پیش کی۔ ویلزلی نے جو تنہا انگلستان میں اس مہم کا حامی و مؤید تھا، اُس چیز کو روک دیا، جو یورپ کے لیے تباہی کا باعث ہوتی۔ اُس نے اس بات میں نہایت شد و مد سے تقریر کی، نہایت عجلت سے کام کیا، اور اُسکی مساعی مشکور ہوئیں۔ ۱۰ جون ۱۸۱۱ء کو اُس نے ہوس آف لارڈز کی تقریر میں بیان کیا:۔

ہسپانیہ کی قسمت کے ساتھ انگلستان کی قسمت غیر منفک طور پر وابستہ ہے۔ تو کیا ہم کو آخری دم تک اُسکا ساتھ نہ دینا چاہیے؟ اگر آپ مجھ سے پوچھیں، تو حضرات، تاج کے مشیر کی حیثیت سے اپنے بادشاہ کی خدمت میں برابر یہی عرض کروں گا کہ اسپین کی اُسکے وجود کے آخری لمحوں تک مدد جاری رکھی جائے۔ اس بات سے ہمیں دل نہیں توڑنا چاہیے، کہ اسپین کی زندگی کی حالت بڑی نازک نظر آتی ہے، بلکہ ایسے جوکھوں کے وقت تو ہمیں نہایت دلسوزی سے اُسکی خبرگیری کرنی چاہیے۔ کیونکہ جسطرح اقوام میں، اور اسی طرح سب سے پہلے اسپین میں ہم تجزیہ و تحلیل کی کتنی بار علامات دیکھ چکے ہیں۔ اور یہی علامات پیش خیمہ ہوتی ہیں نئی زندگی کی نئی طاقت کا! اس لیے میں اسپین کی زندگی کی آخری کشمکش میں اُسکا ساتھ دوں گا، اسی لیے میں اُسکی نزع کی حالت میں اسکی تیمارداری میں دریغ نہ کروں گا۔ میں اسکے زخم دھوؤں گا، اُسکی مرہم پٹی کروں گا، میں اپنے ہاتھوں میں اُس کے

دم واپسیں کو دوں گا، اور اُس کی رحلت گزیں حب الوطنی کی آخری چنگاری کو دل میں رکھوں گا، اور پرورش کروں گا۔ اس بات کو یہ نہ خیال کیا جائے کہ یہ محض بدخیر سگالی اور پاکبازی ہے، یا میرے احساسات کا مبالغہ آمیز بیان ہے، ہاں اُن واقعات کا ضرورت سے زیادہ گہرا چربہ ہے جنھوں نے اس ہمدردی کو قلب میں پیدا کیا ہے بلکہ حقیقت نفس الامری یہ ہے کہ ہسپانیہ کے ساتھ عزت و حرمت، اور اغراض و فوائد یکساں ملوث ہیں اور غیر منفک طور پر اُس میں شامل ہیں، ہسپانیہ کی طرفداری ایسی طرفداری ہے، جسکے لیئے دل کے بہترین جذبات کے ساتھ عقل کے اعلیٰ ترین احکام متحد ہیں"

دارالامرا میں اُسے اپنے بعض قدیم ترین دوستوں کے برخلاف نہایت سخت لڑائیاں کرنی پڑیں اُس وزارت کے جوش و خروش کو اُسے برقرار رکھنا ضروری تھا جس کے متعلق یہ کہا جاسکتا ہے کہ خود اسکو ہسپانوی پالیسی کے متعلق شکوک تھے۔ اُسے عوام الناس کے غیض و غضب کا مقابلہ کرنا تھا جو ہسپانوی جنگ اور سر فرانسس برڈٹ کی قید پر غضبناک ہو رہے تھے۔ ۶۔ اپریل کی شام کو اپسلے ہوس کی کھڑکیاں توڑ دی گئیں، یہ ایک ایسا منظر تھا، جسکا ساکنین مقام کو عادی ہونا تھا۔ باایں ہمہ ولزلی نہایت ثابت قدمی سے اپنی جگہ پر اڑا رہا، اور اسکے غیر مغلوب استقلال نے اُس کے رفیقانِ کار کو اپنے ساتھ گھسیٹے رکھا، یہاں تک کہ ویلنگٹن کے اپنی اور پرتگالی فوج کے سامان خورد و نوش بہم پہنچانے کے متعلق تمام مطالبات زر جدم کہ وہ پیش کیئے گئے پورے کیئے گئے۔ اور مئی کے شروع میں تو روپیہ "نہایت بہتات سے اُس کے پاس بھیجا گیا، سپاہیوں کی اُسے ضرورت ہی نہ تھی"

وزیر خارجیہ کو امریکن مشکلات کا بھی تصفیہ کرنا تھا، جو برلن اور میلان کے فیصلوں اور کونسل کے احکامات سے پیدا ہوگئی تھیں۔ اور اُسکو اُن حدود و قیود کے انضباط میں بھی شریک ہونا تھا، جن کے مطابق پرنس آف ویلز سے استدعا کی گئی تھی کہ وہ ریجنٹ کی حیثیت سے انتظام کرے۔ دارالامرا میں ریجنسی بل کی پہلی خواندگی کا موقع بعض لوگوں کی نگاہ میں ولزلی کے لیئے اُسکی عمر میں سب سے بڑی آزمائش کا وقت سمجھا گیا تھا، لوگوں کو امید تھی اور وہ اسکے لیئے تیار تھا، کہ وہ تقریر کرے۔ کوئی شخص اُس قانون کے متعلق تقریر کرنے کا اتنا اہل

نہ تھا، اور کسی کی تقریر اسے اتنے غور و ادب سے نہ سنی جاتی تھی۔ لیکن نہ معلوم کیا بات ہوئی کہ اس پر اعصابی کمزوری چھا گئی اور وہ گم سُم بیٹھا رہا۔ اسی وقت سے لوگوں نے یہ حکم لگا دیا کہ اعلیٰ درجے کے سیاسی اقتدار کا موقع اس نے کھو دیا اور آئندہ اس کے بڑھنے کی امید نہیں۔ اس معاملے کے متعلق بڑی چہ میگوئیاں ہوئیں، کسی اخبار کے نامہ نگار نے لکھا کہ لوگوں کی ایک رائے یہ بھی ہے کہ "اس کی طبیعت بجھ گئی، دل مر گیا ہے"۔ اور سب سے خطرناک بات یہ ہوئی کہ خود اس نے اس رائے سے اتفاق کلی کیا"۔ باخبر لوگوں کو سخت تعجب ہوا کہ نائب شاہ (ریجنٹ) نے وزارت کو جوں کا توں قائم رکھا۔ اور ویلزلی ہسپانوی جنگ کے لیے برابر جد و جہد کرتا رہا، اور یہی سب سے بڑی وجہ ہے جس کے باعث اپنے عہدے پر قائم رہا۔ اس کے علاوہ اور کسی مسئلے میں وہ اپنے رفیقان کار سے پورے طور پر متحد نہ تھا۔ وزارت کے اکثر جلسوں سے وہ غیر حاضر رہا کرتا تھا اور جب مسئلہ ایمن سی پیشن (آزادی و مساوات حقوق) فرقہ کیتھولک کی عرضی کی صورت میں ۱۸ جون ۱۸۱۱ء کو پیش ہوا، تو اس نے وزرا کے خلاف رائے دی۔

آخر کار یہ نظر آنے لگا کہ اس کی مساعی بے صلہ نہ رہیں گی۔ ایلگزر اول انگلستان کی طرف مائل ہوتا جا رہا تھا۔ اُس کی اِس نقل و حرکت سے یورپ کی آنکھیں کھلنی شروع ہوئیں، اور اُن پر روشن ہوا کہ ہسپانوی مدافعت نے یورپ کی کیسی خدمت کی ہے۔ جرمنی میں بھی اب ایک نئی جان پڑنی شروع ہوئی تھی، اور ویلزلی نے جب دیکھا کہ ہوا کا رخ بدل رہا ہے تو اس نے اپنی سعی اور کوشش اور زیادہ محنت و مشقت شروع کی۔ وزارت خارجیہ کے محافظ خانے کی مثلوں پر نظر ڈالنے سے اسکی ان تھک کوششوں اور دلی جوش و خروش کا حال ظاہر ہوتا ہے۔ مذکورہ بالا نامہ نگار نے لکھا "اسکو اس بات کا یقین کامل ہے کہ نقشۂ یورپ میں کچھ بہتری کے لیے ہی بہت بڑی تبدیلی پیدا ہونے والی ہے، اور یہ تبدیلی ویلزلی کی مساعی بلیغ کا نتیجہ ہوگی"۔ یہ بات بھی یقینی ہے کہ انتہا درجہ صبر و تحمل سے اور ہر طرح تدبیریں کر کے جس میں کبھی ظرافت ہوتی تھی اور کبھی جدت، اور ان دونوں میں اسے بڑا ملکہ تھا، اس نے کاہل وجود عیش کے بندے میں جو شاہ کے فرائض انجام دیتا تھا، یوروپین کشمکش کے متعلق دلچسپی اور جوش پیدا کر دیا تھا۔ وہ مرحوم ریجنٹ کے ساتھ رہتا تھا اور معلوم ہوتا تھا، کہ

وہ تھوڑے عرصے میں وزیر اعظم ہوجائے گا" اور معلوم ہوتا تھا کہ رومن کتھلاک کا مسئلہ بھی جس کے باعث اس نے استعفا دیدیا تھا (لیکن اس کی جگہ پر کرنے کے لیئے کوئی قابل اطمینان ذریعہ ثابت نہیں ہوا تھا) اسکو اس کی جگہ سے نہیں ہٹا سکیگا۔ اس نے ایک تقریر کی، اور قدیم ٹوریوں سے بھی بگاڑ پیدا کرلیا۔ اور ان سے بالکل علیحدہ ہوگیا۔ اور وِھگز نے بھی اسے خوش آمدید نہ کہا، لیکن یہ تقریر آزاد خیالی میں اسکے سچے استحکام کی بیّن دلیل ہے، اور اس مسئلے میں ہمیشہ اس کے افعال اسی رَوَیہ کے تابع فرمان رہے؛ ہفتے اسی حیص بیص میں گزر گئے۔ پرنس ریجنٹ بظاہر تو بڑی گرمجوشی اور شفقت سے پیش آتا تھا، لیکن درپردہ انقلاب کی تدبیریں لڑا رہا تھا؛ چنانچہ ۱۹ فروری ۱۸۱۲ء کو اسکی سازباز کا نتیجہ یہ نکلا کہ ویلزلی نے وزارت خارجیہ کی مہریں واپس کردیں، یعنی مستعفی ہوگیا۔ اور آئرلینڈ کے لارڈ لفٹننٹ کے عہدے کو منظور کرنے سے بھی انکار کردیا۔ وہ ایک لمحہ بھی اس بات کو گوارا نہیں کرسکتا تھا کہ وزیر اعظم پرسیول کی تنگ نظری سے متفق و متحد ہونیکا شکار بنے۔ تین ماہ بعد جب وزیر اعظم گولی سے ماردیا گیا تو ویلزلی سے درخواست کی گئی کہ کیننگ کے ساتھ اپنی سابق وزارت پر چلا آئے، لیکن دونوں نے اصول کار کے متعلق رفعداد باہمی کرنے سے انکار کردیا۔ ویلزلی نے لارڈ لورپول کو دو خط لکھے۔ یہ خط کیا ہیں، دلائل و براہین کا استادانہ نمونہ ہیں۔ ان میں اس نے اپنی رائے کے استحکام و استقلال کو سراہا ہے۔ چند روز بعد وزارت مرتب کرنے کا موقع فی الواقع اسکے ہاتھ آگیا، لیکن بمقابل فرقوں کے سرداروں نے اس کے ساتھ کام کرنا پسند نہیں کیا۔ فرقہ کتھلک کی آزادی (ایمین سی پیشن) اور ہسپانیہ میں نہایت سختی سے جنگ کا اجرا یہ دو باتیں تھیں، جن پر ویلزلی اڑا ہوا تھا، اور انھیں دونوں بناؤں پر زبردست حکومت کا قائم کرنا ناممکن ہوگیا[1]۔ ان لوگوں میں جو فرقہ کتھلک کی آزادی چاہتے تھے اور وہ لوگ جو اس مسئلے سے سرے ہی سے متنفر تھے، اصلاح ذات البین ناممکن تھی۔ چنانچہ ویلزلی نے دارالامرا میں آخر کہہ ہی دیا کہ "نہایت ہی خوفناک ذاتی کاوشوں" نے اس کے کام کو ناممکن کردیا ہے۔

[1] ویلزلی نے ۱۸۱۲ء میں وہ خط و کتابت شائع کی جس میں حکومت قائم کرنے کے متعلق نامہ و پیام کا مفصل بیان تھا۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لارڈ لورپول کی وزارت قائم ہوگئی، جسکے متعلق خیال کیا جاتا تھا کہ اس کی عمر چند ماہ سے زیادہ نہ ہوگی، لیکن وہ پورے پندرہ سال قائم رہی۔ یہ بھی طرفہ ماجرا ہے کہ متوسط طبقے کے لوگ انسانی پرستش پر اتر آئے تھے اور لارڈ لورپول جیسے شخص کو عرش کا تارا سمجھنے لگے تھے۔ جب ارکان وزارت کے تقرر کا حال کھلا تو دارالامرا میں نہایت تلخ و ترش بحث ہوئی۔ ویلزلی اس میں نہایت آسانی سے سرخرو نکلا لیکن اسکے وزیر اعظم ہونے کا موقع ہمیشہ کے لیے جاتا رہا۔

یکم جولائی ۱۸۱۲ء کو ویلزلی نے رومن کیتھلک کے دعاوی پر غور کرنے کے متعلق ایک تحریک پیش کی اور اس موقع پر اس نے بہترین تقریر کی۔ تقریر اس کے عام انداز کے مانند فصاحت اور بلاغت میں ڈوبی ہوئی تھی لیکن اس کے ساتھ "آنچہ از دل می خیزد بر دل می ریزد" کی مصداق بھی تھی۔ صرف ایک مخالف رائے کی زیادتی سے اسے شکست ہوئی۔ اس کے بعد اس مسئلے کے متعلق ان کی تمام مساعی چھپے چھپے ہوتی رہیں، تاہم وہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے نہیں بیٹھا رہا۔

۲۲ جولائی ۱۸۱۲ء کو سلامانکا کی فتح کی خبر نے ویلزلی کی توقیر کو عوام الناس کی نگاہ میں کچھ کا کچھ کر دیا۔ اس فتح عظیم سے ایک تو آرتھر ویلزلی کی جنگی قابلیت کی عظمت فیصلہ کن طریق پر اظہر من الشمس ہوگئی اور دوسرے اس نیک فال میں کوئی شبہ نہیں رہا کہ اسپین میں انقطاعی فتح کا سہرا انگریزی فوج کے ہی سر رہے گا۔ معہذا یہ دونوں بھائی عوام الناس کی لہر مسرت کی چوٹی پر پہنچ گئے۔ ویلنگٹن کو مارکوئیس کے درجے پر فائز کیا گیا، اور ویلزلی یہ دیکھکر دل ہی دل میں خوش ہوتا تھا کہ اسکی قوت فیصلہ جو اتنے عرصے تک مرکز بحث اور ہدف ملامت بنی رہی، آخر سچی ثابت ہوئی۔ اور اس کے بعد تو وہ اتنا کھلا کہ لندن کے اژدحام کے ساتھ فتح کی خوشی میں نہایت گرمجوشی سے شریک ہوا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس نے فتح کی دل سے خوشی منائی۔ اس وقت سے دو سال پہلے یہی لوگ تھے جنھوں نے اس کے مکان کی کھڑکیاں توڑ دی تھیں اور اب بھی وہی لوگ تھے جو اس کی گاڑی کو سینٹ پال کے گرجا اور مینشن ہاوس گھسیٹ کے لے گئے، اور پھر نعرہائے تحسین و آفریں کے ساتھ ان کے گھر واپس پہنچا گئے۔

اس کے بعد ویلزلی نے چند سال تک سیاسیات میں بہت کم حصہ لیا۔ اس کے مقاصد میں ایک مقصد حاصل ہو گیا تھا، لیکن ایک دوسرا سر دست خارج از تحصیل تھا۔ اس نے ان گیارہ امرا کے ساتھ حکومت کے اس مہیب ولغو قانون کے خلاف قابل تحریر احتجاج پر دستخط کیئے بلکہ کہتے تو یہ ہیں کہ اس نے لارڈ گرینویل کے ساتھ ملکر خود اُسے لکھا تھا، جو ایک ایسا قانون تھا کہ آج کے دن اگر ضبط تحریر میں آتا، تو کوئی اسکے حماقت آمیز مضمون پر یقین نہ لاتا۔ اسکا منشا یہ تھا کہ جب تک ملکی پیداوار کے گیہوں کی ایک کوارٹر (۲۸ پونڈ یعنی ۱۴ سیر) کی قیمت ۸۰ شلنگ وصول نہو، اسوقت تک تمام ممالک غیر کے اناج کو انگلستان آنے سے روک دیا جائے۔ ایڈم سمتھ فراموش نہیں کیا گیا، تحریر احتجاج میں یہ بیان کیا گیا تھا کہ یہ قانون اس قسم کا ہے جس کے ذریعے کاشتکار کو خریدار پر ٹیکس لگا کے فیض پہنچایا جائیگا۔

جوں جوں زمانہ گزرتا گیا، ویلزلی نے حکومت کی آئرلینڈ کے متعلق جابرانہ پالیسی اور انگلستان میں آلات حرب وضرب پر اسراف اور مداخل میں زیادتی کے خلاف بار بار صدائے احتجاج بلند کی۔ اس نے کبھی کسی جماعت کے اغراض و خوائد یا احساس عام کے خلاف کی مخالفت کرنے میں خوف نہیں کیا۔ جس طرح اس نے جنگ کے جاری رکھنے کی نسبت اس وقت زور شور دکھایا تھا جبکہ سب اسکے خلاف تھے، اسی طرح اس نے نپولین کی ایلبا سے فراری کے بعد اسکی مدافعت کی مخالفت کی۔ اسکی ایک تقریر میں ہمیں ایک ایسی صدا سنائی دیتی ہے جو اُس نخوت کے زمانے میں بالکل غیر معمولی معلوم ہوتی ہے۔ یہ صدا اخلاقی اصلاح اور نئے اسلوب کے متعلق تحریک تھی، جس کے اتمام کی ابھی تک ضرورت باقی ہے۔

جب ملک معظم کے ہر طبقے کے لوگوں کی حالت دیکھتا ہوں، اور انکی مساعی، ان کے صبر، ان کی وفاداری، پارلیمنٹ پر ان کے اعتماد اور ان کی موجودہ مصیبت پر نظر ڈالتا ہوں تو میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اپنے فرائض کی کس مجرمانہ فراموشی کے باعث وزرا نے ایسے خوفناک مصائب کے اسباب کے متعلق عاجل و کامل تحقیقات کر کے مطمئن کرنے سے منہ موڑ لیا اور ہر ممکن مدد کے عہدے سے ہاتھ کھینچ لیا۔ مندرجہ بالا ملامت انگیز اسراف زیادہ دنوں نہیں چل سکتا۔ پارلیمنٹ کو اپنا فرض پورا کرنا چاہیئے، ملکی عہدہ داروں اور ہر قسم کے سرکاری عملوں کی اچھی طرح تخفیف کرنی چاہیئے۔

درحقیقت سب کو ایک قاعدے کے زیر فرمان کرنا چاہیئے کوئی چیز خواہ وہ کتنی ہی قدیم کیوں نہ ہو اگر ملک کی احیاء و بقا کے لیئے لازمی طور پر ضروری نہیں ہے تو وہ ہرگز باقی نہیں رہنی چاہیئے[1]۔

یہ تھے وہ مردانہ الفاظ جو اس شخص نے کہے تھے۔ لیکن نہ تو وہ جوشیلا مقرر تھا اور نہ سرگروہ انبوہ۔ عوام کی سینہ زوریوں کا مقابلہ کرنے میں جسقدر وہ بے خوف تھا اسی قدر ان کی شکایتیں رفع کرنے میں مستعد۔ اس نے ۱۸۱۹ء کے چھ قانونوں کی تاکیدگی' اور ''مانچسٹر کے قتل عام'' سے جو بدامنی اور بے چینی مہیب صورت میں پیدا ہوگئی تھی' اسکا اعتراف کیا اور اسے تسلیم کرلیا؛

۱۸۲۱ء کے آخر میں ویلزلی کو آئرلینڈ کے لارڈ لفٹننٹ کا عہدہ پیش کیا گیا' اور اُس نے اُسے منظور کرلیا' ملک کی حالت جتنی ابتر تھی' وہ ہم اچھی طرح جان چکے ہیں۔ ہر طرف دنگا فساد بپا تھا۔ اضلاعِ ملک میں انتظام و انصرام درہم برہم ہوگیا تھا۔ ہر جگہ افراتفری مچی ہوئی تھی۔ بازاری لوگوں کا ڈنکا بج رہا تھا۔ ویلزلی جب آئرلینڈ پہنچا تو لوگوں نے اُسے مصالحت کا پیش خیمہ تصور کیا۔ اسکا قدیم دوست گرینویل پھر ایک عہدے پر فائز ہوگیا تھا اور گورنمنٹ کی نظر میں بھی اب وسعت پیدا ہوگئی تھی۔ دارالامرا میں بھی ایمنسی پیشن (فرقہ کیتھولک کی آزادی) کا مسئلہ کم آراء کی کثرت سے مسترد ہو رہا تھا۔ یعنی اس میں اس مسئلے کی مخالفت رفتہ رفتہ کم ہو رہی تھی۔ ویلزلی اور اس کا بھائی دونوں آئرلینڈ کے سب سے بڑے زندہ آدمیوں میں تھے۔ لہٰذا آئرلینڈ کے دارالحکومت میں اس کے داخلے کا منظر ایسا عجیب و غریب تھا' جو شاید ہی ان کے بعد کسی وائسرائے کو نصیب ہوا ہو جسمیں تمام فریقوں نے یکساں ان کا نہایت عظیم الشان طور پر استقبال کیا۔ ۸ر جنوری ۱۸۲۲ء کو جب اس نے پہلا اذن عام منعقد کیا تو اہل ڈبلن کے خطبے کا اس نے چیدہ الفاظ میں جواب دیا۔

میں نے اپنے ملک معظم اور اپنے ملک کے مختلف عہدوں پر دور و دراز ملکوں میں خدمات انجام دی ہیں۔ جہاں کہیں بھی قسمت نے مجھے پہنچایا ہے میں اپنے خاندان یا ملک کے لیئے ننگ نہیں ثابت ہوا ہوں۔ اب اگر بتائید ایزدی اور بنوازش بادشاہ سلامت آئرلینڈ میں میں نے امن و امان کو بحال کردیا تو میری طویل خدمات مسرت اور عزت اور

[1] ''پیرس ویلز'' جلد سوم ص ۳۱۲۔

حقیقی ناموری کے ساتھ ختم ہو جائینگی۔

چند روز بعد جو اسے ضیافت دی گئی اس میں اس نے نہایت فخر و انبساط کے ساتھ اپنے بھائی کی کامیابیوں کا ذکر کیا، اور حاضرین کو اپنے بھائی کی اپنے وطن کے ساتھ غیر مبدل محبت کا اطمینان دلایا۔

آئرلینڈ میں جاتے ہی جو کارروائیاں اس نے کیں، وہ اس نوع کی تھیں کہ اس نے پہلے ان لوگوں کا تالیف قلوب کیا، جو آئرلینڈ کی ضروریات سے ہمدردی رکھتے تھے۔ چنانچہ مسٹر پلنکٹ اٹارنی جنرل اور مسٹر برگ چیف جسٹس مقرر کئے گئے۔ اس نے کام کی ابتدا بڑے عمدہ شگون کے ساتھ کی۔ ہر شخص یہ سمجھتا تھا کہ وہ آئرلینڈ کے حق میں بہتر سے بہتر کام کرے گا حتیٰ کہ متلون مزاج اور ممتنع الاصلاح سر فرانسس برڈیٹ نے بھی مخلوق سے ہمدردی پر اسکی تعریف و توصیف کی۔

ویلزلی کا کام درحقیقت وہ تھا جسے آجکل "پیغام مصالحت" کہا جاتا ہے۔ لیکن بہت سے وائسرائوں کے مانند جو اسکے بعد آئے، اسے معلوم ہوا کہ آئرلینڈ پر بغیر جبر و تشدد کے حکومت ناممکن ہے۔ سب سے پہلی رپورٹ جو اس نے وزارت داخلہ کو بھیجی، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بدامنی کے رفع کرنے کے لئے معمولی قانون کس قدر ناقابل ہے۔ فروری ۱۸۲۲ء کو پارلیمنٹ کے اجلاس کے آغاز میں اس کا جو مراسلہ پیش ہوا اس میں اسنے لکھا:۔

> مزید فوجی طاقت، یا پولیس میں زیادتی و ترقی قانون بغاوت کی مدد کے بغیر کارگر ثابت نہوگی۔ اس مدد کے ساتھ مجھے یہ توقع قرین عقل معلوم ہوتی ہے کہ پھر امن و سکون نہ صرف بحال بلکہ تمام آئرلینڈ میں مستقل طور پر ساری و طاری ہو جائیگا۔

قانون بغاوت منظور ہوا اور ہیبس کارپس ایکٹ معطل کر دیا۔ ربن من کے فرقے والوں پر مقدمہ چلایا گیا اور تمام منویانہ انجمنوں کا قلع قمع کر دیا گیا۔ ویلزلی اور آئرلینڈ کے افسران قانون کے خطوط سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا منشاء یہ تھا کہ سازشوں اور خفیہ انجمنوں کی ہیبت و دہشت کی بجائے قانون کی عظمت اور جلال کا خوف ابنائے وطن کے دل میں بٹھا دیا جائے۔ ایک سال کے اندر یعنے ۲۹ جنوری ۱۸۲۳ء کو وہ یہ رپورٹ کرنے کے قابل ہو گیا تھا کہ جرائم میں بہت تخفیف ہوگئی ہے۔ تجربے نے جو اس میں اعتماد

لہ۔ پیرس کی کتاب ویلزلی جلد سوم صفحہ ۳۲۱ -

پیدا کر دیا تھا اس کی بنا پر قانون بغاوت کی ایک سال کے لئے از سر نو تجدید اور آئرلینڈ کے ججوں اور پولیس کی اصلاح کی زور سے درخواست کی۔ اس معاملے میں جہاں کہیں وہ خود عمل کر سکتا اس نے بے باکانہ عمل کیا، اور صیغۂ عدالت کی فہرست میں سیکڑوں ایسے منصفوں کے نام کاٹ دیئے جو کسی فریق سے تعلق رکھتے تھے۔ اس نے فاقہ زدہ کاشتکاروں کے لئے امدادی راس المال قائم کیا، خود بہت بڑا چندہ دیا، اور معتد بہ رقم جمع کر دی؎

لیکن ایسے واقعات درج کر رہے ہیں جن سے ہمارے کان بہت کچھ آشنا ہیں۔ آئرش ہلچل اور بے چینی کی اصل جیسے کہ پہلے تھی، ایسے ہی اب بھی اس قسم کے جرائم سے مملو تھی، جن سے شیطنت اور بچوں کی سی حماقت ٹپکتی تھی اور آئرلینڈ کی تاریخ کے صادق و صریح نظائر ہمیں ہر قدم پر نظر آتے ہیں۔ ویلزلی کی نفع رسانی خلائق اور اصلاح ذات البین دونوں یکساں بے سود نکلے۔ صرف ایک محدود رقبے پر تیر و تشدد کارگر ثابت ہوئے؎

۱۲ جولائی ۱۸۲۲ء کو کالج گرین میں شاہ ولیم کے بت کے گرد و پیش مظاہرہ موسومہ آرینج ڈیمانسٹریشن کو روک دیا گیا۔ لیکن جب اہلِ آئرلینڈ کسی مذاق کا تہیہ کر لیتے ہیں، تو پھر سر پھوڑے بغیر اس سے ان کو باز رکھنا ناممکن سا ہوتا ہے۔ چنانچہ اسی واقعے پر ڈبلن میں کئی روز تک ہنگامہ برپا رہا۔ رومن کتھلک اور آئرلینڈ کے کلیسا کے پیرو کئی روز تک آپس میں اور شاہی فوج سے لڑتے رہے۔ اور لارڈ میئر آخر میں صرف زبردست فوجی جمعیت کی مدد سے ہی بلوے کو رفع دفع کر سکا۔ ۵ نومبر کو ہنگامہ از سر نو جاری ہو گیا اور جوش و خروش ایک مہینے سے اوپر قائم رہا۔ ۱۴ دسمبر کو جبکہ اہل آئرلینڈ آمادۂ فساد تھے، لارڈ لفٹنٹ مع مصاحبین سرکاری طور پر تھیٹر رائل میں تماشا دیکھنے گیا۔ یہ ایک ایسا موقع تھا جو

؎ ان واقعات کے لئے "ہز ایکسلنسی دی مارکوئیس آف ویلزلی کی آئرلینڈ میں حکومت کا ایک سال مطبوعہ ۱۸۲۳ء" دیکھنا چاہیئے۔ اس رسالے میں نہایت تلخ اور طنز آمیز حملہ کیا گیا ہے۔ اسکا جواب اسی سال رسالۂ موسومہ "آئرلینڈ کے فسادات اور واقعات" میں دیا گیا۔ پھر ۱۸۲۶ء میں "مارکوئیس آف ویلزلی کی حکومت پر خیالات" کے نام سے ایک اور کتاب شائع ہوئی اس میں مارکوئیس کی مصالحانہ پالیسی اور اسکی کامیابی کے متعلق نہایت زور سے ستائش کی گئی ہے؎

ہاتھ سے نہ دیا جاسکتا تھا۔ لڑکوں نے اس موقع کو تاک لیا۔ انھوں نے اشتہار تقسیم کیے" اور اس میں کنایتہً یہ بھی لکھدیا کہ "اب پاپائی نہیں چلے گی"۔ پر اٹسٹنٹ کو ٹالبٹ[1] نسل کے کتے کی ضرورت ہے، اس لیے کہ پاپاؤں کو سب کچھ مل گیا ہے، صرف .....!!" اور بینٹم[2] (ٹھینی مرغوں) کے سابق گورنر اپنی صبح کی اذان کو بدل دیں گے"۔

ویلزلی کو اچھی طرح معلوم ہوگیا ہوگا لیکن غالباً اسے یہ خبر نہ ہوگی کہ بوتل اس کے سر پر توڑی جائیگی۔ جب "خدا بادشاہ کو سلامت رکھے" کا نعرہ بلند ہوا، اور وہ تعظیماً کھڑا ہوگیا تو بوتل سر پر آئی لیکن خیر یہ ہوئی کہ مارنے والے کا نشانہ پورا نہیں بیٹھا، اور پست قد والسرائے کو سنیٹیوں اور نقل اتارنے کی آوازوں کے علاوہ اور کچھ ضرر نہ پہنچا۔ بدقسمتی سے اس نے اس آئرش مذاق کو محض مذاق کے طور پر نہ سمجھا۔ بلکہ بہت سے بلوائیوں کو حکومت کے خلاف سازش کے الزام میں دھر پکڑا۔ اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ گرینڈ جوری (ثالث اعظم) نے آئرلینڈ کے متعلق قانون بغاوت کو مسترد کردیا، اور دارالعوام میں استغاثے کے خلاف ملامت کی تحریک کی گئی، جسکو رد کرنے میں پلنکٹ کی ساری فصاحت و بلاغت صرف ہوگئی۔

اسی اثنا میں لارڈ لورپول کی حکومت ۱۲ اگست ۱۸۲۲ء کو کیسل رے کی خودکشی کے باعث کیننگ کے ہاتھ میں چلی گئی۔ اب تو ویلزلی اپنی مصالحت کی پالیسی میں حکومت کی تائید کے اعتبار سے زیادہ محفوظ ہوگیا۔ اور اس نے پھر دسویں حصے مسئلہ عشر کے تصفیئے کے متعلق تجویز پیش کرنے کی ٹھان لی۔ مسٹر پیریس نے ایک دلچسپ خط شائع کیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ لارڈ ڈاکرے نے اس مسئلے کے متعلق وائسرائے سے گفتگو کی تاکہ ایک تجویز مرتب کرے اور اس کی رو سے مسئلہ عشر کو ہفت سالہ اوسط سے منضبط کردے جیسا کہ بعد میں انگلستان کے لئے اختیار کیا گیا۔

یہ کوششیں ویلزلی کی نائب السلطنتی سے مخصوص تھیں۔ گو وہ ہر دلعزیز حاکم

---

[1] ٹالبٹ اصطلاحاً بڑے منہ اور بڑے کانوں والے شکاری کتے کو کہتے ہیں، جسکا رنگ عموماً سفید ہوتا ہے بظاہر یہ سینٹ ہیوبرٹ نسل کے مثل ہوتا ہے۔

[2] بینٹم ٹھینی مرغ کو کہتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے یہ نام جاوا سے لیا گیا ہے جہاں کا مرغ بڑا چھوٹا ہوتا ہے۔

نہ تھا، اور نہ اس میں عوام کے لیڈر بننے کے اوصاف تھے تاہم اسکی طبیعت میں نفع رسانی اور خیر سگالی تھی، اور مخلوق کو آسائش پہنچانے کا اسے بہت خیال رہتا تھا۔ اور مدبر کی حیثیت سے وہ حقیقت میں نہایت دور اندیش تھا۔ اس کے کام میں نمود و نمائش نہیں ہوتی تھی، بلکہ وہ کئی درجے اس قسم کا حاکم تھا جسکی آئرلینڈ کو سخت ضرورت تھی۔ اور اسکے ذریعے سے آئرلینڈ کے نظم و نسق پر ایسا نقش بیٹھ گیا تھا جو ہرگز مٹنا نہ چاہیئے تھا۔ اس کے جانشینوں نے اس کی حکومت کے مقابلے میں جو آثار چھوڑے ان کو ویلزلی نے خود مزاح کے پیرایے میں خوب بیان کیا ہے۔ لارڈ نارمن بی نے جو اس کی دوسری بار زمانہ حکومت ختم ہونے کے بعد ۱۸۳۵ء میں اسکا جانشین مقرر ہوا، تمام آئرلینڈ کا دورہ کیا۔ اور قید خانوں کے دروازے ہر قسم کے مجرموں کے لئے کھول دیئے۔ عزت اور حرمت کی اس نے ایسی بے قدری کی کہ جس نے نشو و نما پاکر "محض قتل" کی صورت اختیار کرلی۔ ویلزلی نے نارمن بی کو کتاب "ٹام تھمب" کے شاہ سے مقابلہ کرتے ہوئے کہا کہ "افسوس اس نے انصاف کرنے کے بجائے رحم کو اندھا قرار دیا ہے۔" ویلزلی کی نائب السلطنتی کیننگ، اور لارڈ گاڈریچ کی حکومتوں کے زمانے تک رہی۔ یعنی اسوقت تک جبتک کہ رومن کیتھلک کی آزادی کا مسئلہ وزارت میں جاری رہا۔ اس نے جنوری ۱۸۲۸ء کو استعفا دیا جب اس کا بھائی ڈیوک آف ویلنگٹن فرقہ پراٹسٹنٹ کی کامل فوقیت مان کر وزیراعظم ہوا۔ لیکن اسکا استعفا علامت تھا آئرلینڈ میں نہایت شدید اور مستقل ہلچل اور اودھم کا، جو کلیر ایلکشن (انتخاب کلیر) کے بعد فوراً شروع کردی گئی ٭

ڈینیل اوکانل نے صاف لکھدیا کہ "وقت آگیا ہے کہ اب اس نظام عمل کو جو اس ملک میں ساری اور طاری ہے، یکسر موقوف کردیا جائے۔ آئندہ صرف ان الفاظ سے کہ پیارے دوست میں تمہاری خیر خواہی کا متمنی ہوں، کام نہیں چلے گا۔ بلکہ جو کچھ کہا جاتا ہے اسکو عمل کرکے دکھلایا جائے۔ اور ہمارے ساتھ واقعی طور پر خیر خواہی برتی جائے۔ وقت آگیا ہے کہ اس طرز عمل کا خاتمہ کردیا جائے اور میں یہاں اس لئے آیا ہوں کہ اسکا خاتمہ کردوں۔" آخرش وہ دن بھی آگیا کہ ویلزلی کے مقصد کی تکمیل کے سامان ہونے لگے ٭

مارکوئیس کا استعفا اس امر کی بھی صاف دلیل تھی، کہ اسکو ڈیوک سے اختلاف ہے دونوں بھائیوں میں عرصے سے نزاع کے سامان ہو رہے تھے، اور اس موقع نے اس کو پورا کر دیا۔ مسٹر تھرس[1] فیلڈ نے خوب کہا ہے کہ "ڈیوک کے یہ بات سمجھ میں نہ آتی تھی۔ کہ قدیم قسم ٹوری ازم تذر اجل ہو چکی ہے" مارکوئیس کبھی "قدیم ٹوری" نہیں ہوا تھا۔ اسکے گھرانے کے لوگوں کو اس کے بعض اقوال یاد ہیں۔ ان میں سے ایک ممتاز رکن دی آنریبل چارلس گور اب تک حین حیات ہے، اور وہ مارکوئیس کے بہت سے اقوال نقل کیا کرتا ہے، جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ اپنے بھائی کی سیاسی قابلیت کے متعلق وہ کچھ اچھی راے نہیں رکھتا تھا۔ یہ بھی عیان ہے کہ اسکو اس بات کا بہت افسوس تھا کہ وہ بھائی جسکو اس نے ہندوستان میں ایسے ایسے موقع دیئے، جن پر اس نے اپنی عظمت اور ناموری کی بنیادیں ڈالدیں، اب جبکہ وہ وزیر اعظم ہو گیا تو اس نے اس کے احسانات کا کوئی شکر نہیں ادا کیا۔

ماہ جون ۱۸۲۸ء کی دسویں تاریخ کو دارالامرا میں ایک نے دوسرے کی مخالفت کی۔ ویلزلی نے نہایت دانائی اور متانت سے اس بات پر زور دیا کہ کہنہ اور فرسودہ ناانصافیوں کو اب ترک کر دینا چاہیئے۔ فرقۂ رومن کتھولک کا حکومت سے اخراج حفظ امن کا ذریعہ نہیں رہا بلکہ اب وہ حقیقۃً ایک تکلیف دہ اور فوری خطرہ بن گیا تھا۔ چنانچہ اس نے کامل اعتقاد کے ساتھ رومن کتھلک فرقے کے دعووں کی تائید کی۔ ان دعاوی کا ویلزلی کے دل میں جو اعتقاد آئرلینڈ میں ان قوانین کے عمل کے پورے مطالعے اور طولانی تجربے کے بعد قائم ہوا تھا، جس کے ذریعے اہل آئرلینڈ کو حکومت سے خارج کر دیا گیا تھا"۔ ویلنگٹن نے اس کا جواب یہ دیا کہ میرا خیال یہ ہے کہ رومن کتھلک کی بے بسی اور حکومت سے اخراج سلطنت اور کلیسا کی حفاظت کی شرطیہ ضمانت ہے۔ لیکن ایک سال بھی گزرنے نہ پایا تھا کہ ڈیوک نے خود اس چیز کو جسکی مخالفت پر وہ اتنا تلا ہوا تھا، عمل پذیر کرایا۔ قانون اصلاح جب پیش ہوا، تو اس کے متعلق ان ہی واقعات کا اعادہ ہوا۔ ویلزلی سالہا سال سے ایک پرجوش مصلح تھا۔ ویلنگٹن ان کے مقابلے میں اُس وقت تک جما رہا، جبتک رعایت

[1] کتاب موسومہ "تکمیل"

ومروت عوام کی خیر خواہی کے مقابلے میں کمزوری اور بزدلی نہیں سمجھی گئی - ویلزلی نے لارڈ کومبرمیر سے خوب کہا تھا کہ "آرتھر بڑا اچھا سپاہی ہے، لیکن وہ مُدبّر کبھی نہیں بن سکتا" ایک اور اپنے دوست کے سامنے اُس نے اس سے بھی زیادہ زوردار الفاظ استعمال کیے تھے؛

سیاسی مسائل میں اختلاف ہی بنائے تفرقہ نہ تھا، بلکہ اصل یہ ہے کہ یہ توقع کیجاتی تھی کہ تبدیلی وزارت کے موقع پر بڑے بھائی کو کوئی نہ کوئی بڑا عہدہ ضرور ملجائے گا - ایک دفعہ لارڈ گاڈیریخ نے وزارت میں اسکی شمولیت کی سفارش بھی کی تھی - علیٰ ہذا جب ولنگٹن سے ترتیب ارکان حکومت کی درخواست کی گئی، تو لوگوں کو خیال گزرا کہ وہ اپنے بھائی کو ارکین سلطنت کا سالار بنائیگا - لیکن لیچ کا مشہور خاکہ طبع ہونے سے قبل ظاہر کردیا گیا تھا[1] - اس میں یہ دکھایا گیا تھا کہ "حریص لڑکا" کسی دوسرے لڑکے کو جس میں اس کی رقابت کا شائبہ بھی ہو "عمدہ چیزوں میں سے ایک چیز بھی نہیں لینے دیگا"؛

وہ پھر جب لارڈ گرے کی حکومت عالم وجود میں آئی تو ویلزلی محل شاہی کا میر سامان (لارڈ اسٹیورڈ) بنا دیا گیا، اور قانون اصلاح کے منظور ہونے کے بعد وہ پھر آئرلینڈ کا لارڈ لفٹننٹ مقرر ہوگیا، اسکا داماد مسٹر لٹلٹن اسوقت آئرلینڈ کا چیف سکرٹری تھا - ان دونوں نے مل کر ایسی تجاویز قلمبند کیں کہ اگر انہیں منظور کرلیا جاتا تو آئرلینڈ کے وطن پرستوں مایوس دلوں کے لیئے سچی تسکین کا باعث ہوتیں - اس وقت قانون جبر نافذ العمل تھا اور اسکی تشدد آمیز دفعات کی ویلزلی اور لٹلٹن کی صلاح کے برخلاف تجدید کردیگئی - ویلزلی اور لٹلٹن کی تجاویز عدالت، مجلس مشیران سلطنت، اور دیگر ادنیٰ اور اعلیٰ ملکی عہدوں میں رومن کتھلک کے داخلے پر مشتمل تھیں - اور مسئلہ عشر کے متعلق بھی ویلزلی کی عاقلانہ تحریک ہی تھی، جس نے پیل کی وزارت کو نیچا دکھایا؛

لارڈ گرے کے دوسرے عہدِ حکومت کے دوران میں ویلزلی چند ہفتے تک حاجب (لارڈ چیمبرلین) کے منصب پر مامور رہا - پبلک کی خدمت سے اس کی

---

[1] لیچ کا کارٹون ۵ جون ۱۸۴۲ء کو دارالامرا کی بحث کے بعد اخبار پنچ میں نکلا تھا - جب ولنگٹن نے ہارڈنگ اور گف کو مراتب عطا کیئے جانے کے خلاف رائے دی تھی؛

کنارہ کشی کے متعلق کوئی توجیہ بیان نہیں کی گئی اس وقت اس کی عمر ۷۵ سال کی ہو گئی تھی۔ اور اس لئے کوئی تعجب نہیں کہ اس نے زندگی عام کو اب بالکل خیرباد کہہ دیا ہو[1] اس کی آخری رونمائیوں نے دونوں سیاسی پارٹیوں سے فراخ تحسین وصول کیا۔ پیل۔ گرے اور میلبورن نے متفق اللسان ہو کر اس کا اعزاز و اکرام کیا۔

اس کے بعد سات سال اس نے گوشہ نشینی اور خلوت گزینی میں گزارے۔ ۱۸۳۳ء میں گرینویل نے ایک خط لکھا کہ :-

کئی کئی سال سے وہ دنیا سے بالکل بے تعلق زندگی بسر کر رہا ہے۔ وہ دارالامرا میں آتا ہے اور بار بار تقریر کرنے کا ارادہ ظاہر کرتا ہے، لیکن تقریر کبھی نہیں کرتا۔ وہ دربار شاہی میں جاتا ہے اور ایک کونے میں بیٹھ جاتا ہے اور جو لوگ اسے جانتے ہیں وہ کہتے ہیں، کہ وہ اس وقت اتنی ہی زندہ دلی اور اتنے ہی جوش سے گفتگو کرتا ہے، جیسی کہ ہمیشہ کیا کرتا تھا، اور اس کی باتوں میں وہی صفائی اور وہی بے مثل طراری ہوتی ہے، جس میں وہ ہمیشہ مشہور رہا ہے[2]۔

وہ خود ظریف تھا، اس لئے اس کی محفل میں ظرافت کی پھلجھڑیاں چھٹا کرتی تھیں۔ اس کے نائب السلطنتی کا ایک مصاحب ایک دلچسپ قصہ بیان کرتا ہے۔ اس نے کہا کہ متوفی لارڈ البر مارل (جو اس وقت نرا کپتان کیپل تھا) اس کا ایڈ۔ڈی کانگ تھا جب وہ ہندوستان سے یورپ واپس آیا تو اس نے اپنی سیاحت کے متعلق ایک "آپ بیتی کہانی" لکھی یہ کہانی طبع ہوئی اور اس کے طبع ہونے کے بعد ہی ایک روز نائب السلطنت کے دسترخوان پر بیٹھا ہوا تھا اور لارڈ پلنکٹ بھی وہاں موجود تھا۔ لارڈ ویلزلی نے لارڈ پلنکٹ سے کہا "پلنکٹ، اچھا یہ تو بتاؤ کہ "آپ بیتی" کے معنی تم کیا سمجھے"! داروغہ بیت المال نے کہا "جناب اصطلاح قانون میں تو اس کے

---

[1] گرینویل میمائرز جلد سوم صفحہ ۱۰۳۔ اس بات میں دارالامرا میں انھوں نے جو توضیح کی اس سے کچھ مطلب ہی نہیں نکل سکا۔ مسٹر گور مجھے لکھتے ہیں کہ "یہ بات خلاف فطرت نہیں ہے کہ انھوں نے اپنی زبردست قابلیت اور اعلیٰ شہرت کے باعث لارڈ چیمبرلین کے عہدے کو اپنی ذلت سمجھا ہو" لیکن خیال غالب یہ ہے کہ اور کچھ معاملہ بھی ضرور تھا۔

[2] گرینویل میمائرز جلد سوم صفحہ ۳۱

سُنی کچھ اور ہی لیئے جاتے ہیں۔ آپ بیتی اُسے کہتے ہیں جو سر سے اپنے اُوپر ہی نہ گذری ہو، بلکہ محض خیالی ہو۔"

ویلزلی کی پہلی بیوی کا ۱۸۱۶ء میں انتقال ہوگیا تھا۔ اکتوبر ۱۸۲۵ء میں اس نے مسز پیٹرسن سے شادی کرلی۔ یہ عورت ایک خوبصورت اور سگھڑ امریکن عورت تھی۔ ڈچز آف لیڈز اور لیڈی اسٹیفورڈ کی بہن تھی۔ دونوں شادی کے بعد بہت خوش و خرم رہے۔ اپنی کتاب پریمیٹی ای ایٹ ریلی کی ای (جو ۱۸۴۰ء میں عزیں بہ طبع ہوئی تھی)، کا ایک نسخہ اس نے اپنی بیوی کو تحفے میں دیا۔ اور اس میں ڈرائیڈن کے چند اشعار لکھے جن کا مفہوم درج ذیل ہے:۔

ان کی زندگی کا ہر دن "دن عید اور رات شب برات" کی طرح گزرا۔ ان کے عیش و آرام میں کوئی ناگوار اور تلخ خلل نہ ہوا۔ ان میں کبھی رنجش یا چشمک پیدا نہ ہوئی۔ باہمی صدق و صفا نے وہ لطف، ایسی الفت و محبت پیدا کردی جس میں کبھی شمہ برابر فرق نہ آیا۔"

تمام زندگی کنگسٹن ہاؤس، برامپٹن میں گزری۔ اس زمانے میں ویلزلی کا یار وفا شعار لارڈ بروم تھا۔ اس سے ویلزلی کو سچی محبت تھی۔ ہر ہفتے دونوں میں یونانی زبان میں ظرافت آمیز اشعار کا تبادلہ ہوا کرتا تھا۔ بروم نے ۱۸۴۳ء میں اپنی تقریریں شائع کیں۔ اور انھیں اپنے معزز دوست کے نام معنون کیا۔ اس میں اس نے لکھا کہ:۔

یہ تقاریر معنون ہیں اس فرد فرید کے نام، جو اپنے تدبر اور سیاست کے لحاظ سے ان کا حقیقی طور پر مستحق ہے، اور یادگار ہیں انگلستان کی اس نادر اقبالمندی کے کہ جس نے ایسے فرزانۂ دہر اور رہنما، اور نظم و نسق مملکت میں ایسے باکمال اور ہوشیار کو اپنی خدمت سے آزاد کر رکھا ہے۔"

ویلزلی نے تحصیل و تدقیق علم میں کسی حالت میں کوتاہی نہیں کی۔ عمر کے آخری سال میں اُس نے اپنی لاطینی اور انگریزی نظموں کو جو اس نے مختلف اوقات میں کہی تھیں، شائع کیا۔ نظموں کے مجموعے کا نام پریمیٹی ای ایٹ ریلیکی ای رکھا۔ اس کا کلام شوخی اور رنگینی میں ڈوبا ہوا ہے۔ اسی خصوصیت میں اس کو بڑی شہرت حاصل تھی۔ اس کے اشعار میں جا بجا حقیقی جذبات کی بھی چاشنی پائی جاتی ہے۔ اس کتاب میں گرینویل کا واقعہ

بھی درج ہے، جس میں کہا گیا ہے کہ وہ اپنی تقاریر بار بار زبانی پڑھا کرتا تھا جواس نے کبھی نہیں کیں - بہت عرصے سے پہلے پٹ نے یہ رائے زنی کی تھی کہ وہ مضمون لکھنے میں غیر معمولی طور پر سست تھا - اوراس کی تیاری میں حد درجے دقیق النظری اور مشکل پسندی سے کام لیتا تھا - لیکن اسوقت ان میں سے ایک بات بھی اس میں نہیں رہی تھی - اگر اس آخری دورِ حیات میں وہ دارالامرا میں جاتا تو اس کا استقبال نعرہائے مسرت اور شادمانی سے کیا جاتا - لیکن وہ سیاسیات سے دست کش ہو چکا تھا اور اپنی جانشینی کو پیل کے حوالے کر دیا تھا ؛

ستمبر ۱۸۳۵ء میں مسٹر منٹگمری مارٹن نے مارکوئیس سے درخواست کی کہ اس کی ہندوستانی مراسلات شایع کرنے کی اجازت دی جائے - ایک سال کے بعد یہ مراسلات زیور طبع سے آراستہ ہوگئے اور ان کو ملک معظم کے نام نامی سے معنون کیا گیا - چوتھی جلد کے دیباچے میں لکھا ہے :-

کتاب ہذا کے مدیر کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ وہ ان جذبات کا ذکر کرے جو اس کے دل میں واجب الاحترام امیر کے اعتماد کے باعث موجزن ہیں - امیر موصوف کی دانا و فرزانہ حلیم و دردمند اور وطن پرست حکومت کے کارناموں کو صاف صاف طور پر دنیا کو دکھانے کی خواہش خاکسار کے دل میں پیدا ہوئی تھی - ایسے سچے قومی کام کو اتمام کو پہنچانے کی غرض سے کسی طرح بھی قلمی امداد دینی، خواہ وہ کتنی ہی حقیر کیوں نہو، خاکسار کے لیئے ہمیشہ سرچشمہ امتنان و مسرت بنی رہے گی ؛

ایسٹ انڈیا کمپنی کے ناظموں کے لیئے اب موقع نکل آیا تھا کہ وہ تلافی مافات کریں - لیڈن ہال اسٹریٹ کے ارباب بست و کشاد کو عقل و فراست آگئی تھی، اس امر کا اب سب نے اعتراف کر لیا تھا کہ ویلزلی کی بدولت انگلستان نے ہندوستان میں ایک سلطنت قایم کر دی ہے - ناظموں نے اس کی مراسلات کے متعدد نسخے جو کتاب کی صورت میں طبع ہو چکے تھے، ہندوستان میں تقسیم کرنے کے لیئے خریدے - خط و کتابت جواب مارکوئیس اور ڈائرکٹروں کے درمیان ہوئی، اس میں ناظموں نے اس کے کارناموں کو سراہا، اور یقین دلایا کہ "مراسلات کی اتنے ہی جوش کے ساتھ اشاعت کی گئی، جتنے جوش کے ساتھ وہ لکھی گئی تھیں یعنے وہ جوش جو ہندوستان کی

فلاح وبہبود، اور دولت برطانیہ کی عزت اور فوائد برقرار رکھنے کی خاطر ظاہر کیا گیا تھا، ناظموں نے تحسین وآفرین پر ہی اکتفا نہیں کیا، بلکہ جب انھوں نے سنا کہ ویلزلی کی مالی حالت اچھی نہیں ہے تو ان کی خلبش نے بیس ہزار پونڈ (تین لاکھ روپئے) ویلزلی کی نذر کیے۔ مارچ ۱۸۴۱ء میں انھوں نے فیصلہ کیا کہ انڈیا ہوس میں اس کا ایک سنگ مرمر کا بت نصب کیا جائے اور وہ "ایسٹ انڈیا کمپنی کی شکرگزاری اور ستائش کی مستقل نمایاں اور پبلک یادگار رہو" اس نے ناظموں کے خط کا جس انداز سے جواب دیا اس میں اس کی قدیم شان وشوکت اور فصاحت وبلاغت نظر آتی ہے۔ کہتا ہے:

آپ کا عنایت نامہ پڑھنے کے بعد سب سے پہلا جذبہ جو میرے دل میں پیدا ہوا، وہ یہ تھا کہ میں نے رب جلیل وقدیر کی درگاہ میں اس امر کا شکریہ ادا کیا کہ اس نے میری عمر کو انسانی فطرت کے معمولی حدود سے زیادہ دراز کیا۔ تاکہ میں ایسے اعزاز واکرام کو اپنے ہاتھوں سے لوں، جس کی تاریخ میں اگر کوئی نظیر ہے تو شاذ ونادر ہی ہے۔ کاش کہ یہ میری یادگار جس کے ذریعے آپ میری خدمات کو سربلند اور ممتاز کر رہے ہیں، آپ کے خیال کو اس معدن کی طرف مبذول کرے، جہاں سے ان خدمات کا احساس پیدا ہوا اور جس انجام کی طرف وہ محسوسات مرکوز کردیئے گئے، اور کاش کہ یہ باتیں خلق اللہ کی خیرخواہی کے اصول اور امن عامہ کے قائم رکھنے کے قواعد آپ کے دل میں راسخ کردیں اور آپ کے ذہن میں سچی اور انصافانہ حکومت کی صحیح عزت بٹھادیں۔

پیام اجل کو لبیک کہنے سے پہلے دونوں بھائیوں میں ملاپ ہوگیا تھا۔ مئی ۱۸۳۹ء میں ڈیوک آف ویلنگٹن اپنے بھائی سے ملنے کے لئے آیا۔ اس واقعے سے دونوں کی رنجشیں جاتی رہیں، دل کا میل صاف ہوگیا۔ بڑے بھائی کی چھوٹے بھائی سے محبت کی صدہا آزمائشیں ہوچکی تھیں۔ بڑے بھائی نے چھوٹے بھائی کی خدمات کی ابتداءً دل وجان سے حفاظت اور حمایت کی تھی، اور اُسے اس قسم کے موقع دیئے تھے کہ اگر وہ نہ میسر آتے تو اس کے قوائے جسمانی ودماغی کا آشکارۂ عالم ہونا ناممکن ہوتا۔ ویلنگٹن بھی تخالف آرا ہونے کے باوجود اپنے بھائی کی عظمت ودانائی کا دل سے مداح تھا۔ وہ کہتا تھا "زندگی میں جتنے مجھے اعزاز واکرام نصیب ہوئے اُن موقعوں پر میں نے کبھی یہ عزت فراموش نہیں کی میں لارڈ ویلزلی کا بھائی ہوں"۔

ویلزلی ۲۶ ستمبر ۱۸۴۲ء کو ۸۲ سال کی عمر میں مرگیا۔ وصیت کے بموجب وہ ایٹن میں

دفن کیا گیا۔ اس قدیم درسگاہ کا وہ بچپن سے ہی جاں نثار ہوا تھا۔ ہندوستان میں جب کہ اسکی فتح اور کامرانی کا جھنڈا لہرا رہا تھا تو اس کا دل گھڑی گھڑی اپنے دونوں بیٹوں کی اور ان کے ساتھ ایٹن کی یاد سے جہاں وہ تعلیم پا رہے تھے بیتاب ہوجاتا تھا۔ اور اس نے اپنی پرمیٹی ای ریلیکی ای میں بار بار اس رفیع المنزلت کالج کی توصیف وثنا کی ہے۔ اس کے دو پسماندہ بھائی، جن میں سے ایک قابل سیاست داں اور دوسرا جری سپاہی تھا، جو اس کی نگرانی اور تعلیم کی بدولت ان درجوں کو پہنچے، اور جن کی خاطر اس نے ایسے غیر مستحق طعنے مینے سہے تھے، مرحوم کے جنازے کے ساتھ گئے اور اسے سپرد خاک کر آئے۔

ایسے موقع پر کسی شبہ کا ظاہر کرنا کس قدر دردناک واقعہ ہے، جہاں قول قول فیصل کی حیثیت رکھتا ہو، اور واقعہ اس قدر صحت سے بیان کیا گیا ہو۔ سر ولیم فریزر نے اپنی کتاب موسومہ "ویلنگٹن کے متعلق چند الفاظ" میں جو ۱۹۰۲ء میں شائع ہوئی تھی بیان کیا کہ ڈیوک کو اس کی وفات کی خبر بذریعہ خط پہنچی۔ لیکن لارڈ اسٹینہوپ نے "ڈیوک آف ویلنگٹن سے گفتگو کرنے کے متعلق چند یادداشتیں" میں لکھا ہے، جو اس وقت وامر میں مقیم تھے کہ ڈیوک نے خود لندن سے وامر آ کر یہ خبر سنائی تھی۔

نویں فصل

مدار المہام اعظم۔ اس کی شہرت، اس کے کارنامے

مسٹر ٹارنس نے اس جلیل القدر مدبر کو جس کی سوانح عمری اس نے کمال جوش مسرت سے لکھی، مدار المہام اعظم کا خطاب دیا۔ یہ خطاب اس پر خوب صادق آتا ہے جس خط ملک پر اس نے اپنے اختیارات کو استعمال کیا اور جن اصولوں پر اس نے حکومت کی، اور اس کی ذاتی سیرت جس میں انصاف، مطلق العنانی، تہذیب وشائستگی کوٹ کوٹ کے بھری گئی تھی، ایسی چیزیں تھیں کہ وہ اُن جلیل القدر صوبہ داروں کی یاد دلوں میں تازہ کرتی تھیں، جن کے عظیم الشان کارناموں نے روما قدیم کی طرف سے مشرق ومغرب کی اقوام پر گہرا اثر چھوڑا تھا۔ جب اس کا اس کے ہمعصر مشاہیر سے جو

نہایت مشہور رجال سیاست سے موازنہ کیا جاتا ہے، تو وہ ایک دوسرے ہی آسمان پر نظر آتا ہے، جو ان لوگوں کی دنیا کا نہیں معلوم ہوتا۔ ادنی سازشوں کی تفصیلات ٹوری اور وہگ فریق کی پالیسی کی تنگ نظریاں، ان سب سے وہ باہر ہے۔ اس کو اس سے کیا غرض کہ کون جج یا بشپ مقرر ہوتا ہے۔ اس کا کام تو بڑی بڑی مہمات کا سر کرنا تھا۔ ہم خواہ کتنے ہی زور لگا کے اس کی کامیابیوں کو صرف بحیثیت مدبر ہی کیوں نہ دیکھیں، اس کے مقاصد کی پاکیزگی اور وقعت سے انکار ناممکن ہے باوجودیکہ خود ویلزلی کے زمانے میں بہت سے اس سے کمتر لوگ جاہ و منصب کی دوڑ میں اس سے آگے نکل گئے لیکن وہ ہمیشہ اس صدی کے مشاہیر کی صف اول میں نظر آئے گا۔ اور جو آثار کہ وہ اپنی قوم کی تاریخ پر چھوڑ گیا۔ وہ قیامت تک باقی رہیں گے۔

ہم اس کی سیرت کا اندازہ نہیں کر سکتے تاہم اس کے جوہر کو نہیں پرکھ سکتے، جب تک کہ ہم نہ جان لیں، کہ وہ کس وضع قطع کا آدمی تھا، مسٹر پیرس جو اُس کا سب سے پہلا سوانح نگار ہے کہتا ہے:۔

> اس کا قد چھوٹا سا تھا لیکن بدن سڈول تھا، اعضاء متناسب تھے۔ اسکا چہرہ علمی شان و جمال سے مزین تھا، اس کی چال ڈھال باتمکین اور باوقار تھی۔ اس کی آواز مردانہ اور کراہت سے پاک تھی، اور جلوت میں وہ اپنے خیالات ایسی صراحت اور سلاست سے ادا کرتا تھا کہ دل پر اثر ہوتا تھا۔ مگر اس کی شکل و صورت کا زیادہ بیّن بیان نہیں یہ نہایت ہی مختصر ہے، جیسا کہ اس کی تصاویر اور مجسموں اور اس کے دیکھنے والوں کے بیانات سے اخذ کر سکتے ہیں جو اب تک عین حیات ہیں۔؎

اس کا چہرہ مہرہ ایسا خوشنما تھا جسے دیکھ کر مصور پھڑک جاتے تھے اور اس کی تصویر اتارنے کو جی چاہنے لگتا تھا۔ ہاپنر نے جس کو تناسب اعضا کے قائم رکھنے میں کمال تھا، ہندوستان جانے سے پہلے اس کی ایک تصویر کھینچی۔ اور یہ تصویر جس کو ینگ نے نہایت کاریگری سے تانبے کے پتّر پر کندہ کیا خصوصیت سے نہایت سبک اور خوبصورت ہے۔ اس تصویر میں رنگ روپ صاف ہے اور اس سے جوانی ٹپکتی ہے، تیز اور چمکتی ہوئی آنکھیں جن کی بھویں لمبی لمبی پلکوں میں سے نظر آتی ہیں۔ ہونٹوں کی

ساخت درست، لیکن وہ ذرا آگے کو بڑھے ہوئے ہیں۔ اُوپر کے ہونٹ پر عجیب طرح سے ذرا سا بل پڑا ہوا ہے۔ صورت میں عجیب وغریب دلکشی ہے، جس سے ہویدا ہے کہ اس کا احساس تیز ہے اور محبت کرنے میں مشاق ہے۔ اور ظاہر ہوتا ہے کہ وہ شاعر ہے۔ منتی ہے اور بڑا مصنف ہے۔ لیکن نگاہ کے چوکنے پن سے، اُبھرانی نتھنوں سے، کھڑی کھڑی لمبوتری ناک سے ظاہر ہوتا تھا کہ اس جسدِ خاکی میں ایسی بے چین روح ہے جس میں بہادری حکمرانی اور جدت طرازی کے اوصاف پائے جاتے ہیں اور اس کے بشرے پر ایک ایسی مجموعی کیفیت برستی ہے کہ جس کے دیکھنے سے دل میں بے اختیار اس کی حرمت اور عزت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کے طور اطوار ایسے تھے کہ جن سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ فرماں برداری اور اطاعت کا متوقع ہے لیکن ساتھ ہی خود بھروسے کے قابل ہے اور دوسروں پر بھروسہ کرتا ہے۔

بعد میں رابرٹ ہوم، جو اسکاٹلینڈ کا رہنے والا تھا، کلکتہ گیا۔ وہاں اس نے بہت سے گورے سپاہیوں اور کالے نوابوں کی تصویریں اتاریں۔ معہذا گورنر جنرل کی بھی سرکاری پوشاک میں، سینے پر سینٹ پیٹرک کا تمغہ لگے ہوئے تصویر کھینچی ۱۸۰۱ء میں ہیتھ نے اسے کندہ کیا۔ ۱۸۱۲ء میں رابرٹسن نے گارٹر کے خلعت میں اس کی ایک اور تصویر اتاری۔ یہ نمائشی تصویر قد آدم ہے، جس میں متوسط عمر کا ایک آدمی نظر آتا ہے، جس کے سر پر بال ہلکے ہیں اور ان میں سفیدی جھلک رہی ہے۔ لیکن آدمی معلوم ہوتا ہے بھاری بھرکم، اور شاہی ٹھاٹ کا، اور تزک و احتشام، نمود و نمائش کا شوقین۔ اس کی تمام تصویروں میں سب سے زیادہ مشہور و معروف وہ ہے، جو متعدد بار کندہ و کندہ کی جا چکی ہے، اور جسے سر طامس لارنس نے اول بار کھینچا تھا۔ لیکن اس تصویر میں وہ رس نہیں ہے جو اس استاد کی دیگر تصاویر میں بالعموم پایا جاتا ہے۔ اس میں مارکوئیس کا تقریباً سامنے سے پورا چہرہ اتارا گیا ہے صبح کا لباس زیب تن ہے۔ اور جارج کا تمغہ اس کے سینے پر لٹکا ہوا ہے آنکھیں اور پلکیں خاص طور پر روشن، اور صاف ہیں۔ گو یہ تصویر مجموعی طور سے خوبصورت تو ہے مگر زبان سے نہیں بول رہی۔ اس کا صاف اور چکنا چہرہ معلوم ہوتا ہے

کسی شاعر کا ہے یا کسی قدیم خاندان کے سردار کا۔ مگر اس چہرے سے یہ بات نہیں پائی جاتی کہ وہ کسی خلقی حکمراں کا چہرہ ہے۔ کہتے ہیں اس کی ایک اور تصویر کرائیسٹ چرچ کالج آکسفورڈ کے ہال میں اسی استاد کی کھینچی ہوئی لٹکی ہوئی ہے۔ اس میں بھی مارکوئیس کی تصویر قدِ آدم ہے۔ گارٹر خلعت بدن پر ہے لیکن صورت خشک اور بے فیض ہے اٹین کے کتب خانے میں بھی دو چھوٹی چھوٹی تصویریں ہیں۔ کاونٹ ڈی آرسی نے جس کی عاشق مزاجی سے ویلزلی کو ایک گونہ نسبت ہے۔ موخر الذکر کی عمر کے آخری سال میں بڑی واضح تصویر کھینچی تھی۔ اس میں وہ بڈھا تو نظر آتا ہے لیکن بیاسی سال کا نہیں معلوم ہوتا جس عمر کو اس نے ایسی آسانی سے گذار دیا تھا۔ سر پر جو بال رہ گئے تھے وہ اب سفید براق ہیں۔ لیکن گھندار پلکیں شبِ دیجور کے مانند سیاہ ہیں۔ منہ کے نقشے میں ٹھوڑی جو قدرۃً بڑی تھی، اتنی بڑی اتری ہے جو کسی تصویر میں بھی نہیں ہے، علیٰ ہذا ناک بھی ایسی لمبی چوڑی ہے کہ وہ آئرن ڈیوک کی ناک سے زیادہ مشابہ ہو گئی ہے۔ بایں ہمہ پتلے پتلے ہونٹوں پر تبسم لطف دے رہا ہے، اور نگاہ تیز اور قائم ہے اور اس میں ایک شان دل کشی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دم واپسیں تک اس کی نگاہ دھندلی نہیں ہوئی تھی۔ اور نہ اُس کی قوت میں فرق پیدا ہوا تھا۔

کلکتے میں انگریزوں نے اس کا ایک سنگ مرمر کا بت نصب کیا جسے بعد میں گورنمنٹ ہاؤس کے اس ہال میں رکھ دیا گیا جو خود اس نے بنوایا تھا۔ اس کے دوسرے پورے بتوں اور ایک نصف بت میں جسے نولے کنس نے تراشا تھا، عمدہ تصاویر کا حسن مفقود ہے، لیکن ہر ایک میں اس کی گڑی ہوئی آنکھیں اور محرابی گھندار پلکیں یکساں نظر آتی ہیں۔ تصویروں میں سے ایک میں بھی وہ نزاکت نہیں پائی جاتی جس کی نسبت اس کے تمام ہمعصر یکزباں ہیں۔ جب وہ نوجوان تھا تو اس کی صحت اچھی نہ تھی اور اپنی تندرستی کی اس کو لامحالہ بڑی حفاظت کرنی پڑتی تھی۔ لیکن بیاسی سال کی عمر میں وہ توانا اور تنومند تھا۔ چنانچہ اس کے بھتیجے گیرالڈ نے بھی لارڈ اسٹین ہوپ سے اس کی وفات سے چند ماہ پہلے ہی یہ بیان کیا تھا یہ بات اس لیے اور زیادہ تعجب خیز تھی کہ اکتالیس برس کی عمر میں تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ اس کی صحت بالکل خراب ہو گئی ہے، لیکن بڑھاپے میں وہ حد درجہ چاق چوبند تھا۔ اس کا بھائی ہنری کہتا ہے کہ جب وہ

ہندوستان روانہ ہوا ہے تو وہ بیمار اور کمزور تھا اور راس اُمید سے اس نے واپسی کا تہیہ کر لیا تھا، لیکن اس کو سمجھا بجھا کے اس ارادے سے باز رکھا گیا۔ مشرق میں آتے ہی اس کے جان میں جان آگئی اور یوماً فیوماً اس کی تندرستی بڑھتی گئی۔ سنہ ۱۷۹۹ء میں اس نے لارڈ آکلنڈ کو لکھا کہ "میری صحت انگلستان کے مقابلے میں یہاں پر اس تمام زمانے میں بہت اچھی رہی ہے اور کام کی مختلف نوعیت اور زیادتی میری طبیعت کی پژمردگی کے لئے مفید ثابت ہوئی ہے۔ بایں ہمہ اس کے خطوط میں کبھی کبھی بیماری کا ذکر ہے جو اسے اُن اوقات میں خصوصاً ستاتی تھی جب طبیعت پر افکار اور تردوات کا ہجوم ہو جاتا تھا لیکن بیماری کبھی کام کو قابو میں رکھنے اور مشکلات کو زیر کرنے میں اس کے مانع نہ ہوئی۔ اس کا جسم درحقیقت بہت سے بڑے آدمیوں کے مانند اتنا توانا اور قوی نہ تھا کہ وہ اس کے ساتھ لاپروائی یا بے احتیاطی برت سکتا، یا سخت جسمانی کوفت اٹھا سکتا، گو سخت سے سخت دماغی محنت کی برداشت کر سکتا تھا، لیکن وہ ایک چلبلی اور بے چین طبیعت کا خادم تھا، آقا نہ تھا۔ ایک دفعہ اس نے اپنے کام کی نسبت کہا کہ "وہ بہت مشکل ہے" لیکن بات یہ ہے کہ آجکل مشکلات تو ہمارا اوڑھنا اور بچھونا ہے، اور سچ پوچھئے تو مشکلات بجائے کمزور کرنے کے مجھے فربہ کر دیتی ہیں"

ویلزلی کی جسمانی قوت کی کمی کا طبیعت کی زندہ دلی سے بدل ہو گیا تھا۔ بڑی نکتہ داں اور لطیفہ سنج طبیعت پائی تھی۔ مبدء فیاض نے مذاق تو اس میں کوٹ کوٹ کے بھرا تھا۔ محفل میں وہ ستارے کی طرح چمکتا تھا، کیا ہالوڈ اور کوہ پٹی میں، اور کیا وامر اور وبلڈن غرض ہر جگہ یاران طریقت کی محفل میں اس کی دھوم تھی۔ اور آخری زمانے میں تو لندن کی نصف ماہوشیں اس کے قدموں کے ساتھ تھیں۔ بولنے میں اچھے سے اچھا شیریں مقال اس کے سامنے نہ ٹھیرتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ میڈیم ڈی اسٹیل سے جب لینڈ اؤن ہاؤس میں اس کی ملاقات ہوئی تو وہ بھی اس کا لوہا مان گئی۔ اس کے ظریفانہ چٹکلے بے حد دہرائے جاتے تھے، اور اس کے دوست اپنی باتوں میں انھیں استعمال کرتے تھے۔

علم ادب پر دل و جان سے فریفتہ تھا۔ اس نے اپنی طرز تحریر بعینہ ادبیات قدیم کے سانچے میں ڈھالی تھی۔ لارڈ بروم کہتا ہے کہ ڈیماستھنیز کی فوقیت کو وہ تسلیم کرتا تھا،

لیکن اس کے مقابلے میں سنسر د سے جو محبت اس کے دل میں جاگزیں تھی، وہ محو نہیں کیجا سکتی تھی۔ خود نما عالموں میں اسکے عالم ہونے کی بڑی شہرت تھی۔ بڑا جیّد عالم مانا جاتا تھا۔ مدرسے کے استادوں کو انہی ہتھیاروں سے شکست دیا کرتا تھا اور حق تو یہ ہے کہ وہ بھی اس کی بے حد توقیر کیا کرتے تھے۔ ورنہ یہ گروہ تو ایسا خود پسند ہے کہ خطاب یافتہ شعرا کو بھی خاطر میں نہیں لاتا۔ جتنی ادبیات قدیم میں اس کی نظر عمیق تھی اسی قدر ادبیات جدید میں بھی تھی وہ اپنے خطوط میں تو اکثر اور کبھی کبھی مراسلات میں بھی کوئی نہ کوئی شیکسپیر کا فقرہ ایسی برجستگی اور صفائی سے لکھ جاتا ہے کہ سننے والا لوٹ ہو جائے۔ اس کے کتب خانے کی وہ فہرست جو کتابیں نیلام ہونے کے وقت مرتب ہوئی تھی، ظاہر کرتی تھی کہ اطالوی شعرا کے کلام کا اس کو کس قدر شغف تھا۔ ڈانٹی کو وہ اتنا جانتا اور سمجھتا تھا کہ اس زمانے میں شاید ہی کوئی شخص اسے اتنا سمجھتا ہو۔ لارڈ اسٹین ہوپ نے وامر میں ۱۸۲۹ء کے ایک دعوت کا واقعہ لکھا ہے، اسوقت مدبر اعظم کی عمر اسی سال کی تھی۔[1]

لیڈی برگرش نے مجھسے کہا کہ حال ہی جب وہ لارڈ ویلزلی سے ملنے گئی، تو اس نے اس کی میز پر سر جوسوا رینالڈ کی تصویر یوگولینیو کی ایک چھپی ہوئی کاپی دیکھی۔ اس کی بابت باتیں ہونے لگیں! اور لارڈ ویلزلی نے ڈانٹی کے بہت سے اشعار اس کے متعلق دہرائے۔ لیڈی برگرش نے اسکے حافظے پر اظہار تعجب کیا۔ اس کے جواب میں اس نے کہا اگر میں حافظے پر زور ڈالوں، تو اس باب کے تقریباً تمام شعر سنا جاؤں، اور اس نے جب کوشش کی تو پچاس سے اوپر اشعار سنا دیئے۔ لیڈی برگرش نے اس کے علاوہ کہا کہ مجھے اس بات پر بھی بڑا تعجب آیا کہ اس کا تلفظ نہایت صاف قدیم اطالوی تھا، اور یہ یقینی ہے کہ اس معاملے میں لیڈی برگرش کا سا کامل نقاد اور ماہر اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ اس پر میں نے کہا کہ ان خوبیوں کو جو چیز دوبالا کرتی ہے وہ یہ ہے کہ اس نے اس زبان کو کسی کاروبار یا نام و نمود کے باعث حاصل نہیں کیا اس لیے کہ اسے نہ تو کبھی کوئی اطالوی سفارت ہی ملی، اور نہ کسی اطالوی مہم ہی میں نامہ و پیام اس کے سپرد کیا گیا، بلکہ علم ادب کے شوق ہی سے اس نے یہ کمال حاصل کیا ہے۔

---

[1] "ڈکن ورسیشن وِد دی ڈیوک آف ولنگٹن" (ڈیوک آف ولنگٹن سے گفتگو) ص ۱۷۰-۱۶۹۔

لارڈ سٹرٹیفورڈ ڈی ریڈکلف کہتا ہے کہ اس کی خلوت گزینی کے زمانے میں وہ ایک روز اس سے ملنے گیا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ اس کے باغ میں ٹہلنے اور سیاسیات پر گفتگو کرنے لگا۔ اس نے بیان کیا، کہ "اس کی تقریریں مجھے گوناں گوں لذت اور کیفیت حاصل ہوتی رہی"۔ کبھی تو وہ زبردست مدبر نظر آتا تھا، کبھی وہ باکمال مقرر، اور اس کی ظرافت، علمیت، اور گزشتہ واقعات کی یادداشت کے تو کیا کہنے ہیں۔

سر والٹر اسکاٹ جو قوت گفتگو کا بڑا نکتہ بیں نقاد تھا، ۱۸۲۵ء میں اُن کے متعلق لکھتا ہے کہ "مارکوئیس کی گفتگو نے اس قسم کے مدّبر کا میرے ذہن میں گمان پیدا کیا، جس کی توقع رومتہ الکبریٰ کے شہنشاہ سے کی جاسکتی ہے، "جو اپنی نظر کے سامنے تمام دنیا کو رکھ کر باتیں کرنے کے عادی تھے، اور جنھوں نے میسیناس سے وزراء" اور ہوریس سے ظریف فرزانہ کی صحبتوں سے فیض اٹھایا تھا۔

ہندوستانی سویلینوں کی تعلیمی ترقی کے متعلق اس کی تجاویز اس کے مطالعے کی وسعت کی بیّن دلیل ہیں۔ باوجودیکہ اس کی بنیادیں مغرب کی قدیم ادبیات کے علم پر مبنی تھیں، لیکن اس کے اوپر عمارت بالکل جداگانہ مسالے سے تعمیر ہونے والی تھی۔ اپنے جلیل القدر پیشرو وارن ہیسٹنگز کی مثل اس نے عظیم الشان مشرقی ادبیات کے محاسن اور اُن کی بے مثل حیثیت کو تسلیم کیا۔ اس نے خود بنگال کے عالموں کی ہمت بڑھائی اور سرپرستی کی، اور اس کی قدردانی کے باعث اس کے ہم ملکیوں نے اپنی قابلیت کو مشرقی علوم وفنون کی تحصیل میں لگانا شروع کیا۔ ذاتی سیرت کے اعتبار سے ویلزلی ان خطاؤں سے متہم نہیں ہوسکتا، جن کا ارتکاب کمینی طبیعتیں کیا کرتی ہیں۔ وہ بلاشبہ مغرور تھا، لیکن اس کا غرور کوتاہ نظری سے نہیں بلکہ بلند نظری کے ساتھ تھا۔ میکالے نے ویلنگٹن اور ویلزلی کا مقابلہ کرتے ہوئے ایک دفعہ کہا ہے کہ "دنیا میں دو بھائی ایسی مختلف طبیعت کے کبھی نہ ہوئے ہوں گے"۔ راجرز نے بھی ان دونوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ تاریخ ان کا بڑا عجیب وغریب متضاد مقابلہ پیش کرتی ہے۔ "ایک تو نمائش سے حد درجہ متنفر تھا، اور دوسرے کی زندگی ہی اس پر قائم تھی"۔ یہ قول ہے تو بہت بے باکانہ اور ایسا کہ غیر ذمہ دار بولنے والے اکثر دیا کرتے ہیں، لیکن سطحی طور پر اس میں کچھ سچائی بھی معلوم ہوتی ہے

لیکن بات یہ ہے کہ ویلزلی نمائش کو نمائش کی خاطر نہیں پسند کرتا تھا بلکہ اس کو ظاہراً علامت سمجھتا تھا اس منصب کی جو اس کو تفویض کیا گیا تھا۔ اس کا لباس اسکا سج دھج اور انداز، اس کے درباری مراسم، اس کی جلوت و خلوت، اور نمائشیں اور فضول خرچیاں، سب جزو تھیں اُس کے اس تخیّل کی جسے وہ مشرق میں ایک برطانوی حاکم یا سیلسٹ قوم میں ایک وائسرائے کے لیئے لوازمات میں سمجھتا تھا۔ وہ سرکاری رسومات اور تقریبات سے ہمیشہ وابستہ رہتا تھا۔ اس کو وہ جانتا تھا کہ اگر وہ ان رسوم کو پورا کریگا تو اُن کی تمام قدر و قیمت جاتی رہے گی۔ یہ چیز انگریزی فطرت کے خلاف تھی اور انگریز اس کا مضحکہ اڑاتے تھے جس طرح شیریڈن اس کی چال ڈھال اور حرکات و سکنات کا مذاق اوڑایا کرتا تھا۔ بات یہ ہے کہ انگریز بھی دھوم دھام کے شائق تو بہت ہیں اور اس معاملے میں ویسے صفحۂ دہر پر کسی قوم سے کم بھی نہیں ہیں لیکن وہ ان باتوں کو ترتیب و اسلوب سے کرنا پسند نہیں کرتے۔ دنیا کے تمام مناظر میں انگریزی جلوس سب سے زیادہ قہقہہ انگیز ہوتا ہے، لیکن کوئی نمائش یا جلوس بلا اسلوب کیا جائے تو ویلزلی اسے قابل نفرت بے ضابطگی سمجھتا تھا۔ اسے لوگوں کے دلوں پر اپنی دھاک بٹھانے میں بڑا مزا آتا تھا، اور وہ جانتا تھا کہ دھاک کسطرح بٹھائی جاتی ہے۔ اس کے نزدیک شان و شوکت اور ظاہرا اسلوب زندگی وجہ حیات تھے ؛

وہ اب بھی انگلستان کے انقلاب کے قبل کے آداب و رسوم کا پابند اور دلدادہ تھا۔ کوارٹرلی ریویو کے ایک دلچسپ مضمون میں ایک نامہ نگار نے بیان کیا ہے کہ "وزارت کے روبرو وہ کسی قانون کی توضیح کر رہا تھا کہ لارڈ ویسٹ مورلینڈ امرتن فیشن میں اپنی کرسی کی پشت سے کمر لگا کے ذرا لیٹ گیا اور اپنے میلے بوٹ کونسل کی میز پر رکھدیئے یہ دیکھ کر ویلزلی کو تاب نہ رہی۔ وہ ذرا ٹھیرا اور کہا کہ سرجیمس میکنٹاش نے کہا کہ ویلزلی رسم و آئین میں اتنا جکڑا ہوا تھا کہ اس کو "انگریزی سلطان" کہنا بے جا نہ ہوگا۔ کلکتہ اور پھر بیرک پور میں اس کی دعوتیں اور مہمانداریاں اور کھیل تماشے بہت سے پرانے ہندوستانی اخباروں میں مرقوم ہیں۔ گورنمنٹ ہاؤس میں صلح امیاں کی خوشی جس دھوم دھام سے منائی گئی تھی، اسے مسٹر ہربس اس قابل سمجھا کہ اس کی طول طویل تفصیل دی جائے۔ اور لارڈ ویلنشیا نے جو ویلزلی سے ہندوستان ملنے گیا تھا، اس کی کوٹھی

کا نقشہ رنگین الفاظ میں کھینچا ہے۔ وہ کہتا ہے:۔

اس کی کوٹھی کا محل وقوع اتنی عمدہ جگہ ہے کہ میں نے ایسی جگہ آج تک نہیں دیکھی۔ دریائے ہگلی کی سطح سے یہ موقع بہت کچھ اونچا ہے، اور راس کے ایک وسیع قطعۂ زمین پر وہ واقع ہے۔ اس کے دونوں طرف مندر گانوں اور اونچے اونچے درختوں کے جھنڈ ہیں۔ دریا کا پانی بھی کلکتے کے مقابلے میں صاف ہے اور اس کو سرکاری بجرے اور گورنر جنرل کی ایک مستولی ناؤوں نے ڈھک رکھا ہے۔ کشتیاں سبز رنگ سے رنگی ہوئی ہیں، اور ان پر خوبصورت سنہری کام ہو رہا ہے۔ کشتی بانوں کی وردیاں سرخ انگارا ہیں۔ یہ دونوں رنگ بڑی بہار دیتے ہیں۔ اور تمام نظارے میں ایک خاص کیفیت پیدا کر دیتے ہیں۔ کوٹھی کے چوطرف انگریزی وضع کا چمن ہے اور مکان یہاں کے موسمی اعتبار سے خوب ہے۔ چاروں طرف برآمدہ ہے اور کمرے نہایت وسیع ہیں۔[1]

گورنر جنرل سینٹ پیٹرک کے تمغے اور جڑاؤ ہلال لگائے ہوئے کلکتے کے ناچوں میں سب سے ممتاز نظر آتا تھا، لارڈ ویلنشا لکھتا ہے جس نے اس قسم کے کھیل تماشوں کو بچشم خود دیکھا تھا کہ:

ارمنی مردوں کا کالا لباس اپنی بوقلمونی کے اعتبار سے بھلا معلوم ہوتا تھا، مگر ان کی عورتوں کا قیمتی لیکن ناموزوں لباس، افسروں، ایرانیوں، نوابوں اور ہندوستانیوں کے جمگھٹ میں سوانگ کے تماشے سے مشابہت رکھتا تھا۔[2]

اس کی دلچسپیوں کے کروفر میں رفاہ عام کے کام، فنون لطیفہ، تعلیم و تعلم بھی داخل تھے۔ وہ صرف بذات خود ذوفنون نہ تھا بلکہ اپنی سرکاری حیثیت کے اعتبار سے انصافاً اسے علوم کی سرپرستی کا حق حاصل تھا۔ لہٰذا ہم اسے دور تجدید علوم کے عظیم الشان اور روشن دماغ حکمرانوں کے مثل شہروں کی تعمیر و ترقی میں مصروف دیکھتے ہیں۔ ۱۶۔ جون ۱۸۰۳ء کی ایک روئداد میں کلکتے کی توسیع و ترقی کے متعلق اس کی تجاویز درج ہیں۔ اس میں اس نے گندی موریوں اور حفظ صحت کے انتظام کے نقائص

[1] ماخوذ از "وائیجیز اینڈ ٹریولز" (تری اور خشکی کے سفر) از جارج وائکاونٹ ویلنشا مطبوعہ ۱۸۱۱ء یہ کتاب ویلزلی کے نام معنون تھی۔ دیکھو جلد اول صفحہ ۳۹-۴۲۔

[2] "وائیجیز اینڈ ٹریولز" جلد اول ص ۳۷۔

کو ظاہر کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ "گورنمنٹ کا فرض اولین یہ ہے کہ اس عظیم الشان شہر کے باشندوں کے آرام و آسائش، صحت و سلامتی کی پوری پوری نگرانی کرنے کے لیے سڑکوں، کوچوں، گندی موریوں اور برساتی پانی کے نکاسوں کا ایک جامع و منضبط انتظام کرے، اور مکانات کی تعمیر اور سرکاری عمارتوں کی، شہر کے مختلف حصوں میں ضرورت کے مطابق، تقسیم کے متعلق مستقل قواعد بنا دے اور ہر قسم کی تکلیف دہ حرکتوں کے لیے ضوابط قلمبند کر دیئے جائیں۔

شہر کے حسن و خوبصورتی کا باشندوں کے آرام و آسائش، صحت اور سلامتی سے ایک غیر منفک تعلق ہے، اور ہر ایسی اصلاح جو بازاروں، سڑکوں، گھاٹوں، گودیوں اور سرکاری عمارتوں اور عوام الناس کے مکانوں کی منزلت اور شان کی، اسلوب و تناسب کو دوبالا کر دے۔ ضروری ہے کہ وہ آب و ہوا کو بھی صاف اور ستھرا کرے گی، اور اس طرح سے شہر کی صفائی کے ایک عمدہ ضابطے اور انتظام کے حصول کے ساتھ ہر چیز میں ترقی ہو گی۔[1]

ایک اور روئداد میں[2] جو ۲۶ جولائی ۱۸۰۴ء کو لکھی گئی تھی، ہم دیکھتے ہیں کہ وہ ہندوستان کے حیوانات کے متعلق بحث کر رہا ہے۔ اس نے ڈاکٹر فرانسس بوکانن کو مقرر کیا کہ "وہ تمام ہندوستان کے صوبوں کے مشہور چوپایوں اور پرندوں کے متعلق صحیح صحیح حالات دریافت کرے، اور ہندوستان کے تمام طبی افسروں سے بھی اس موضوع پر اطلاع طلب کی۔ اس نے بیرک پور میں چڑیا خانہ قائم کیا، تاکہ بوکانن کی تحقیق و تفتیش میں اس سے مدد ملے۔ وہ لکھتا ہے۔

ہندوستان کے حیوانات کے اس اہم شعبہ کی ترقی و توضیح جو ایسے عظیم الشان مقاصد پر حاوی ہے، اور جس میں دنیائے مخلوقات کے بڑے اجزا شامل و داخل ہیں ایک ایسی چیز ہے جو دولت انگلشیہ کی کمپنی کی فراخدلی اور فیاضی کی مستحق ہے اور ان کا یہ کارنامہ ایک ایسی خدمت ہو گا جسے دنیا خوشی سے قبول کرے گی۔ اس میں تحقیق و تدقیق کے لیے ہمتیں بڑھانا اور سہولتیں بہم پہنچانا ایک ایسا فعل ہو گا جو اس علم کے دائرے کو وسیع کر دے گا اور برطانوی حکومت

---

[1] مراسلات ویلزلی، جلد چہارم صفحہ ۶۷۲ الخ۔

[2] مراسلات ویلزلی، جلد چہارم صفحہ ۶۷۳ الخ۔

کی ہندوستان میں موجودہ عالی حیثیت کے باعث اس پر یہ کام بطور فرض کے عائد ہو گیا ہے"۔

ایک سال بعد اس نے ترقی زراعت کے متعلق ایک قیمتی رو کماد بھیجی۔ اس میں وہ لکھتا ہے کہ

اس بات سے قطع نظر کرکے برطانوی حکومت کا یہ اخلاقی فرض ہے کہ اپنی رعایا کی ہر ممکن ذریعے سے حتی المقدور سود و بہبود کی فکر کرے، یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ رعایا کی خوش حالی اور دولت کی ترقی سے مالی طور پر خود بھی ضرور اس کو فائدہ ہوگا۔ چنانچہ اس نے تجویز کی کہ وہ بیرک پور میں تجربہ کرنے کے کھیت اور نہرہ مشتمل بنائیں، جہاں سیاہ رنگ کے مویشیوں کی نسل کو ترقی دیجائے اور ساتھ میں زراعت کے متعلق زیادہ باضابطہ اصول سکھائے جائیں، اور وہاں یہ بھی طریقہ سکھایا جائے کہ اناج کم خرچ کے ساتھ کس طرح استعمال کیا جاسکتا ہے۔

یہ محض نمونے ہیں اس کی وسعت نظر کے۔ اس میں کلام نہیں کہ عامۃ الناس کے متعلق تمام معاملات میں اس کی خواہش یہ تھی، کہ وہ سب کے سردار اور سرپرست مانے جائیں۔ اور یہی حیثیت اس کے دلی منشا کے مطابق تھی۔ اور اس کے ادبی رنگ میں اس کا پرتو بھی نظر آتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ اعلیٰ خیالات کا آدمی تھا، اور اپنے زبردست خیالات اور افکار کو مناسب الفاظ میں پیش کرتا تھا۔ مسٹر رابرٹ لوئی اسٹیونسن نے جو بات برطانوی امیر البحروں کی نسبت بڑے فخر سے کہی ہے، وہ ویلزلی پر کما ینبغی صادق آتی ہے۔ ویلزلی نہ صرف بڑا دل رکھتا تھا بلکہ اس کی تقریر بھی بڑی بلیغ ہوتی تھی۔ اس کی تقریروں میں ایک ایسی رفعت اور شان پائی جاتی ہے۔ جو مخصوص تقریبوں اور فوجی گانوں میں سننے میں آتی ہے، اگر اس کے الفاظ سے تو صاف ظاہر ہوتا ہے، کہ وہ بہت بڑے دل کا آدمی ہے۔ وہ عجیب قصہ جو پیٹ کے سامنے نہایت پر شکوہ الفاظ میں پوری نقل کے ساتھ ولف کے متعلق بیان کیا گیا تھا، کہ وہ کس طرح گنیڈا میں کیسی کیسی عظیم الشان فتوحات حاصل کریگا، ظاہر کرتا ہے کہ بعض اوقات بڑے بڑے آدمی بھی اترانے اور شیخی بگھارنے لگتے ہیں۔ اس قسم کی باتوں سے گو ویلزلی کا اعلیٰ مذاق اُسے بچائے رکھتا، لیکن انسان انسان ہی تو ہے کہ ارکان اعلیٰ ہونیکی حیثیت سے ویلزلی کے دل میں کچھ تو خیال ضرور ہونا چاہیئے تھا۔ اسی کمزوری میں وہ علامت نظر آتی ہے جس نے اس کو اعلیٰ ترین منصب پر نہ پہنچنے دیا۔ ہمیں اس کے کارناموں کا اعتراف ہے۔ لیکن ہمیں اسبات کا خیال بھی نہیں آیا، ہم اُن مشاہیر سے مقابلہ و موازنہ کریں،

جنھیں انگلستان نے مشرق میں اس کے بعد بھیجا۔ ہم اسے نہ تو ڈلہاوزی کا ہمسر ٹھیرا تے ہیں، نہ ہولاک اور کارڈن کا اور نہ ہم اس کو اس رفیع المنزلت شخص وارن ہیسٹنگز کی صف میں کھڑا کرتے ہیں، جو ان سب میں بڑا تھا، اور جس کے ساتھ آخرشش اب ذرا ظہور انصاف کیا گیا۔

بہت سی باتوں میں رچرڈ ولزلی بہت شریف النفس تھا، اور اس کی ہندوستانی خدمات بلاشبہ عظیم الشان تھیں۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں، کہ اس کی تمام زندگی میں کس بات کی سخت کمی تھی؟ گیا یہ کوئی اخلاقی وصف تھا، اس کی کنجی ان کی سیرت میں ملتی ہے۔ لیکن قومی تاریخ میں سیرت کا بہت کم لحاظ کیا جاتا ہے۔ اس کے معاصرین کہتے ہیں کہ وہ "بندۂ عیش تھا"، اور ایسی سیرت میں خواہ وہ بتدریج کتنی ہی نکھر کیوں نہ جائے، اور اس کا تزکیہ کیوں نہ ہو جائے، جیسا کہ اس کے ساتھ ہوا۔ تاہم امور عامہ پر اس کے اثر بد کا رنگ گو نہایت ہلکا سہی، لیکن چڑھ ضرور جاتا ہے۔ ایک عیش پسند طبیعت ایسے موقع سے لطف اٹھائے بغیر کبھی باز نہیں رہ سکتی، جہاں انسانی افعال کی باگ ڈور عیش وتنعم کے ہاتھوں میں ہو، یہی وہ نقص ہے، جس نے ایک ایسی روح کو جو بہت سے اعتباروں سے نہایت پاکیزہ تھی، داغ لگا دیا تھا۔ ایک تو وہ مارننگٹن تھا، جس نے ان جانبازوں کی ستائش وصلے میں حصہ دار ہونے سے انکار کر دیا تھا جنھوں نے اپنا خون جنگ میسور میں بہایا تھا، اور پھر ایک وہ ولزلی تھا، جو پیرانہ سالی کے ترحم انگیز لطف وانداز کے ساتھ برامپٹن میں گلگشت چمن کرتا ہوا یاروں سے پرانے قصے دہرایا کرتا تھا۔ یہ تصویریں رنگیلے اور بانکے لوگوں کی اور اس رائے کے مقابلے میں کتنی خوشنما ہیں، جو ولبر فورس نے اپنے ایک خط میں کسی کو لکھ بھیجی تھی کہ "میں سنتا ہوں کہ دنیا دار لوگ بھی اس بات پر حیں بجبیں ہوتے ہیں کہ ایسے کمزور سیرت کے شخص کو مدار المہام سلطنت کر دیجئے۔ ایک "انگریزی سلطان"، "انگریزی سلطان" کے معنے خواہ کتنے ہی دلنواز کیوں نہ لیے جائیں، اس کا اہل نہیں کہ برطانیۂ عظمیٰ پر حکومت کرے"۔

ہم نے اتنی بات ضروری سمجھ کر اس لیے کہی کہ کہیں یہ خیال نہ کیا جائے کہ ولزلی کی سیرت اور قابلیتوں کو ہم نے حد درجہ سراہا ہے اور اس کی نسبتی کمزوریوں کو

نظر انداز کردیا ہے۔ اور اس طرح اس کی آخری ناکامیابی کے راز کا انکشاف نہیں کیا بہت سے نہایت ہی بدتر آدمیوں نے انگلستان کی بساط سیاست پر بڑے بڑے کام کیے ہیں، اور انگریزی مدبرین میں ان کے نام ویلزلی سے زیادہ مشہور و معروف ہیں۔ لیکن جیسا بھی کچھ تھا اس نے اپنے ہمسر امراء کے چرکوں کو تمکنت سے سہا اور حقارت کی نظر سے دیکھا، اور سلطنت کی خاطر بھی اس نے اپنی گردن کو نیچے نہ ہونے دیا۔ کوریولینس کے مثل وہ بھی یہ کہتا تھا۔

مجھے یہ زیادہ پسند ہے کہ میں آزادیِ عمل کے ساتھ آپ کا خادم بنوں بمقابلہ اس کے کہ آپ کے ساتھ لٹکا لٹکا پھروں۔

ان تمام باتوں کو پیش رکھ کر ہمیں اس بات پر تعجب نہیں کرنا چاہیئے، کہ اس کے اعلیٰ اوصاف کی ابھی پوری داد نہیں دی گئی۔ جب اس کے کاغذات کی نہایت تحقیق اور تدقیق سے چھان بین ختم ہو جائیگی، اور اس کی ایک مکمل اور جامع سوانح عمری لکھی جائیگی تو ہمیں یقین ہے کہ وہ دنیا کے سامنے اب کے مقابلے میں کہیں زیادہ سربلند نظر آئیگا؛ اس اثناء میں ہمارے مشاہیر میں اس کے کارنامے اس کو سرفراز رکھیں گے۔ اس نے آئرلینڈ کے مسئلے کو اچھی طرح سمجھ لیا، اور اس امر کی کوشش کی، کہ کسی طرح اسکو حل کروں۔ معاشیات کے اصول مانچسٹر سے پہلے ہی وہ آزاد تجارت کا حامی تھا۔ یہ کہنا ایک حد تک بالکل صحیح ہے کہ اگر وہ نہ ہوتا تو نپولین ہرگز زیر نہ کیا جاسکتا۔ شہنشاہ نپولین نے خود اس امر کا اعتراف کیا کہ یہ ہسپانوی مدافعت ہی تھی جس نے اس کو تباہ کیا۔ اور اگر اس معاملے میں ویلزلی کا اصرار اور استقلال اپنا کام نہ کرتا تو پھر نہ تو اس مدافعت کا انتظام ہوتا اور نہ وہ عمل میں آتی، اور نہ کامیابی نصیب ہوتی۔ یہ ویلزلی ہی کی صاف نظری، غیر مغلوب استقلال، اور سادہ عزم تھا، جس کے طفیل ویلنگٹن کو فوج و آلات حرب و ضرب میسر آ گئے۔ اگر یہ نہ ملتے تو فرانسیسی افواج کے مقابلے کی تاب لانا ویلنگٹن کے لیئے محال تھا۔ یہ ویلزلی اور ویلنگٹن ہی تھے جنھوں نے ابنائے اسپین میں فتوحات کے جھنڈے اڑائے ۔

لیکن اس کی سربلندی اور عظمت کا لاکلام ثبوت اس کی ہندوستانی نظم و نسق میں ہی نظر آتا ہے۔ جب وہ مشرق صنائع عالم کی گوناں گوں صنعتوں اور قدرتوں کا تماشا

دیکھتا ہوگا، اور پھر لیڈن ہال کے اپنے آقاؤں کی طرف نظر دوڑاتا ہوگا تو اس کے دل میں ضرور یہ خیال گذرتا ہوگا کہ "اس ارض وسیع میں، میں ہی برطانوی سلطنت پیدا کرسکتا ہوں، اور میرے سوا کسی اور کا یہ بوتا نہیں ہے کہ وہ اس کام کو انجام دے سکے" ہندوستان میں جو کچھ اس نے کیا وہ ابھی تک مٹا نہیں اور نہ کبھی مٹ سکتا ہے۔ اس نے ایسٹ انڈیا کمپنی کو اس کے ارباب بست وکشاد کی مخالفت کے باوجود ایک تجارتی کوٹھی سے بڑھا کر شاہی طاقت کے درجے پر فائز کیا؛ اس نے کمپنی کی حکومت کی عمارت کو جو اینٹوں کی بنی ہوئی تھی سنگ مرمر کا بنا دیا۔ اس کے آنے سے پہلے انگریزی گورنر جیسا موقع پڑتا ویسی پالیسی کو استعمال کرتے تھے۔ اور یہ پالیسی اس کے بڑے بڑے مفسروں کے ہاتھوں میں بھی محض دفع الوقتی کی پالیسی تھی۔ اس کے برعکس ویلزلی نے وہ اصول وضع کیے جن سے انحراف کرنا اس کے جانشینوں کے لیئے ناممکن ہوگیا لیکن ان اصولوں کو توڑنے کا تجربہ بھی کیا گیا۔ کارنوالس نے آنے کے ساتھ ہی ویلزلی کے ڈھرے کو بالکل تلپٹ کردیا اور نہایت مختصر مگر زوردار الفاظ میں یہ ظاہر کردیا کہ ویلزلی کی پالیسی غلط اور نکمے اصولوں پر قائم تھی، لیکن آخرش سب کو ماننا پڑا کہ ویلزلی کا نظام بہترین نظام ہے۔ اور اسی کی جیت رہی ؛

جب وہ آیا تھا تو سرزمین ہند مختلف اقوام اور متفرق حکمرانوں کا ایک میدان جدال وقتال بنی ہوئی تھی؛ ہر شخص اپنے پڑوسی پر دست اندازی میں مصروف تھا۔ گورنمنٹ کی لاغری اور مرکزی حکومت کے فقدان کے باعث سوسائٹی پھر فطرتی حالت کی طرف عود کررہی تھی جس کا ہابس نے ذکر کیا ہے۔ "آدمی کی زندگی اگرچہ بعض دفعہ تنہائی میں گزرتی تھی مگر اکثر اوقات وہ گندی، ظلم انگیز اور تھوڑی مدت کی لیئے ہوتی تھی" ویلزلی نے یہاں کی قوموں کو یہ سبق پڑھا دیا کہ اتحاد اور حکومت کے سرچشمے کہاں سے پیدا ہوتے ہیں۔ معہذا اس نے انگلستان کو بھی یہ سکھا دیا کہ اُسے اپنے ورثے کا کسطرح اندازہ اور اس پر کس طرح قبضہ کرنا چاہیئے۔ جس ملک پر اس نے برطانوی جھنڈے کو اڑایا، وہ درحقیقت ایک وسیع اقلیم تھی؛ اس نے جنوب میں مسلمانوں کی ظالم اور خطرناک حکومت کو برباد کردیا۔ اس نے اودھ کو بجائے خطرے کے اپنا پشت وپناہ بنالیا۔ اور بنگال کو ہر طرف کے خارجی حملے سے آزاد کردیا۔ اس نے مرہٹوں کی

اتحادی سازش کو اگر توڑا نہیں بیکار ضرور کر دیا۔ اس نے انگلستان کے نام کی سرحدِ ایران سے بحیرۂ قلزم تک تمام اقوام کے دلوں میں عزت بٹھادی، اور اس کی شہرت کو اس طرح بلند کیا کہ جنگی فتوحات سے بھی ایسی شہرت حاصل نہ ہو سکتی۔ انگلستان کے حاکموں، اس کے سول افسروں، اس کے ججوں کو اس نے یہ بتا دیا کہ ان کی اصل قوت ان کی محنتوں کے کمال، انکی سیرت کی استواری، اور ان لوگوں کی سیرت اور علم میں پنہاں ہے، جو ان کے سپرد کر دیے گئے ہیں۔ یہی علامت تھی اس کی عظمت اور بزرگی کی، اور یہی نشانِ امتیاز تھا اس کے کام کے مستقل ہونے کا کہ اسنے برطانیہ عظمیٰ کے بار ذمہ داری کا پورا احساس اور پورا اعتراف کیا۔ تجارت، سیاست، جنگ، مذہب، ہر چیز میں یہی ایک صاف اور مجرب اصول تھا، جس پر وہ کاربند رہا، وہ کہتا تھا، ہمارے ہاتھ میں اس عظیم الشان سلطنت کی قسمت ہے۔ اس کی آئندہ فلاح و بہبود اور اس کی نشو و نما کے ہم نگران ہیں۔ اس لیئے یہ انگلستان کا فرض ہے، کہ اسے اقوام میں سرفراز کر دے، ورنہ کلنگ کا ٹیکا ہماری پیشانی پر ہمیشہ کے لیئے رہ جائیگا۔

تمت

غلط نامہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۳	۳	۱۷۶۳ سنہ ۱۷۶۹	۱۷۶۳ سنہ، ۱۷۶۹	۵۵	۱۲	حفوظت	حفاظت
"	۲۵	کواٹرکی ریویو	کواٹرلی ریویو	۵۹	۲۱	دحاوی	دعاوی
۵	۶	نانٹ	ناٹنٹ	۶۲	۵	نطر	نظر
۹	۱۳	نامداد	امداد	۶۷	۳	فنح	فتح
۱۴	۸	پھ	پھر	"	"	اہر	اور
"	۲۱	لاسقتے تھے	لاسکتے تھے	۷۵	۲	ٹائے	ٹانئے
۱۷	۲۵	تشریف لائے ہیں	تشریف لاتے ہیں	"	۲۱	۱۸ء اکتوبر	۸ء اکتوبر
۱۸	۱۸	شکست فاحش	شکست فاش	۸۸	۴	۵سو برس	۳۵ برس
۲۷	۱	تاوان	تاوان	"	۱۴	مغرزبی	مغربی
۲۸	۶	نرم دلی کی لئے	نرم دلی کے لئے	۹۶	۷	جارہی تھی	جاری تھی
۲۹	۲	خطرے	خطرے	۱۰۱	۱۲	بینوں کے لئے	بنیوں کے سے
۳۰	۱	بالابار	مالابار	۱۰۷	۱۹	بطالوی	برطانوی
۳۳	۲۴	ذرا اپنے تلے الفاظ	ذرا انپے تلے الفاظ	۱۱۶	۴	بے دست وپا رکھا تھا	بے دست وپا کر رکھا تھا
۴۱	۱۵	باالکلیہ	بالکلیہ	"	۹	در	اور
۴۸	۶	مصیبت	مصیبت	۱۱۷	۸	یہ	پر
"	۲۰	مجلت	بعجلت	"	۱۸	کھے کی	رکھے گی
۵۳	۲۰	سے	ہے	۱۱۸	۱۹	آب	آپ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۱۸	۲۰	شکرے	شکریہ
۱۲۲	۱۳	ٹھا	تھا
۱۲۵	۲۱	سپانیہ	ہسپانیہ
۱۲۶	۴	نصف	نصف
"	۱۴	اصلاح کاروں	صلاح کاروں
۱۲۷	۲۳	اس لئے)	اس لئے
۱۳۶	۲	گئے	گتّے
۱۴۳	۱۴	قواغد	قواعد
۱۴۴	۱۸	مدارالمہام اعظم کا خطاب	مدارالمہام اعظم کا خطاب دیا
۱۴۵	۲۵	کھی ہوئی	کھُبی ہوئی
۱۴۶	۲۰	گندہ دوکندہ	گندہ درگندہ
۱۴۷	۱۷	نوے کنس	نوکے کنس
۱۴۹	۱۱	۱۸۲۹ء	۱۸۳۹ء
"	۱۴	یوگولینو	یوگولینو
۱۵۲	۴	گانوں	گاؤں
"	۱۱	جراؤ	جڑاؤ
۱۵۷	۱۶	مبدان	میدان